UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222823

UNIVERSAL
LIBRARY

جلد سی و یک | ماہ شوال المکرم ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ فروری سنہ ۱۹۳۳ء | عدد ۲

Checked 1978

مضامین

شذرات	سید سلیمان ندوی	۸۲ - ۸۴
احادیث اسلام	ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی ایم اے، پی ایچ ڈی، پروفیسر اسلامیات، کلکتہ یونیورسٹی،	۸۵ - ۹۴
"فلسفۂ فقرار"	ڈاکٹر نواب مرزا مرزا جنگ بہادر کے سی آئی ای، سی ایس آئی، ایم اے ال ال ڈی، حیدرآباد دکن،	۹۵ - ۱۱۱
شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی،	مولنا سید ابوظفر ندوی، سابق معلم عربی فارسی مہاودیالے احمدآباد (گجرات)	۱۱۲ - ۱۲۶
سعدی کا "سراے اغلش"	سید سلیمان، ندوی،	۱۲۷ - ۱۲۹
ہندوستان کا ایک نقش،	علیاحضرت سلطانہ دُرِ شہوار بیگم	۱۳۰ - ۱۳۴
اسکول آف عربک اسٹڈیز" میڈرڈ،	ڈاکٹر محمد عنایت اللہ ایم اے پی ایچ ڈی گورنمنٹ کالج جھنگ (پنجاب)	۱۳۵ - ۱۳۶
اخبار علمیہ	"ع ز"	۱۳۷ - ۱۴۰
معراج المومنین	حکیم الشعرا، امجد، حیدرآبادی،	۱۴۱ - ۱۴۴
اخلاص نیاز	جناب سید شاہ نجم الدین احمد نجم، کاکوی،	۱۴۴
نئے رسالے اور اخبار اور رسائل کے خاص نمبر،	"ر"	۱۴۵ - ۱۵۷
مطبوعات جدیدہ،	"	۱۵۸ - ۱۶۰

۸۹۱۵۴۳۰۵
معارف
جلد ۳۱

شذرات

پنجاب یونیورسٹی کی مجلس تحقیقات نے دوسرے صیغون کے ضمن مین مشرقی علوم اور اورینٹیل کالج لاہور کے مسائل پر جو کچھ غور کیا ہے، اس کے متعلق مختلف افواہین اخبارات کے صفحون مین پڑھنے مین آرہی ہین، گو آج کل کے کمیشنون کی اصطلاح مین اصلاح اور تخریب کے معنون مین بہت کم فرق ہے، تاہم ضرورت ہے کہ پنجاب کے اہل علم اس موقع سے فائدہ اٹھاکر متحدہ یکجہتی سے کام لین، اور علوم مشرقی کی تعلیم مین وہ جدید مناسب اصلاحین جاری کرائین جنسے وہ موجودہ ضروریات کا ساتھ دیسکے، طرز تعلیم، طریقہ تعلیم، نصاب تعلیم، حقوق، یہ سب باتین بحث و اعتنا کے قابل ہین اور بجائے اشخاص اور جماعتون کے، متحدہ قوم کی طرف سے اس کا لائحہ پیش ہونا چاہیے، اور اس کے پیچھے پنجاب کے اسلامی اخبارات کی پوری طاقت ہو، ڈر ہے کہ اختلاف جماعت داری، اور فرقہ پروری سے فائدہ کے بجائے نقصان پہنچ جائے

ہمارے پاس یونیورسٹی ورجرمنی سے ایک جرمن فاضل ڈاکٹر ہرلڈ فان کلوبر KLUBER کا ایک جرمن خط مع ایک بگڑے ہوے اردو ترجمہ کے آیا ہے، جسمین موصوف نے یہ لکھا ہے کہ وہان کے انسانی عجائب خانہ مین ہندوستان کا بنا ہوا ایک عربی کرہ (گلوب) ہے جسپر اسکے بنانے والے کا نام ضیاء الدین محمد بن قائم محمد بن ملا علیی بن شیخ المداد ہاپوانی اصطلابی لاہوری سنہ ۱۰۷۱ھ درج ہے، وہ اس پر ایک مضمون لکھنا چاہتے ہین، اور ہندوستان کے اہل علم سے اس بنانے والے کا حال دریافت کرتے ہین اور اگر اس قسم کے کرے ہندوستان مین بھی اسکے بنائے ہوئے ہون تو وہ انکا بھی حال جاننا چاہتے ہین، ہم کو اب تک اس شخص کا کچھ حال معلوم نہین ہوسکا ہے اگر دوسرے اہل علم ہمکو اس کے متعلق کچھ مدد دے سکتے ہون، تو ممنونیت کا باعث ہوگا، اسکے بنائے ہوئے دو اصطلابون کا علم ہمکو ہے، ایک ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانہ مین ہے اور دوسرا مولنا ابوبکر صاحب جونپوری (ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی) کے پاس ہے، ہندوستان مین جن صاحبون کے پاس قدیم کرے یا اصطلاب ہون براہ کرم وہ اُن کے

کارگیروں کے ناموں اور تاریخوں سے مطلع فرمائیں، جو عموماً ان کروں اور اصطرلابوں پر کھدے رہتے ہیں، شاید کہیں سے کوئی مسئلہ حل ہوسکے، ہم اب تک اسکے متعلق جو کچھ پتہ لگا سکے ہیں، وہ آیندہ حاضر خدمت ہوگا،

معارف کا مجموعۂ مضامین "اہل السنۃ والجماعۃ" رسالہ "اہل السنۃ والجماعۃ" کے نام سے چھپ کر شائع ہوا ہے، اسکا ملیالم ترجمہ (کالی کٹ) کے اسلامیہ دارالاشاعت نے گذشتہ سال چھاپا تھا، اب ۱۹۳۲ء کے نئے سال میں حافظ محمد یوسف صاحب باقوی نے اپنے دارالاسلام مدراس کی طرف سے اسکا تیلگو زبان میں ترجمہ شائع کیا ہے، ہمکو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایک بنگالی متعلم دارالعلوم ندوہ نے بنگالی میں اسکا ترجمہ کیا ہے،

تمام ہندوستان میں مسلمانوں کی جتنی آبادی ہے، اسکی کسی قدر کم نصف تعداد بنگال میں آباد ہے، یہ حقیقت اس امر کو واضح کرتی ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں بنگال کی اصلاح و ترقی کا مسئلہ کسقدر اہم ہونا چاہئے، تاہم یہ کس قدر قابل افسوس بات ہے کہ بعض مسلمان اہل سیاست اسکو دوسرے صوبوں کی مسلمان آبادی کی قیمت میں فروخت کرنا چاہتے ہیں، اور بعضوں نے تو یورپین سوداگروں کے ہاتھوں میں اسکو عملاً فروخت بھی کر ڈالا ہے، اس کے یہ معنی ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کی تقریباً نصف تعداد ہمیشہ کے لیے اپنے گھر کے اندر بنگالیوں کی غلام بنی رہے،

بہرحال ہم کو یہاں انکی سیاسی غلامی سے زیادہ اُن کی ذہنی غلامی سے بحث ہے، ہندوستان کے تمام صوبوں سے زیادہ عربی و مذہبی تعلیم جہاں جاری ہے وہ بنگال ہے، پٹنہ سے لیکر بنارس، الہ آباد، کانپور تک اور وہاں سے لیکر دیوبند تک ہر جگہ بنگال کے طالب العلموں کی کثرت ہے، ان کے علاوہ خاص بنگال کے چھوٹے بڑے مدرسوں میں ساٹھ ہزار طالب العلم عربی کی تحصیل میں مصروف ہیں، بایں ہمہ وہیں سب سے زیادہ مذہبی و علمی جہالت کی عالمگیری ہے، اور وہیں جاہل ملاؤں اور جاہل پیروں کی سب سے زیادہ کھیت ہے، انگریزی تعلیم نے اس قرب کے باوجود بہت کم اثر کیا ہے، اور سنتے ہیں کہ جاہل مولوی ابتک وہاں انگریزی کو کفر کے ہمرتبہ

سمجھتے ہین بلکہ روا تین تو یہان تک ہین کہ خود بنگالی زبان اُن کے ہان کافرون کی زبان سمجھی جاتی ہے، جبتک یہ صورت حال ہے ہندوستان مین مسلمانون کے سب سے اہم صوبہ کی اصلاح کا کام خواب و خیال ہی، حالانکہ یہ تاریخی واقعہ ہے کہ بنگال کی بولی کو جنھون نے زبان کا درجہ دیا، اور اسکو علم و ادب کے قابل بنایا، وہ بنگال کے مسلمان سلاطین ہین،

زبان گر بہر حق خوانی چہ عبرانی چہ سریانی

ہم نے پچھلے معارف مین بنگال کے مسلمانون کو اردو زبان کی طرف جو توجہ دلائی تھی، اُس کا منشا یہ نہ تھا کہ وہ اپنے صوبہ کی زبان کو چھوڑ کر اردو کی طرف توجہ کرین، بلکہ یہ منشا تھا کہ اپنی صوبہ وار زبان کے ساتھ ساتھ اس عمومی قومی زبان سے جو بہت کم وقت لیتی ہے بے توجہی نہ برتین، ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ اوتنا حصہ ہندوستان کی اسلامی برادری سے گویا کٹ جائیگا، اور اسلامی تحریکات کے پھیلنے مین سخت رکاوٹ پیش آئیگی، ورنہ ظاہر ہی کہ ہم تو اس تجویز کے حامی ہین کہ نہ صرف یہ کہ ان صوبون کے مسلمانون کو اُن زبانون مین مہارت حاصل کرنی چاہئے، بلکہ ان زبانون کو بھی اسلامی لٹریچر کی فراوانی سے مسلمان بنا ڈالنا چاہئے"

ہمارے ملک مین افسانہ نویسی جس طرز کی جاری ہی اس کیلئے نہ علم کی ضرورت نہ مہارت انشا کی، ہر وہ صاحب قلم جو دو افسانون کی باتون کو قید تحریر مین لانا جانتا ہو، وہ ہمارے ملک کا بڑا افسانہ نویس ہی، اس طرز تحریر مین نہ منطقی دلائل کی حاجت پڑتی ہے نہ فلسفی نظریون کی نہ تاریخی معلومات کی نہ ادبی نکتہ دانی کی نہ مذہبی علوم کی، بلکہ صرف اتنا سلیقہ کافی ہی کہ وہ متبذل خیالات سوقیانہ فحاشی اور عریان جذبات کو نامانوس ترکیبون اور مضحکانہ فقرون مین ادا کرکے نوخیز لڑکون کو بہلا اور نوجوانون کو بہکا سکے،

مذکورہ افسانون کے بعد اسی حال مین معاصر لکھنؤ نے تفویض نام ایک افسانہ پیش کیا ہی جسمین بے سبب صحابۂ کرام اور ائمہ مجتہدین کی نسبت نادانی سے دلآزار الفاظ استعمال کئے گئے ہین، اور اس ہفتہ سرفراز لکھنؤ نے ایک رکن کونسل کے افسانون کے اقتباسات نقل کئے ہین جنمین خدا اور رسول پر پھبتیان کہی گئی ہین، کیا علم و دانش کے بعد اخلاق و آداب بھی اس طبقہ سے رخصت ہو چکا؟

مقالات

احادیثِ اسلام

ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی مولوی فاضل ایم اے، پی ایچ ڈی، پروفیسر اسلامیات کلکتہ یونیورسٹی کے جن تین خطبات حدیث کی تالیف کا ذکر معارف مین پہلے آچکا ہی، وہ تینون خطبے موصوف نے ۱۴ دسمبر ۱۹۳۲ء ۱۵ دسمبر ۱۹۳۲ء اور ۱۶ دسمبر کو آسوتوش بلڈنگ مین انگریزی مین دئے ان تینون خطبون کا انگریزی خلاصہ موصوف نے معارف مین اشاعت کے لئے بھیجا ہی جسکو ہم خوشی کے ساتھ شائع کرتے ہین، انگریزی کا اردو ترجمہ مولوی محمد عزیر صاحب ایم اے ال ال بی رفیق دارالمصنفین نے کیا ہی،

"معارف"

پہلا خطبہ، پروفیسر موصوف نے خطبہ کے شروع مین پہلے لفظ "حدیث" کے معنی اور شعرائے جاہلیت کے کلام نیز قرآن مجید مین ۱۴ دسمبر ۱۹۳۲ء اس کے استعمال کو بیان کرکے یہ دکھایا کہ کیونکر یہ لفظ اسلام کے وسیع اثر کے ماتحت اپنے اصلی معنی سے علیحدہ پیغمبر اسلام کے اقوال و اعمال کی روایات کے لئے استعمال کیا جانے لگا، اس موضوع پر زمانۂ حال کے یورپین مستشرقین نے جو کتابین لکھی ہین، اُن کا اجمالی ذکر کرنے کے بعد اُنھون نے بتایا کہ ڈاکٹر اسپرنگر سابق پرنسپل کلکتہ مدرسہ، پہلے یورپین مستشرق تھے جنھون نے احادیث کا مطالعہ صحیح تنقیدی نظر کے ساتھ کیا، اور اپنی تحقیق و تفتیش کا بڑا حصہ کلکتہ مین پورا کیا،

اسپرنگر کے بعد سر ولیم میور آئے انھون نے تحقیق و تلاش سے جو مواد جمع کیا تھا، زیادہ تر اوسی کی بنا پر مسلمانون کی تدوین حدیث اور ان حدیثون کے صحیح اور مستند ہونیکی نسبت اپنی رائے کا اظہار کیا ہی،

گولڈزیہر جس نے اس موضوع کا ذاتی طور پر مطالعہ کیا تھا، احادیث اور متعلقات احادیث کے مطالعہ میں اپنی وسعت معلومات اور وقت نظر کے اعتبار سے اسپرنگر سے بھی کہیں بڑھ گیا، اوس نے اپنی تحقیق کا بیشتر حصہ فن حدیث پر اپنی کتاب کی دوسری جلد میں شائع کر دیا ہے، یہ غیر معمولی کتاب اس موضوع پر ہمیشہ ایک مستند تصنیف سمجھی گئی،

اسی تصنیف پر زیادہ تر پروفیسر گیلام (Guillaume) کی کتاب "احادیث اسلام" مبنی ہے موصوف کا شمار اُن ممتاز مستشرقین میں ہے جنھوں نے احادیث کے وسیع لٹریچر کی ایک ضخیم فہرست تیار کی ہے جو مشہور و لائق ڈچ مستشرق پروفیسر جے ڈبلو ونسنک (J. W. Wensinck) کی نگرانی میں شائع کی جا رہی ہے، پروفیسر ونسنک نے عربی لٹریچر کی جو مستقل اور بیش قیمت خدمات انجام دی ہیں وہ تمام دنیائے اسلام کو ہمیشہ اون کا ممنون احسان رکھیں گی،

احادیث سے مسلمانوں کا شغف تقریباً اسلام کے ساتھ ہی ساتھ شروع ہوا، اور اس وقت تک جاری ہے، اونھوں نے احادیث کے لئے طویل، مشکل اور پرخطر سفر اختیار کئے، اون کو جمع کیا، ان کے مطالعہ کے سلسلہ میں عربی لٹریچر کی بہت سے شاخوں کو قائم کرکے فروغ دیا، اور پھر ان احادیث اور قرآن کو بنا قرار دیکر متعدد علوم دینیہ کو مدوّن کیا،

احادیث کے سلسلہ میں مسلمانوں نے جس غیر معمولی سرگرمی کا ثبوت دیا ہے، دنیا کی علمی تاریخ اسکی نظیر سے خالی ہے، اُن کا نظام اسناد جسے اونھوں نے احادیث کے سلسلہ میں قائم کیا، اسماء رجال پر وہ وسیع لٹریچر جو اونھوں نے احادیث کے باقاعدہ اور ناقدانہ مطالعہ کی غرض سے تیار کیا، اور اون کی وہ کتابیں جن میں صحیح اور موضوع حدیثوں کو چھانٹنے کے لئے "موضوعات" سے بحث کی گئی ہے، یہ سب آج بھی دنیا کی علمی تاریخ میں بے مثال ہیں،

اگرچہ کچھ حدیثیں خود آنحضرت صلعم کی حیات میں قلم بند ہو چکی تھیں، تاہم دوسری صدی کی ابتدا تک اون کو یکجا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی، اوس صدی کے شروع میں حضرت عمر ثانی نے بعض محدثین کو وہ سب حدیثیں جمع کرنے کی ہدایت

فرمائی جو مل سکتی تھین، چند مستند راویون کا بیان ہے کہ انھون نے مختلف صوبون کے علما کے نام گشتی خطوط بھی جاری کئے کہ جتنی حدیثین مل سکین، جمع کرلیجائین، بعض عربی کتابون مین ہے، کہ حضرت عثمانی نے اس مجموعہ کو اپنی مملکت مین شائع بھی کردیا تھا،

حضرت عثمانی کے بعد مختلف صوبون کے متعدد محدثین نے اس عظیم الشان کام کو اوٹھالیا جسکی ابتدا خلیفہ موصوف نے کی تھی، اور حدیثون کے بہت سے مجموعے مرتب کئے، جن کا ذکر ابن الندیم نے کیا ہی لیکن بدقسمتی سے آج وہ مجموعے مفقود ہین، پھر اس کے بعد خصوصاً آٹھوین اور نوین صدی عیسوی (دوسری اور تیسری صدی ہجری) مین اور بہت سے مجموعے تیار کئے گئے، یہ محفوظ ہین اور دنیا کے مختلف حصون مین مسلمان اون کو پڑھتے ہین،

ان مجموعون مین حدیثین تین مختلف اصولون کے ماتحت جمع کی گئی ہین بعض مین وہ ان صحابہ کے نامون کے تحت مین جمع کی گئی ہین، جن کا آنحضرت صلعم سے روایت کرنا بیان کیا جاتا ہی، ایسی حدیثون کا عام نام "مسند" ہے بعض مین انھین مضامین کے لحاظ سے مختلف ابواب مین ترتیب دیا گیا ہے، یہ مصنف کے نام سے مشہور ہین بعض مجموعے وہ ہین جنمین حدیثین نہ تو صحابہ کے نامون کے تحت مین یکجا کی گئی ہین، اور نہ مضامین کے لحاظ سے، بلکہ حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ ان مستند راویون کے نامون کے نیچے لکھی گئی ہین، جن سے خود جمع کرنے والے نے ان حدیثون کو حاصل کیا ہے، ان کا عام نام "معجم" ہے،

یہ حدیثین جن کو مختلف ممالک کے مسلمانون نے بہتیری پشتون مین مسلسل محنت وجانفشانی سے جمع کیا تھا آج تک علماے اسلام کے زیر مطالعہ ہین، اور اس وقت بھی تمام دنیا کے مسلمانون کے لئے اپنے اندر ایک سرمایۂ سعادت رکھتی ہین،

احادیث اور قرآن ہی پر مسلمانون کے نظام اجتماعی کی بنیاد ہے، اسی بنیاد پر مختلف اسلامی علوم کی یادگار عمارتین تعمیر کی گئین، احادیث وقرآن ہی مین مسلمان آج اپنی فلاح وہدایت کی راہین تلاش کرتا ہی، اونھین پر موجودہ زمانہ کی ضروریات کے مطابق بجا طور پر اسلامی نظریہ کی از سر نو تاسیس کیجاسکتی ہی، جس طرح قرون وسطی

کے بعض اسلامی فرقوں کو اس وجہ سے فروغ حاصل نہ ہو سکا، کہ انھوں نے قرآن اور حدیث کی اہمیت کو نظر انداز کر دیا تھا
اسی طرح زمانہ حال کے بہتیرے مصلحین کی کوششوں کی ناکامی کا سبب بھی قرآن و حدیث سے اونکی بے پروائی ہی ہے

دوسرا خطبہ ۱۵ دسمبر ۱۹۳۲ء | آج کا خطبہ اصحاب رسول اللہ صلعم اور اون کی خدمات حدیث سے متعلق تھا،

لفظ اصحاب کے معنی اور صحابۂ کرام کی تعداد سے بحث کرنے کے بعد پروفیسر موصوف نے (۱۲۲) صحابہ کے ناموں کی ایک فہرست سنائی اور ان حدیثوں کی تعداد بتائی، جو اُن میں سے ہر ایک سے مروی ہیں، انھوں نے بیان کیا کہ صرف گیارہ صحابی ایسے ہیں جنھوں نے پانچ سو سے زیادہ حدیثیں بیان کیں ان میں سے سات ایسے ہیں، جنھوں نے ایک ہزار سے زیادہ حدیثیں بیان کیں، محدثین کے بیان ان صحابہ کا نام "مکثرین" ہے یعنی کثرت سے حدیثیں بیان کرنے والے ان گیارہ محدثین کے مختصر حالات بیان کرنے کے بعد پروفیسر صاحب نے فرمایا کہ صحابۂ مذکور نیز دوسرے صحابیؓ نے احادیث نبوی کو اسی جوش کے ساتھ پھیلایا جس جوش کے ساتھ انھیں یاد کیا تھا، انھوں نے اپنے آقا کے صحیح اقوال کو تمام دنیائے اسلام میں پھیلانا اپنا مذہبی فرض خیال کیا، حضرت عمر فاروقؓ کا جنکی احادیث سے متعلق انتہائی سختی مشہور ہے، یہ قول بیان کیا جاتا ہے کہ جس شخص نے حدیث کو ٹھیک اوسی طرح بیان کر دیا جس طرح اوس نے اوسے سُنا تھا وہ محفوظ رہا، حضرت علیؓ خلیفہ رابع لوگوں سے فرماتے تھے، کہ مجھ سے احادیث کی نسبت دریافت کرو، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اپنے غلام عکرمہ کو قرآن اور حدیث سکھانے کی غرض سے زنجیروں میں باندھ دیتے تھے،

عموماً یہ حضرات جو حدیثیں خود بیان کرتے تھے یا جو دوسروں سے معلوم کرتے تھے، ان کی صحت کی نسبت احتیاط سے کام لیتے تھے، حضرت ابوبکرؓ خلیفہ اول اکثر اپنے احباب سے حدیثیں دریافت فرماتے تھے، لیکن کسی حدیث کو شہادت کے بغیر تسلیم نہیں کرتے تھے، حضرت عمر خلیفہ ثانیؓ نے متعدد صحابہ کو اپنی بیان کردہ حدیثوں کی شہادت پیش کرنے پر مجبور کیا، اور اُن میں سے بعض کو صرف کثرت روایت کے جرم میں قید کر دیا، حضرت عثمانؓ خلیفہ ثالث علم حدیث کے ماہر ہونیکے باوجود حدیثوں کے بیان کرنے میں حد درجہ محتاط تھے، حضرت علیؓ کسی حدیث کو اُس وقت تک تسلیم ہی نہ کرتے تھے جب تک راوی قسم کھا کر اُسکا صحیح ہونا بیان نہ کرے،

بعض صحابہؓ جو لکھنا جانتے تھے، آنحضرت صلعم کے زمانہ حیات ہی میں حدیثیں قلم بند کر لیتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے آنحضرت صلعم سے حدیثیں لکھنے کی اجازت حاصل کر لی تھی، اونھوں نے ایک ہزار حدیثیں ایک صحیفہ میں جمع کیں، جسے "الصادقہ" کہتے ہیں، اس صحیفہ کو مجاہد نے اون کے پاس دیکھا تھا، اور بعد میں یہ اون کے پرپوتے عمرو بن شعیب کے قبضہ میں آیا، حضرت علیؓ داماد رسول اللہ صلعم کے پاس ایک دوسرا صحیفہ تھا، جسمیں بعض احکام درج تھے،

بہت سے صحیفوں کا ذکر کرنے کے بعد جو صحابہ کے پاس تھے، اور اون متعدد حدیثوں کو بتا کر جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حدیثیں صحابہ نے آنحضرت صلعم کی حیات ہی میں لکھ لی تھیں پروفیسر صاحب نے بیان کیا کہ کچھ حدیثیں ایسی بھی ہیں جنمیں قرآن کے علاوہ کسی اور چیز کے قلم بند کرنے کی ممانعت آئی ہے لیکن اونکی تعداد اُن حدیثوں سے کم ہے، جو لکھنے کی اجازت دیتی ہیں، مختلف علمائے اسلام نے مختلف طریقوں سے ان حدیثوں کے اس ظاہری تضاد کو رفع کرنیکی کوشش کی ہے، خود پروفیسر صاحب کی یہ رائے ہے کہ جن حدیثوں میں لکھنے کی ممانعت ہے، وہ تاریخ اسلام کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہیں اور جن میں لکھنے کی اجازت ہے، وہ بعد کی ہیں، اور پہلی حدیثوں کو منسوخ کرتی ہیں،

آنحضرت صلعم نے فن تحریر کو عربوں میں مقبول بنانے کی براہ راست اور بالواسطہ کافی کوشش فرمائی تھی، آپ نے بہت سے صحابہ کو اس فن کے سیکھنے اور دوسروں کو سکھانے کی ہدایت فرمائی تھی، آپ نے متعدد احکام اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان متعدد صلحنامے خود لکھوائے تھے، آپنے جنگ بدر کے بعد یہ اعلان فرمادیا تھا کہ قیدیوں میں سے جو فدیہ کی وجہ سے اپنا فدیہ ادا کر سکتے ہوں، وہ دس مسلمان لڑکوں کو لکھنا سکھا کر آزادی حاصل کر سکتے ہیں، پروفیسر صاحب نے ڈاکٹر اسپرنگر اور پروفیسر گولڈزیہر کی بعض کتابیں پڑھ کر سنائیں جن سے ثابت ہوتا ہے، کہ کچھ حدیثیں خود آنحضرت صلعم کی حیات میں لکھ لی گئی تھیں، اسپرنگر کے بیان کے مطابق بعض صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ و حضرت انسؓ بن مالک اور حضرت ابن عباسؓ نے دوسرے صحابہ کی بہ نسبت زیادہ حدیثیں محفوظ کی تھیں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جو حدیثیں مروی ہیں، وہ ان کے خاندان والوں نے قلمبند کر کے محفوظ کر لی تھیں، گولڈزیہر کہتا ہے کہ اسے تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ صحابہ اور طلبہ احادیث نبوی کو بھول جانے کے خطرہ سے لکھ کر محفوظ کر لینا چاہتے تھے پھر جن لوگوں میں معمولی آدمیوں کے حکیمانہ اقوال قلمبند کر لئے

جاتے ہوں کیونکہ ممکن ہو کہ رسول اللہ صلعم کے اقوال کے تحفظ کے لئے زبانی روایات کافی سمجھ لی گئی ہوں اگر صحابہ نے صحیفوں کو اپنے ساتھ رکھتے تھے، اور انھی صحیفوں سے وہ اپنے طلبہ کو تعلیم دیتے تھے،

ممتاز یورپین مستشرقین کے یہ بیانات جنھوں نے حدیث اور متعلقات حدیث کا مکمل اور ناقدانہ مطالعہ کیا ہے، نیز وہ بہتیرے واقعات جو بعض اہم ترین قدیم عربی تصانیف سے لگے ہیں سخت بطلی الاعتقاد شخص کو بھی اس امر سے مطمئن کرنے کیلئے کافی ہیں کہ بعض صحابہ نے کچھ حدیثیں اپنے نبی کریم صلعم کے زمانہ حیات ہی میں لکھ لی تھیں،

تیسرا خطبہ ۲۱ دسمبر ۱۹۳۲ء تیسرے خطبہ کا موضوع "علم الحدیث" تھا، حدیث کے اساتذہ اور طلبہ کے مختلف دور کا کچھ ابتدائی ذکر کرنیکے بعد اونھوں نے فرمایا:-

محدثین کے یہ تمام مختلف دور تلاش حدیث کی حیرت انگیز سرگرمی ظاہر کرتے ہیں، حدیث سے اون کو کمال درجہ کی محبت تھی، اس کے لئے اُن کے جوش و حوصلہ کی کوئی انتہا نہ تھی، کوئی بھی مصیبت ایسی نہ تھی، جو اسکی خاطر وہ برداشت نہ کرسکتے ہوں، جو اون میں دولتمند تھے، وہ اوس کے لئے اپنی دولت قربان کردیتے تھے، اور جو غریب تھے، وہ اپنی غربت کے باوجود اپنی زندگیاں اس کے لئے وقف کردیتے تھے،

الزہریؒ نے حدیث کی خاطر دولت کو باقی کی طرح بہادیا، ربیعہؒ نے اسکی تلاش میں اپنی تمام ملک صرف کردی، اور آخر میں اپنے مکان کی شہتیریں بھی فروخت کرڈالیں اور ان سڑے ہوئے چھوہاروں پر زندگی بسر کرنے لگے جو اہل مدینہ پھینک دیا کرتے تھے، ابن المبارک نے حدیث کی تلاش میں چالیس ہزار درہم خرچ کردیئے یحییٰ ابن معین نے دس لاکھ سے زیادہ، الذہبی نے پندرہ لاکھ اور ابن رستم نے تیس لاکھ اور عبید اللہ نے ستر لاکھ درہم نقرئی،

اُن میں سے جو دولتمند گھروں میں پیدا نہ ہوئے تھے، وہ مایوس ہوکر تحصیل حدیث کو چھوڑ نہ بیٹھے، بلکہ بیحد محنت و جانفشانی کے ساتھ اوس کے حصول میں مصروف رہے، ابن ابی ذہبؒ، ابو حاتم، اور بہت سے دوسرے محدثین نے اپنی غربت کی وجہ سے سخت دشواریوں کا مقابلہ کیا، اور حدیث کی تعلیم کو جاری رکھا، امام شافعیؒ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں اتنے غریب تھے کہ کاغذ نہیں خرید سکتے تھے، اس لئے وہ جن حدیثوں کو پڑھتے تھے، اونکو ہڈی کے ٹکڑوں

پر لکھ لیا کرتے تھے جنھیں وہ ایک تھیلے میں رکھے رہتے تھے،

امام بخاری تین روز گھاس اور جڑی بوٹیوں پر رہ گئے، ان کے علاوہ اور مختلف محدثین کو بھی اپنی غربت کے باعث بہت کچھ مصیبتیں جھیلنی پڑیں،

حدیثوں کے تلاش کرنے والوں کی تعداد جو تاریخ حدیث کے مختلف دور میں گذرے ہیں، نہایت کثیر ہے، صحابہ میں تنہا حضرت ابوہریرہؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انھوں نے آٹھ سو سے زیادہ طلبہ کے سامنے حدیثیں بیان کیں، صرف کوفہ میں جب ابن سیرینؒ اس شہر میں گئے ہیں، چار ہزار طالب علم حدیث کے موجود تھے، علی بن عاصم کے درس حدیث میں تین ہزار طلبہ شریک ہوتے تھے، اسی طرح سلیمان بن حرب کے درس میں چالیس ہزار، عاصم بن علی کے درس میں دس لاکھ سے زائد، یزید بن ہارون کے درس میں ستر ہزار اور ابو مسلم الکجی کے درس میں ایک نہایت کثیر تعداد حدیث کے طلبہ کی شریک ہوتی تھی، ان میں سے جو یاد داشتیں لکھنے کے لئے دوات کا استعمال کرتے تھے، ان کا شمار چالیس ہزار سے زیادہ تھا،

محدثین کی اتنی بڑی تعداد سب کی سب استعداد اور احتیاط کے لحاظ سے یکساں نہیں ہو سکتی تھی، آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد بعض صحابہؓ کو ان کے احباب نے ان کی بے احتیاطی پر سرزنش کی، بعد کے دور میں مختلف جماعتوں اور فرقوں کے عروج کے ساتھ ساتھ حدیث کے غیر محتاط، ناقابل اور غیر مخلص طلبہ اور اساتذہ کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی، ان میں سے بعض نے اپنے اساتذہ کے انتخاب ہی میں بے پروائی برتی، بعض اساتذہ سے ان حدیثوں کے بیان کرنے میں غلطیاں ہوگئیں، جو انھوں نے خود سنی تھیں، بعض ایسے بھی تھے جنھوں نے چند حدیثوں کے متن یا اسناد میں جان بوجھ کر ردوبدل کر دیا، اور بعض نے ذاتی نفع کی خاطر یا اپنی جماعت کے فائدہ کے لئے، یا لوگوں کو خدا اور مذہب کے راستہ پر لگانے کی غرض سے ایک نیک مقصد کے ساتھ کچھ حدیثیں وضع بھی کر لیں،

اس طرح موضوع حدیثوں کی ایک کثیر تعداد نکل کر مسلمانوں میں پھیل گئی، ان کی ابتدا کے ذمہ دار حسب ذیل اشخاص ہیں (۱) مبتدعین، (۲) جماعتوں کے سردار مختلف فرقوں کے مبلغ، اور وہ لوگ جو فرمانروا اور ان کے

لطف وکرم کے متلاشی تھے، (۳) قصاص (یعنی قصہ گو واعظین)، (۴) وہ نیک نیت محدثین جن سے اجتہادی غلطیاں ہوگئیں، یا جنھوں نے مذہبی اور پاک اغراض کیلئے کچھ حدیثوں کا وضع کرلینا جائز خیال کیا،

ان زندیقوں اور مختلف دنیادار اور خدا ترس مسلمانوں نے یعنی اسلام کے جانی دشمنوں اور وفادار دوستوں نے ہزاروں حدیثیں وضع کرکے تمام دنیائے اسلام میں پھیلادیں، ایک ممتاز انگریز اہل قلم نے سچ کہا ہے کہ ہر شخص اپنے منظور نظر کو مارڈالتا ہے، بہادر آدمی تلوار سے مارتا ہے، اور بزدل بوسہ سے" اسی طرح ان واضعان حدیث نے بھی فن حدیث کو فنا کردینے کی کوشش کی،

لیکن علم الحدیث کی تاریخ کے ہر دور میں ایک کثیر تعداد حق پسند، خدا ترس متدین اور محتاط محدثین کی بھی تھی، جو نہ تو اشخاص اور جماعتوں کی پرواکرتے تھے، اور نہ قوت اور رائے عامہ سے ڈرتے تھے اون کی زندگی کا واحد مقصد اپنے نبی کریم صلعم کی صحیح حدیثوں کو حاصل کرنا، ان کی اصالت اور صحت کو محفوظ رکھنا، اور مسلمانوں میں اون کی اشاعت کرنا تھا، وہ حدیثوں کا مطالعہ نہ تفریح اور وقت گذاری کے لئے کرتے تھے، نہ مالی نفع اور شہرت کی غرض سے، اور نہ اس لئے کہ لوگ اون کا اثر قبول کریں، حدیث کو وہ صرف حدیث کے لئے حاصل کرتے تھے، اون کے نزدیک علم وسیلہ نہیں بلکہ مقصد تھا، بقول سفیان الثوری تحصیل حدیث ان کے لئے ایک مرض ہوگئی تھی جس سے خود اونھیں کوئی چارہ نہ تھا،

اکثر صحابہ حدیثوں کے بیان کرنے میں حد درجہ احتیاط کرتے تھے، محدثین کے دوسرے دور میں بہت سے ایسے تھے، جو اسناد حدیث کے بارہ میں نہایت متدین، اور سخت تھے، اوسی طرح اونکے بعد جو "ائمہ" امام شافعیؒ، یحییٰ بن معینؒ، احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، اور دوسرے اکثر محدثین، یہ سب رواۃ کے معاملہ میں بے حد محتاط تھے،

یہ متدین محدثین، جو علم حدیث کے حقیقی ستون ہیں، تاریخ اسلام کی ابتدا ہی سے جماعتوں کی کشاکش سے بالکل علیحدہ رہے، اور صاحب اقتدار جماعت سے کسی قسم کا واسطہ نہ رکھتے تھے، اسلام کے ابتدائی دور میں عبداللہ

نام کے تینوں حضرات نے اپنے کو جماعتی جھگڑوں سے بہت بلند رکھا تھا، بہت سے دوسرے صحابہ نے بھی اپنے تئین بنو امیہ اور دوسروں کی کشمکش سے بالکل الگ رکھا تھا،

بنو عباس کے ساتھ بھی بہت سے محدثین نے بے غرضی کا برتاؤ رکھا تھا، سفیان الثوری، انس بن مالک، احمد بن حنبل اور بہت سے دوسرے محدثین نے خلفاء بنی عباس کے ہاتھوں قید اور مختلف سزائیں برداشت کیں، واقعہ یہ ہے کہ فن حدیث پر جو اہم کتابیں لکھی گئی ہیں، اون کے اکثر مصنفین نہ تو خلفاء کے تنخواہ دار تھے، اور نہ اون کے دربار کے مقرب، سلطان جائر (ظالم بادشاہ) کی طرف سے بے پروا رہنا اون کے اصول میں داخل تھا،

یہ انہی متدین اور محتاط محدثین کی مسلسل جانفشانیوں کا نتیجہ ہے، کہ آنحضرت صلعم کی حدیثیں تلف ہونے سے محفوظ رہیں اور موجودہ شکل میں ہم تک پہونچیں، اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں جب صحابہ جو احادیث نبوی کے تنہا حامل تھے، مختلف دور دراز صوبوں اور شہروں میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، یہ محدثین طویل اور دشوار گذار سفر اختیار کر کر کے ان صحابہ سے ان کی نئی قیام گاہوں میں ملے، جس وقت تک ضروری سمجھا اُن سے ملتے جلتے رہے اور اس طرح اُس علم کو یکجا کیا جو صحابہؓ کے ذریعہ سے اسلام کی وسیع سلطنت میں پھیلا ہوا تھا،

گولڈزیہر کہتا ہے، دنیائے اسلام کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اُندلس سے وسط ایشیا تک حدیث کے یہ جھاکش اور نہ تھکنے والے متلاشی گشت کرتے اور ہر مقام سے اپنے سامعین کے لئے حدیثیں جمع کرتے رہے، حدیثیں کو جو مختلف صوبوں میں پھیلی ہوئی تھیں ایک مستند شکل میں جمع کرنے کا یہی تنہا ممکن طریقہ تھا، "الرحال" یا "الجوال" کا معزز لقب ان سیاحوں کے لئے لفظی ہی معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے، "طواف الاقالیم" کے لقب میں ان کیلئے کوئی مبالغہ نہیں ہے جنمیں سے بعض ایسے تھے جنھوں نے تمام مشرق و مغرب میں چار مرتبہ سفر کیا تھا، ان تمام ملکوں میں اون کے سفر کی غرض مناظر کا دیکھنا یا تجربہ کا حاصل کرنا نہ تھی، بلکہ اُن کا مقصد ان مقامات میں محدثین سے ملنا اور ہر ایک سے حدیثیں سننا اور مستفید ہونا تھا، جیسے کہ بعض چڑیاں درخت پر اسی لئے بیٹھتی ہیں، کہ اوسکی ٹہنیاں چنیں"

موجودہ مجموعوں کی شکل میں احادیث کی تدوین پہلی صدی ہجری کے آخر میں شروع ہوئی اور اوس کے

بعد تیزی کے ساتھ ہوتی رہی، یہانتک کہ تیسری صدی کے ختم سے پہلے ہی حدیث اور متعلقات حدیث پر تقریباً تمام مستند اور اہم کتابین لکھ لی گئین، تدوین حدیث کے ساتھ ساتھ محدثین تمام رواۃ کے حالات بھی دریافت کرکے ان کی حیثیات پر نقد و تبصرہ کرتے گئے، اور احادیث کی جرح و تعدیل کے لئے ان رواۃ کے حالات پر ایک وسیع لٹریچر تیار کرلیا، انھون نے فرداً فرداً ہر حدیث کا بغور مطالعہ کیا، ہر ایک کی صحت اور اصالت سے ناقدانہ بحث کی، اور "موضوعات" پر ایک ضخیم دفتر تیار کردیا، اونھون نے احادیث کی صوری اور معنوی دونون حیثیتون سے جرح و تعدیل کرنیکی غرض سے بہت سے فنون قائم کئے، اور اون کو فروغ دیا،

ادب اردو مین نیا اضافہ

سیرۃ محمد علی شائع ہوگئی

جس مین سوانح حیات، کارنامے اور وفات کے علاوہ مولانا کی تحریر اور کلام کے نمونے بھی جا بجا ملتے ہین، مولنا عبدالماجد صاحب دریابادی نے ایک بسیط مقدمہ تحریر فرمایا ہے،

کاغذ کتابت، طباعت نہایت عمدہ اور قیمتی ہے صفحات ۵۰۰ سے زائد سائز ۲۲×۲۰ موجودہ چند فوٹو قیمت صرف ۲ روپیہ

پتہ:- منیجر دارالمصنفین اعظم گڈھ

صوبہ بمبئی کے سول ایجنٹ

دارالمصنفین کے تمام مطبوعات کیلئے علی بکڈپو کو صوبہ بمبئی مین سول ایجنٹ مقرر کیا گیا ہے، صوبہ بمبئی کی تمام خواہشین براہ راست اونھین سے طلب کیجائین، وہان سے دارالمصنفین کی مقررہ قیمتون پر یہان کی تمام مطبوعات ملجائین گی،

ملنے کا پتہ

علی بکڈپو نمبر ۱ لکی ہاؤس محمد علی روڈ بھنڈی بازار بمبئی

فلسفۂ فقرار

یعنی

سائنس اور تصوف

از

جناب ڈاکٹر نواب سر امین جنگ بہادر کے سی آئی ای سی، ایس، آئی، ایم اے، ال ال ڈی حیدرآباد دکن

جناب نواب سر امین جنگ بہادر کسی تعارف کے محتاج نہین، وہ بھی کبھی "نئے تعلیم یافتہ" تھے، مگر اب تو پرانے ہو چکے ہین، وہ فلسفۂ جدیدہ کے ماہر، انگریزی کے ادیب اور تصوف کے ذوق چشیدہ ہین، ذیل کے مقالہ مین اونھون نے گویا اپنی روحانی سیر کا سفرنامہ لکھا ہی،

یہ مقالہ انگریزی مین ۱۲ اکتوبر اور ۱۴ نومبر ۱۹۳۱ء کو اسلامک ایسوسی ایشن تھیاسوفیکل ہال حیدرآباد دکن مین پڑھا گیا تھا، اور بصورت رسالہ وہان تقسیم کیا گیا تھا، لیکن اس خیال سے کہ اس کا فائدہ عام ہو اور ایک لائق صاحب فکر کی کتبجو کا پتہ دوسرے سرگروہان کو بھی معلوم ہو، صاحب مقالہ کی اجازت سے ہم اس کو معارف مین شایع کرتے ہین،

ایڈیٹر

تمہید

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا[1]

۱- تصوف سے ہر زمانہ مین ہر قوم و ملت کے افراد کو کم و بیش دلچسپی رہی ہے، اوس کی طرف اکثر وہ بزرگوار

[1] سورۂ والشمس ۹۱: ۷-۱۰،

مائل رہے ہین، جو اپنے زمانہ کے جنگ و جدال یا خانہ جنگیون سے بیزار ہو کر گوشہ نشین ہو گئے، اور اون کی گوشہ نشینی کے غلط معنی سمجھے گئے کہ اونھون نے اپنی دانست کے موافق دین یعنی راہ حق اختیار کرنے کیلئے دنیا ترک کر دی، لیکن کوئی فرد بشر دنیا ترک نہین کر سکتا، نہ دنیا کو چھوڑ کر کوئی دین یا راہ حق اختیار کر سکتا ہی، یہ راستہ انسان کو اپنی زندگی ہی مین اپنے ماحول یعنی دنیا ہی مین ملتا ہے، راہ حق جس کو کہتے ہین، وہ دنیا کے ماسوا یا ماورا نہین ہے، پس صوفیون کی گوشہ نشینی فی الحقیقت دنیا ترک کرنے کے واسطے نہین، بلکہ اپنے خیالات قدسیہ اور تعلیمات الٰہیہ کو درست کرنیکے واسطے تھی،

۲- اس مضمون کا نام فلسفۂ فقراء یعنے "سائنس اور تصوف" رکھا گیا ہی، مگر ہمارا روئے سخن اون فقرا کی طرف نہین ہے، جن کے عادات و اطوار نے، علی الخصوص ہند مین لفظ فقیر کے معنی بدل دئے ہین، اور سچے فقرا کی وقعت اور عزت گھٹا دی ہے حتی کہ فقیری گداگری کے مترادف ہو گئی، ہم کو اُن فقیرون سے بحث نہین جنھون نے اپنی فقیری کو ذریعۂ معاش بنا لیا ہے، یہان صرف اون فقیرون کے خیالات، قیاسات اور عقائد کا ذکر کیا جاتا ہے (جو اپنے آپ کو پا لینے) کی کوشش مین بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہین، ایسے اشخاص ہر ملک و ہر زمانہ مین اگرچہ نایاب نہین تھے، مگر کمیاب تو ضرور رہے، خود ہمارے اس مادی زمانہ مین بھی ہندو مسلمان دونون قومون مین اور نیز دوسری قومون مثلاً سکھ اور عیسائیون مین قابل احترام فقرا موجود ہین، مگر وہ اپنا فقر یا اپنی فقیری ظاہر نہین کرتے، بلکہ اوسکو چھپا رکھنے کی کوشش کرتے ہین، ایسا فقیر جس نے اپنے آپ کو پا لیا ہے، جیسا کہ آیندہ ظاہر ہوگا، وہ اپنے ملک کا بڑے سے بڑا امیر بھی ہو سکتا ہے، اور چھوٹے سے چھوٹا کسان یا مزدور بھی ہو سکتا ہے، پس سچا فقیر کون ہے اور کون نہین، یہ معلوم کرنا سچے فقیر ہی کا کام ہے، جیسے چور ہی چور کو پکڑ سکتا ہے، اگر اتفاق سے کوئی ایسا فقیر کسی کو مل جائے، اور دونون مین اصولی خیالات و دلی خواہشات کا تبادلہ بلا تکلف ہو جائے، تو معلوم ہوگا کہ فقرا کا فلسفہ دلچسپی سے خالی نہین اور واقعی قابل لحاظ ہے، ایسا فلسفہ یعنی علوم و فنون مروجہ کے اصولی

ط کثرت مین جمال پاک وحدت دیکھو — عُسرت مین ہے صاف نقش عشرت دیکھو
دنیا مین رہے عالم دین پیش نظر — آئینہ ہے اس لئے کہ صورت دیکھو

باتون سے استقرار کسی کام کا نہین جس کے نتائج انسان کو اوسکے روزمرہ امور زندگی کے مسائل اور دشواریون کو حل کرنے مین مدد و معاون نہ ہون، ہماری رائے مین فلسفۂ فقرار کا ایک پہلو ایسا بھی ہے، جو زندگی کو زندگی بنا سکتا ہے، اسی لئے ہم نئے تعلیم یافتہ نوجوانون کی توجہ اس قدیم فلسفہ کیطرف مائل کرتے ہین، ہم اس فلسفہ کو اوسی (PRAGMATIC) عملی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہین جس سے پروفیسر ولیم جیمس ہر فلسفہ پر نظر ڈالتے تھے، وہ فلسفہ کی اون تمام باتون کو لغو سمجھتے تھے، جو انسان کے عمل کیلئے فائدہ بخش نہ تھے، اور اوس کے عمل کو خطا و غلطی سے نہ بچا سکتے تھے،

۲۔ تصوف کوئی خاص مذہب نہین ہے، بلکہ ہر مذہب اسی پر مبنی ہے، تصوف کوئی فلسفہ نہین ہے، لیکن ایک خاص قسم کا فلسفہ اوس سے متعلق ہے، جس کا نام ہم نے فلسفۂ فقرار رکھا ہے، اس اجمال کی تفصیل کے قبل یہ کہدینا مناسب ہوگا کہ تصوف نفس کو وہم و تردد سے پاک کرکے قلب کو تشفی بخشتا ہے، اور اخلاق کی درستی کا باعث ہوتا ہے، تزکیۂ نفس اسی کے معنی ہین، قد افلح من زکّٰھا، اگر اس سے ایسے مفاد کی امید نہ ہوتی، تو تصوف فقیرون کا ڈھکوسلہ سمجھا جاکر اب تک ملیامیٹ ہو جاتا،

ضمیمہ

۲۔ تصوف

۱۔ ابتدار ہی مین لکھدیا گیا ہے، کہ ہر ملت و مذہب مین تصوف ہے، مسلمان جسکو تصوف کہتے ہین، ہندو اوسکو ویدانت اور عیسائی اوسکو اسٹی سیزم کہتے ہین، جہانتک غور کیا گیا، ویدانت اور تصوف کے اصول مین کوئی فرق نظر نہ آیا، حتیٰ کہ بعض ویدانتیون کا ادعا ہے، کہ نوشیروان اور برزجمہر کے زمانہ مین ویدانت ہند سے فارس گیا، اور ایران سے بشکل تصوف پھر ہند مین واپس آیا، واقعہ جو کچھ ہو، ادعا یہی بتاتا ہے، کہ بعض قابل احترام ویدانتی صوفیاے کرام کو اپنا ہم خیال اور ہم مشرب سمجھتے رہے، بلکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ اکبر بادشاہ کے عہد اور بعد کے زمانون مین بھی ویدانتی و صوفی ایک دوسرے کے مرشد و مرید رہے، بہرحال اس مضمون کے اغراض کے لئے فرض کرلیا جاتا ہے کہ ویدانت و تصوف مترادف ہین، فقرا جن کو ہندو یوگی یا بھگت

کہتے ہین، اون کو مسلمان عارف یا سالک کہین گے، یوگی یا عارف، بھگت یا سالک وہ شخص ہے جس نے اپنے آپ کو پالیا، اور جس کا نفس مطمئن ہوگیا، یا دوسرے الفاظ مین، جسکو نفس مطمئنہ حاصل ہوگیا،

۲- انسان اپنے آپ کو کیسے پالیتا ہے، اور اوس کا نفس اپنے آپ سے کس طرح مطمئن ہوتا ہے؟ یہی دو دشوار سوال ہین جن پر اس رسالہ مین روشنی ڈالنے کی کوشش کیجائیگی، اس کوشش کا منشا محض اصل موضوع کی توضیح و تشریح ہے، کوئی عبارت آرائی نہین، اور نہ کسی کے قول و فعل پر کوئی اعتراض یا نکتہ چینی، اکثر ویدانتی اور صوفیون نے مذکورہ سوالون کے جواب اشعار مین ادا کئے ہین اور نثر مین اگر کچھ بیان بھی کئے ہین، تو اس مین ایسے اصطلاحات و استعارات لائے گئے ہین جن کے صحیح معنی سمجھنے مین مبتدیون کو تو کیا منتہیون کو بھی مشکل پیش آتی ہے، ازمنۂ سابقہ مین بعض پنڈت اور اکثر ملا ویدانتیون اور صوفیون کے ایسے مخالف تھے، کہ اون کی ذرا ذرا سی بات پر اون کو کافر، ملحد، مرتد قرار دیکر یا سیاسی اغراض کے لئے اونکا وجود خوفناک ظاہر کرکے اون کی جان لینے کے درپے ہوجاتے تھے، لہذا تعصبی حملات سے بچنے کے لئے مسائل الٰہیات کی تفہیم ویدانتی اور صوفی سینہ بسینہ اپنے مریدون کو زبانی ارشادات سے کرتے اور اپنی تحریرات مین فقط اشارات و کنایات سے کام لیتے رہے، اسی وجہ سے تصوف کا شیوع زیادہ نہ ہوسکا، اور عامۃ الناس اوس سے خاطرخواہ بہرہ یاب نہ ہوسکے، انھی وجوہ کے باعث اس روشن زمانہ مین بھی تصوف تعصب کا شکار ہوتا رہا، تصوف کی باتین اصطلاحات اور استعارات ترک کرکے سہل طور سے بیان کرنا ازبس دشوار ہے، کیونکہ غلط فہمی کفر و الحاد کا فتویٰ دیدیتی ہے، ویدانت یا تصوف دراصل کسی مذہب کا مخالف نہین ہے، بلکہ ہر مذہب کا ممد و معاون ہے،

۱؎ یورپ کے ایک مشہور شاہی منجم کیپلر KEPLER، جنھون نے سیارون کے حرکات کے تین قواعد مقرر کئے ہین جن پر اب تک ہر مہندس کا عمل ہے، اون کی بھی وہی اعلیٰ ترین خواہش رہی، جواب بھی ہر صوفی کی اعلیٰ ترین خواہش ہے کہ "وہ اپنے مین اوس اللہ کو پالے جسکو ہر وقت ہر جگہ خارج مین پاتا ہے" یعنی دوسرے الفاظ مین (اپنے آپکو پالے) اس بات کو وہی سمجھ سکتا ہے جسکو اوس کے مرشد نے (پانا) کیا ہے، یا جسی طرح سمجھا دیا ہے،

۳- اگر محض تشبیہاً تصور کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچانے والا مذہب (جائے ذہاب) ایک ایسا راستہ ہے جو مسافروں کو کسی خوشنما شہر سے ایک بڑے سمندر کے کنارے پہنچاتا ہے، اس راستہ یا مذہب کے حالات شرک و کفر و مکروہات کے خار پہاڑ ندی نالے جو ہوتے ہیں، اون میں سے ہو کر یا اون پر سے عبور کرنے والے سنگ اور پل عقائد ہیں، اور راستہ دراصل پختہ شاہراہ شریعت ہے، اور بازو کے پیدل راستے اور اسمیں اگر مٹنے والے گلی کوچے انسان کی نیتیں اور اعمال ہیں جن کو درست رکھنے کے واسطے فقہ ہے اور جس خوشنما شہر سے شاہراہ شریعت نکلتی ہے وہ تصوف ہے، سمندر کا کنارہ جہاں مسافر پہنچ سکتے ہیں، وہ قرب الٰہی ہے اس سڑک سے پیدل اقتان و خیزان جو گذرتے ہیں، وہ معمولی انسان ہیں، علما، و فضلا کسی قدر آرام سے گھوڑے یا گھیون پر سوار چلے جاتے ہیں لیکن اہل سلوک سبک سیر موٹروں پر جلد تر مقام مقصود پر پہنچ جاتے ہیں۔ رشی اور اولیا برق رفتار ایرو پلین پر منٹوں میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں، اس سادہ تشبیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تصوف و سلوک مذہب و شریعت سے الگ یا باہر نہیں ہے بلکہ اس شاہراہ کا مبدأ و بنیاد یعنی تصوف ہے، کرم یا سلوک سے قرب الٰہی کے سمندر کے کنارہ تک رسائی ممکن ہے کوئی ویدانتی اپنے دھرم کو ترک نہیں کر سکتا، نہ کوئی صوفی اپنے مذہب و شریعت سے الگ ہو سکتا ہے،

۴- اصطلاحاً علم (SCIENCE) اور فن یا ہنر (ART) میں اسی قدر فرق ہے جسقدر کہ معمولی طور سے کسی چیز کو جاننے اور پہچاننے میں اور اوس چیز کے متعلق کوئی کام کرنے میں ہے، مثلاً پانی کے اجزا کیا ہیں ہر ایک جزو اس کا کس مقدار میں ہے، یہ پانی کا علم ہوگا، اجزا، ملکر اون کو برقی قوت سے ترکیب دیکر پانی بنانا فن ہوگا، علم و فن کی اس تعریف کے موافق تصوف صوفی کا علم ہے اور سلوک اوس کا فن ہے، جو اپنے علم تصوف کے موافق کوئی کام کرکے اوس سے فائدہ اوٹھاتا ہے، فنون لطیفہ میں بہترین فن سلوک ہے،

۳- ویدانت اور تصوف

۱- اس قدر تمہید و توضیح کی ضرورت ویدانت اور تصوف کی کیفیت بیان کرنے کے واسطے واقع ہوئی، تاکہ تعصب

دور ہو اور غلط فہمی نہ ہونے پائے، تصوف کے متعلق فلسفہ کے چند اہم مسائل کی وضاحت و تفہیم کے لئے یہ رسالہ جو لکھا جاتا ہے، اوس کے واسطے یہ بھی لازم ہے، کہ "ویدانت یا تصوف کیا چیز ہے"، اس کا مختصر بیان کیا جائے تاکہ اوس کے متعلقہ مسائل فلسفہ سمجھنے مین سہولت ہو،

بیا و حال اہل درد بشنو لفظ اندک و معنی بسیار، (حافظ)

۲۔ اختصار کی غرض سے تصوف کی چار باتین اوّل سوال و جواب کی شکل مین لکھ کر بعد مین ہر اجمال کی مختصر تفصیل کیجاتی ہے،

(۱) چہ؟ تصوف کسکو کہتے ہین،؟

پراگمیاتک یعنی عملی نقطۂ نظر سے اوس کو نفس انسان کی ایک خاص اُمنگ یا ہیجان کی خاص حالت کہین گے، چنانچہ صوفی کہتے ہین تصوف "حال" ہے "قال" نہین،

(۲) چون؟ وہ خاص حالت کس طرح پیدا ہوتی ہے،؟

جب انسان اپنی ذات اور اپنے مختلف و متعدد تعلقات پر خوب غور کرکے بطور خود یا کسی مرشد کی امداد سے کسی نتیجہ پر پہنچتا ہے، اور اس نتیجہ پر اوس کو یقین کامل ہو جاتا ہے، تو اوس کے نفس مین وہ اُمنگ یا ہیجان پیدا ہوتا ہے جسکو تصوف یا ویدانت کہتے ہین،

(۳) چرا؟ ایسی اُمنگ کیون پیدا ہوتی ہے،؟ اس کا باعث کیا چیز ہوتی ہے،؟

رویا، الہام، القاء، کشف وغیرہ اس اُمنگ کے باعث ہوتے ہین،

(۴) مفاد؟ تصوف سے کیا فائدہ ہے،؟

تصوف ہر فرد بشر کو اہل بہشت سا بنا سکتا ہے، ؎

آصف کسی مقام کی تخصیص کچھ نہین جنت وہی جگہ ہے، جہان جی بہل گیا، (آصف)

اگر تصوف عام ہو جائے تو جنس انسان کے لئے روئے زمین فردوس برین ہو جائے، جوابات مین خط کشیدہ

الفاظ وہی ہین، (یعنی خاص حالت، نتیجہ یقین کامل، رویا کشف الہام وغیرہ جنمین تصوف کا گر پوشیدہ ہی، اور جن کے معنی گرو یا مرشد اپنے مرید کو سینہ بسینہ اوسکی فہم کے موافق بتاتا یا سمجھاتا ہی،

۳۔ کسی شئے کی مکمل تعریف یا کسی امر کی کامل تفہیم کے لئے تین سوال چہ؟ چون؟ چرا؟ کے تشفی بخش جوابات دینا ضرور ہے، اگر ان تین سوالون مین سے کسی ایک کا بھی جواب ادا نہ ہوسکے، تو انسان اوس کو جاننے اور پہچاننے سے قاصر رہتا ہے، چنانچہ صاحب گلشن راز نے انسان سے خدا کی تعریف کے ممکن نہ ہونے کو یون بیان فرمایا ہی،

منزہ ذات اُو از چہ؟ چرا؟ چون؟

تعالی شانہ عما یقولون،

اگر تصوف کی نسبت تین سوالات مذکورہ کے جوابات تشفی بخش نہ ہون اور خط کشیدہ گرُیا الفاظ جن کے معنی ارشاد آپکے گرو اور مرشد کامل ہی بتا سکتے ہین، وہ اس مضمون مین اچھی طرح بیان نہ ہوسکین تو اوس کو تصوف کا کوئی نقص ہرگز نہ سمجھا جائے، بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ مضمون نگار اس کو اچھی طرح نہ سمجھا، تصوف کی جو باتین بیان کیجاتی ہین، وہ صوفیون یا ویدانتیون کے نزدیک متفق علیہ نہین ہین، لہذا اون کی نسبت اختلاف آرا بھی ممکن ہی،

۴۔ عربی لفظ "تصوف" کی اصل صوف ہے جس کے معنی یونانیون کے نزدیک عقل کے ہوتے ہین، اس کا مصدر باب تفعیل مین تصویف بن گیا جس کے لغوی معنی عقل لڑانے کے ہوتے ہین، مگر اصطلاحی معنی "ذات اور صفات پر غور و خوض" کے لئے جاتے ہین، اس تصویف یعنی غور و خوض کا نتیجہ باب تفعل مین تصوف قرار پایا، جسکی تعبیر اوپر "امنگ" یا "ہیجان کی حالت" سے کیگئی ہے،

۵۔ نفس[1] کی امنگ کی ہر حالت جسکو انگریزی مین ATTITUDE کہتے ہین، اوس کے کم و بیش تین

[1] چونکہ تصوف کا تعلق نفس سے ہی، اس لئے یہان کسی قدر توضیح کی ضرورت ہے کہ نفس کسکو کہتے ہین؟ انسان جسکو (این) کہتا ہی اور جسکو (تو) اور (وہ) سے الگ سمجھتا ہے، اوسکو اصطلاحاً **ایغو** کہتے ہین جسکو ہر شخص عام زبان مین "میرا نفس"، "میرا ذہن"، "میرا دل" کہتا ہے (۱) کسی چیز کو اپنے لئے حاصل کرنے کی کوشش مثلاً کوئی غذا اپنے لئے کسی نہ کسی ترکیب سے پیدا کرنا کی (سعی) میرے ایغو کا خاصہ ہی لو دیکھو صفحہ ۱۰۲

پہلو FUNCTIONS تین وظیفے[۱] لازماً ہوتے ہین ایک وجدہ COGNITION / KNOWING دوسرے جذبہ EMOTION / FEELING تیسرے ہیجہ CONATION / STRIVING پھر تینون پہلو ہر امنگ مین رہنا لازم ہے لیکن ایک ہی وضع پر یکسان رہنا شرط نہین، کیونکہ انسانی طبائع مختلف ہین، ہر ایک کی طبیعت کے مطابق اوسکی صوفیانہ امنگ ہوگی، کسی کے تصوف مین جذبہ اس قدر زیادہ ہوتا ہے، کہ وجدہ و ہیجہ کو دبا رکھتا ہے، اور کسی کے تصوف مین ہیجہ ہیجان، اس شدت سے ہوتا ہے، کہ اوس کے مقابل نسبتہً وجدہ و جذبہ قلیل ہوتا ہے، ہم فی الوقت فاضل صوفیون کے وجدۂ الٰہیہ سے اور مجذوب صوفیون کے جذبۂ قدسیہ سے قطع نظر کر کے فقط سالک صوفیون کے ہیجۂ محترمہ کو پیش نظر رکھتے ہین،

۶ - غرض تصوف نفس انسان کی ایک امنگ و تہیج کی حالت کا نام ہے، جو تصوف کا نتیجہ یا ماحصل ہے اور تصوف وہی ہے کہ کوئی شخص INDIVIDUAL جو اپنے آپ کو لفظ مین سے موسوم کر لیتا ہے[۲] اور دیگر اشخاص و اشیاء کو میرے کہکر اپنی طرف منسوب کر لیتا ہے، خوب سوچے کہ

(الف) مین کیا اور کون ہون، ؟ چہ ؟

(ب) مین کیون یہان آیا ہون، ؟ چون ؟

(ج) مین کس لئے یہان ہون، ؟ چرا، ؟

اگر ان تینون سوالون کے جوابات اوسکی تشفی و تسلی کے موافق اوسکو مل جائین، اور اوسکو اس پر یقین ہو جائے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۱) جسکو اصطلاحاً ہیجہ کہتے ہین، (۲) کیا چیز کیسے (مجھے) مل سکتی ہے، اوس کا جاننا اور یہ جاننا مثلاً سیب کیا ہے، اور کیون مل سکتا ہے، اور سکا علم میرے لیئے کیا فوائد مرتب ہے، جسکو اصطلاحاً وجدہ کہتے ہین، (۳) کسی چیز کے احساس سے (میرے جسم کے اندرونی حالات مین تبدیلی واقع ہونا مثلاً خوشنما سیب کو دیکھنے سے منہ مین پانی آنا جو ایک قسم کا جذبہ ہے، وہ میرے لیئے کی قوت ہے جسکو اصطلاحاً جاذبہ کہتے ہین، پس سکی علم جذبہ یا اصطلاحاً تجربہ، وجدہ، جذبہ، لیئے کے تین پہلو ہین، جو میری خواہش یا شغف مین جمع رہتے ہین،

[۱] پہلو معمولی لفظ ہے، اصطلاحی لفظ وظیفہ ہے ان معنون مین جو حافظ نے بیان فرمایا ہے،

حافظا (وظیفہ) تو دعا گفتن ست و بس در بند این مباش کہ نشنید یا شنید،

[۲] ہاتھی کو ہم "شخص" نہین کہہ سکتے کیونکہ ہم کو معلوم نہین، آیا وہ اپنے کو "مین" کہتا ہے یا کیا،

تو وہ صوفی یا ویدانتی ہوجاتا ہے، اوس وقت اوس کے نفس مین جو خاص ہیجان یا تہیج پیدا ہوتا ہے، وہی اوس کے غور کا نتیجہ یا ماحصل یعنے تصوّف ہے! اس تصوّف کا اثر جو اوس کے اطوار و اقوال و افعال پر پڑے گا، وہی اوس کا مسلوک ہوگا، اگرچہ ہر شخص کی تصویف ایک ہی وضع کی ہوتی ہے، لیکن کہا نہین جا سکتا کہ اس کا لازمی نتیجہ ایک ہی ہوگا کیونکہ ہر ایک سبب سے مسبب متعدد و مختلف ہوتے ہین، جیسے سورج کی گرمی سے موم گھل جاتا ہے، کیچڑ سخت ہوجاتی ہے، پانی بخار بن کر اُڑ جاتا ہے، اسی طرح ہر شخص کی طبیعت یا خصلت جداگانہ ہونے سے ہر طبیعت کے آدمی کا تصوّف نوعیت اور مقدار کے لحاظ سے QUALITATIVELY AND QUANTITATIVELY جداگانہ ہوتا ہے، جس علم سے جو عمل ظہور مین آئے، جس تصوّف کا اثر جو سلوک ہے وہی اوسکی نیکی یا بدی کا پیمانہ ہے، کسی صوفی کا سلوک غیظ و غضب برپا کرنے والا جلالی ہے، اور کسی کا سلوک امن و امان پیدا کرنے والا جمالی، لیکن علی العموم ویدانتی گرو اور صوفی شیوخ اپنے مریدون مین ایسا تصوّف اور ایسا سلوک پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہین جس سے یہی عالم جسکو ہم دنیا کہتے ہین، مرید کے حق مین بہشت ہوجاتا ہے، اور وہ مرید اپنے ماحول کو فردوس بنانے کی کوشش بلیغ کرتا ہے، (یاد رہے ہمارا روئے سخن معمولی گندم نما جو فروش صوفیون اور ویدانتیون کی طرف نہین ہے، بلکہ اون محترم اور مبارک ہستیون کی طرف ہے جو دراصل صوفی ہین اور صوفیون کے مرشد اور گرو ہوتے ہین،)

۷۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے، ہر امر کی کامل تعریف یا تفہیم کے لئے اوس کا متعلق چہ، چون، چرا، کی صراحت کرنی لازم ہے، لیکن دنیا مین بعض ایسے امور ہین جن کی نسبت اگرچہ چہ اور چون کے جوابات دئے جا سکتے ہین، اگرچہ اون کی ماہیت و کیفیت بیان کیجا سکتی ہے، لیکن اون کی وجہ چرا؟ بیان نہین کیجا سکتی[۱]، انھین امور مین ایک تصوّف بھی ہے، جس کے متعلق چرا یا وجہ کی تشریح الفاظ یا ارشادات سے بھی ممکن نہین، فقط الہام و القا و کشف و کرامات ہی سے اسکی تفہیر ہوسکتی ہے، مگر یہ ہمارے امکان سے خارج ہے اگر آپ کسی اہل دل

---

[۱] امجد۔ کیون گرم ہے آفتاب معلوم نہین — کیون ہے یہ انقلاب معلوم نہین
جی بھر کے سوال کر لو جتنے چاہو — سب کا ہے یہی جواب معلوم نہین

سے پوچھین کہ پانی کیا چیز ہے؟ اور کس طرح بنتا ہے، وہ پانی کے گلاس کی طرف اشارہ کر کے بتائیگا کہ وہ پانی ہے اور کہے گا کہ ہیڈروجن اور اکسیجن کی مقدار مقررہ کو برقی قوت سے ترکیب دینے سے بنتا ہے لیکن آپ اگر اوس سے یہ بھی پوچھین کہ کیون اون عنصرون کی اوس مقدار کی ترکیب سے فقط پانی بنتا ہے شراب یا اور کوئی چیز کیون نہین بنتی تو وہ آپ کو تعجب سے دیکھکر خاموش ہوجائے گا، ایسا ہی اگر آپ کسی پنڈت یا شیخ سے پوچھین کہ وہ کیون ویدانتی یا صوفی ہے، کوئی چور یا بدمعاش کیون نہ ہوا؟ تو وہ بھی آپ کو ویسا ہی نیچے اوپر دیکھ کر خاموش ہوجائے گا، اوس کے اس دیکھنے اور چپ ہوجانے کے یہ معنی نہین ہین کہ وہ سائل کو دیوانہ سمجھتا ہے یا اوس کو آپ کے بیجا سوال پر غصہ آیا نہین بلکہ صوفی یہی سمجھے گا کہ آپ خدا کے اوس الہام القا یا کشف سے محروم ہین، جو اوس نے بڑی ریاضت یعنی نفسی جد وجہد کے بعد پائی یا جو شیخ کی مہربانی سے اوس کو حاصل ہوئی، چنانچہ اکثر مغربی مراکش وغیرہ کے صوفیون کا مقولہ ہے من لا شیخ لہ فشیخہ الشیطان جس کا کوئی مرشد نہین اوس کا مرشد شیطان ہے لیکن یہان الہام القار، کشف وغیرہ کی ماہیت یا کیفیت کی بحث نہین ہوسکتی جو تصوف کے خاص تہیج سے تعلق رکھتی ہین، کیونکہ فی الحال ہمارا مطلب خود تصوف کی تفسیر و تصریح نہین ہے، بلکہ فقط تصوف کے فلسفہ کی تاویل ہے جسکی صوفیون کو ضرورت ہوتی ہے تاکہ تصوف کی اُمنگ سہل طور سے پیدا ہوسکے، ؎

تلقین درس اہل نظر یک اشارتست کردم اشارتے و مکرر نمی کنم (حافظ)

۸۔ تصوف سے کیا فائدہ؟ کیا اوس سے ہر متنفس کی روزمرہ خوشی کی مقدار مین کوئی اضافہ ہوسکتا ہے، کیا اوس سے نوع انسان کی بہبودی من حیث المجموع زیادہ ہوسکتی ہے، اس قسم کے سوالات کسی صوفی سے کئے جائین، تو وہ ہنسکر جواب دیگا کہ تم خود صوفی بن کر دیکھو[1]، تصوف حال ہے قال نہین، تم صوفی بنجاؤ تو معلوم ہوگا، تصوف کی حالت اگر بار بار کسی کے نفس پر طاری ہوتی رہے، تو اوس کے جذبہ مین کچھ ایسی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے

[1] امجد:۔ ساری دنیا سے ہاتھ دھو کر دیکھو، جو کچھ بھی رہا سہا ہے کھو کر دیکھو،
کیا عوض کرون کہ اس مین کیا لذت ہے، اک مرتبہ تم کسی کے ہو کر دیکھو،

کہ اوہ اوسی مین رہنے کے واسطے بلا تامل اپنا من تن دھن وقف کردیتا ہے، وہ اپنے نفس مطمئنہ ہی کو اپنے حق مین ہزار بہشت کی ایک بہشت سمجھتا ہے، ؎

خرم دل آن کہ ہمچو حافظ جامے ز مئے الست گیرد (حافظ)

وہ اپنے کو ہر شخص و ہر شے مین دیکھتا ہے، گویا وہ شخص خود آپ ہے، یا وہ شے یا اوسکی صفت خود آپ مین ہے، اوس کے نزدیک کوئی غیریت نہوگی، ہر بین کہنے والے کو وہ خود آپ ہے سمجھیگا، ہر چیز کے حسن و قبح کو خود آپ مین پائے گا، دوسرون کے اغراض اپنے اغراض تصور کرے گا، جب کسی فرقہ یا گروہ کے افراد مین سے اس طرح غیریت اوٹھ جائے اور ہر ایک اپنے اغراض کو دوسرون کے مخالف تو کیا یکسان بلکہ ایک ہونا تصور کرے گا، تو اوس گروہ مین صلح و امن کی ایسی لہر پیدا ہوجائے گی، کہ جسکے دیکھنے والے یہی کہین گے، ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است

ہمین است و ہمین است و ہمین است

۹- فقرۂ بالا مین جس بہشت و فردوس کا ذکر ہے وہ محض نفس کا ایک وجدان Ideal ہے، جو صوفیون کے مدنظر رہا کرتا ہے، ساتھ ہی اس کے صوفیون کو بخوبی اس کا علم و احساس بھی رہتا ہے، کہ اپنے موجودہ زمانہ مین وجدانات Sentiments کا کامل وجود امکان سے باہر ہے، مگر اون کا خاصہ یہ ہے کہ اون کے مقاصد کے حصول کے لئے جس قدر زیادہ کوشش کیجاتی رہے اور اس کوشش مین جسقدر کامیابی جس حد تک حاصل ہوتی رہے، اوسی قدر زیادہ خوشی انفراداً، زیادہ بہبودی اجماعاً ہوتی ہے،

۱۰- ویدانت یا تصوف کے فلسفہ کی کوئی توضیح تشفی بخش نہین ہوسکتی، جب تک اوس کے ایک مفروضہ[1] Hypothesis کا سرسری ذکر نہ کیا جائے، جو تمام ویدانتی و صوفی تحریرات مین مسلمہ ہے، جس کا نام عام زبان

---

[1] اصطلاحاً، قیاس، مفروضہ، نظریہ مین ویسا ہی فرق ہے، جیسا (۱) ایک بات سے دوسری بات نکالنا، (۲) چار یا پانچ باتون سے ایک بات نکالنا (۳) بہت سی باتون سے ایک عام بات نکالنا،

ہین ابے ثباتی عالم ہے؟ وہ سادہ الفاظ مین اسی قدر ہے کہ ہمارے محسوسات وادراکات مین ہم کو کوئی ہستی درحقیقت قائم نظر نہین آتی، بلکہ ہر ہستی اپنی ہیئت وحالت ظاہر و باطن کو ہر لحظہ و ہر آن بدلتی ہوئی پائی جاتی ہے، کسی ہستی کو یہان کوئی ثبات نہین اگر ثبات ہے تو صرف تبدیلی کو اکثر و بیشتر اور صوفی بے ثباتی عالم کے ثبوت کی ضرورت ہی نہین سمجھتے بلا تامل مان لیتے ہین کہ ہمارے فہم وادراک مین کوئی ایسی چیز نہین آسکتی جو ہر وقت اور ہر جگہ بالکل یکسان اور ایک حالت مین ہو، زمین اپنے محور پر اس طرح سہولت سے پھرتی ہے، کہ ہم کو معلوم ہی نہین ہوتا کہ ہم بھی اوس کے ساتھ رات دن پھرتے اور سال بھر سورج کے اطراف چکر لگاتے ہین، البتہ اگر کوئی زلزلہ آجائے تو کسی قدر احساس ہوتا ہے کہ ہماری زمین متحرک ہے، اگر کوئی شے اس عالم مین ایک ہی حالت مین رہنے والی قائم و دائم ہے تو ہم انسانون کے فہم وادراک سے خارج ہے، ہر ہستی یا چیز، خواہ انسان ہو یا حیوان، خواہ درخت ہو یا پتھر ہر جگہ ہر وقت اپنی ہیئت وحالت اور اپنے اوضاع وتعلقات کو ہمیشہ ہر طرح سے بدلتا رہتا ہے، ہم جس کو فلان چیز کہتے ہین، وہ ایک ساعت تو کیا ایک آن مین دوسری چیز ہو جاتی ہے، ہین جو اس وقت ہون منٹ دو منٹ مین بالکل دوسرا ہین ہو جاتا ہون، مثلاً ندی جو بہتی چلی جاتی ہے، اگر دور سے دیکھی جائے تو استادہ پانی کا چشمہ نظر آئے گی، اگر قریب جاکر دیکھی جائے تو بہتا ہوا پانی نظر آئے گا، جو بہاؤ کی سرعت کی وجہ سے دور سے (بہ نسبت ندی کے کنارون کے) استادہ پایا گیا، اگر اور بھی قریب جاکر خوب غور سے پانی پر نظر ڈالی جائے تو اوس کا قطرہ قطرہ ایک مقام سے دوسرے تیسرے چوتھے مقام پر جاتا ہوا پایا جائے گا، پانی کا ایک ایک قطرہ بھی اگر کلان بین سے دیکھا جائے تو اوس کا ذرہ ذرہ اپنی ماہیت وحالت بدلتا ہوا نظر آئے گا، یہی حالت اس عالم کی ہر ہستی یا ہر شئی کی ہے، جو اگرچہ بادی النظر مین ایک طور سے قائم پائی جاتی ہے، لیکن دراصل جلد سے جلد تر بدلتی رہتی ہے، کسی کو کوئی ثبات یا دوام نہین، ہر ہستی نہ بود ہے نما بود ہے، بلکہ بود و نابود دونون کے مابین ہے، اسی کو حالت ارتعاش کہتے ہین، دنیا بقول جامی، ؎

بحریست نہ کاہندہ نہ افزایندہ — امواج برآورندہ وآیندہ

عالم چو عبارت از ہمین امواج است — نبود و وزمان بلکہ دوان پایندہ

۱۰- غرض اس طرح ہر جگہ اور ہر وقت اپنے صفات و حالات، اپنے حرکات و سکنات اپنے باہمی تعلقات، اپنی ہیئت و حالت کو بدلتے ہوئے اشیاء یا ہستیوں کو فلاسفر اصطلاحاً انگریزی مین (واحد) فانمن Phenom enon (جمع) فانمنا، اور عربی مین (واحد) ظاہرہ (جمع) ظاہرات یا ظواہر کہتے رہے، مگر حال مین پروفیسر آئین سٹین نے اپنے مشہور نظریۂ تناسب کے واسطے ان کا نام (واقعات مکان و زمان) رکھا ہے مگر صوفی اپنے فلسفۂ تناسب مین بجائے ظواہر کو احداثات جسم و جان) یا (حوادث روح و جسم) کہتے ہین، جن کا بیان متعاقب آئے گا۔

۴- ارتقاء

۱- راقم گذشتہ تیس سال مین کسی ایسے صوفی یا ویدانتی سے نہین ملا، جو مذکورہ معنون مین ظواہر و احداثات جسم و جان کے ارتقاً کا قائل نہ تھا، لفظ ارتقاء و نیز انگریزی لفظ ایوولیوشن Evolution کے لغوی معنی "خود بخود کھلتے اور پھیلتے جانا" ہوتے ہین، اوس کے اصطلاحی مفہوم مین ترقی و تنزل، عروج و نزول، دونون شریک ہین، مثلاً بعض یکسان اجزاء یا قوتون کے اجتماع Integration سے ایک جدید شے یا جدید قوت بن جانا اور، اوس جدید شے یا جدید قوت کے اجزاء مین افتراق Differentiation پیدا ہونے پر بھی باہم اجزاء مین ایک طرف اور نیز اجزاء اور کل مین دوسری طرف اعتدال Equilibrium باقی رہنا یہ سب امور مجموعاً ارتقاء عروج کے معنون مین شامل ہین، اور اوس جدید شے کے یا جدید قوت کے اجزاء یا قوتون مین پھر افتراق ہونے سے اجتماع باقی نہ رہ کر باہمی اعتدال کا زوال ہو جانا، یہ سب امور بھی مجموعاً ارتقاء نزول کے معنون مین شامل ہین، لیکن نظریۂ ارتقاء کے تین طریقے اجتماع و افتراق و اعتدال کی کیفیت بیان کرنا تو کہان اوس نظریہ کی تعریف بھی مختصر طور سے کرنیکی یہان گنجایش نہین ہے، فقط سرسری طور پر ارتقاء کے معنی بتا کر یہ کہدینا مقصود ہے، کہ ویدانتی اور صوفی اس ارتقاء کے ہمیشہ قائل رہے ہین، اگرچہ اون کے تصانیف و تالیفات مین اشیاء یا قوی کے ارتقاء کا کوئی ایسا ثبوت نہین ہے، جیسا کہ انیسوین صدی کے مغربی محققین نے پیش کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اگلے

زمانہ کے صوفی محققین اپنے اختبارات (Observations) و آزمائشات (Experiments) و تحقیقات (Investigations) کا فقط نتیجہ بیان کر دیتے تھے، طریقۂ اختبار ترکیب آزمایش اور آئین تحقیقات کی توضیح و تصریح غیر ضروری سمجھتے تھے، غرض صوفی بے تکلف مانتے ہین کہ ظواہر واقعات زمان و مکان، حادثات جسم و جان مین (۱) طبعیات کے اعتبار سے فعل و ضد فعل کا (۲) حیاتیات کے اعتبار سے ولادت اور موت کا (۳) اقتصادیات کے اعتبار سے تدریجی ترقی اور تدریجی تنزل کا دور در دورہ، دور دائرہ (Cycle) ہر وقت اور ہر جگہ رہا ہے، اور ہمیشہ رہے گا، مزید برآن یعنی ارتقاء کے عمل کو ماننے کے علاوہ صوفی اور ویدانتی ارتقاء مین مدارج بھی تسلیم کرتے ہین، چنانچہ مولینا رومی کی مثنوی کے ابیات[1] مین ارتقاء کے مدارج بتائے گئے ہین ویدانتی و شنو کے دشاوتار کے استعارات مین مچھلی سے لیکر انسان و ملائکہ تک کے مدارج ارتقا بیان کرتے ہین بلکہ ارتقا کا نظریہ ان حضرات کے نزدیک بشارتی عالم کے کلیہ کا محض ایک جزئیہ یا نتیجہ ہے،

۲۔ صوفیون اور فیلسوفون نے ظواہر کے یعنی حادثات جسم و جان کے دور در دورہ کو ہستی تصور کیا ہے لیکن سوال یہ ہے، کہ "وہ کیا چیز ہے" وہ قوت کیا ہے، جس کے دورۂ دائری یا دور در دورہ Cycle کو ہم ہستی کہتے ہین، "دوسرے الفاظ مین سوال یون کیا جا سکتا ہے، کہ "وہ کیا ہے جس کا عروج و نزول ارتقاء مین ہوتا ہے،؟ "ہربرٹ اسپنسر سے لیکر اسٹیفن جیسے فیلسوف (فلاسفہ لاادری) Agnostics کہتے ہین، کہ "وہ کیا ہے، ہم نہین جانتے اور نہ جان سکتے ہین اُس کا علم ہم کو کچھ بھی نہین ہو سکتا حتی کہ وہ ہے، یا نہین، یہ بھی ہم نہین کہہ سکتے" چند دوسرے فیلسوف (فلاسفہ الٰہی) Gnostics کہتے ہین، کہ "وہ ذات ہے جو ظواہر مین، واقعات زمان و مکان مین، حادثات جسم و جان مین مستتر ہے، جس کا اجمالی علم یا احساس ہم کو کسی نہ کسی طور سے ہوتا رہتا ہے" لیکن سوال مذکور کا جواب صوفیون اور ویدانتیون کے پاس یہ ہے کہ وہ ذات بحت یا ذات مطلق خدا ہے، جسکی نسبت یہ چون چرا کچھ بھی ہم نہین کہہ سکتے لیکن اس کے وجود کا محض احساس ایک طور سے کبھی نہ کبھی تصوف کی خاص حالت یا امنگ مین ہونا ممکن ہے اسی لئے وہ انسان کا اکثر تصوف کی حالت مین رہنا پسند کرتے ہین،

---

[1] من جمادی بودم و نامی شدم، الی آخرہ،

۵- ذرائع سلوک

۱- "صوفیون یا ویدانتیون کے مختلف فرقے ہین" ایسا کہنا غلط ہے کیونکہ (سب کو ایک سمجھنے) والون مین تفرقہ نہین ہوسکتا، ان مین کوئی فرقہ بندی ممکن نہین، البتہ بعض صوفیون نے اپنی اپنی سمجھ کی تائید کے لئے کوئی ایک معمولی طریقہ سوچ لیا ہے، بعض نے غیر معمولی طریقہ اختیار کرلیا ہے، چنداور صوفیون نے ایک تیسرا طریقہ ایجاد کرلیا ہے، اوپر بیان کردیا گیا ہی کہ علم و فن مین جو فرق ہی، وہی فرق تصوف و سلوک مین ہے، اور ایک تشبیہ سے سمجھایا گیا، کہ شاہراہ شریعت پر سے گذر کر قرب الٰہی حاصل کرنے کے ذرائع (تیز رفتار سواریان) ہوتے ہین جسطرح سواریان اقسام کی ہوتی ہین، اوسی طرح سلوک کے ذرائع بھی قسم قسم کے ہوسکتے ہین، ایسے ہر ذریعہ سلوک کا نام صوفیون نے طریقہ قرار دے لیا ہی،

۲- شریعت کی شاہراہ سے جلد عبور کرنے کے ذریعہ (طریقہ) کے نام سے موسوم ہین، سلوک کے طریقے دراصل دو ہین، اور دیگر تمام طریقے ان دونون طریقون کے متعدد امور کے شمول و خروج، جمع و تفریق سے نکالے گئے ہین، ایک اصولی طریقہ اون صوفیون اور اَدویتا ویدانتیون کا ہے جو ھوالکل کہتے ہین، اور دوسرا اصولی طریقہ اون صوفیون اور دُویتا ویدانتیون کا ہے، جو ھُوالباری کہتے ہین، دونون اگرچہ پکے موحد ہین لیکن توحید کو پانے کا "طریقہ" جس کو ہم "ذریعہ" کہین گے، ہر ایک نے الگ الگ اختیار کیا ہی، ہر طریقہ یعنی ذریعہ کے متعلق مختلف مباحث طول وطویل ہین، جن کا تذکرہ اس مضمون کے اغراض کیلئے غیر ضروری ہی،

۳- یہان فقط اشارۃً و کنایۃً دونون کا فرق حسب ذیل بتایا جاتا ہی،

(الف) ھُوالکل	(ب) ھُوالباری
۱- نظریہ- ہمہ اوست یا اندر ہمہ اوست،	۱- نظریہ- ہمہ از اوست[۱]،
۲- ارتقاء، خود بخود ہوتا ہی Emergence	۲- ارتقاء- پیدا کیا جاتا ہی، Creation

[۱] گر بگوئی بگو (ہمہ از وست)۔ در یدانی بدان (ہمہ اوست)

۳۔ تصوف، ہیجہ، سکون کی طرف مائل Peace	۳۔ تصوف، ہیجہ، جوش کی طرف مائل Ecstacy
" جذبہ، وہ اور مین جدا نہین (وہ	" جذبہ، اوس کے ساتھ مین اور میرے
دریا تو مین قطرہ ہون)	ساتھ وہ ہے،
" وجد: وصل:	" وجدہ، "عشق"
۴۔ حقیقت، حق، حق، حق:	۴۔ حقیقت، "حسن ازلی محبوب کل"
۵۔ اعتقاد، مین کون ہون؟ انا الحق (عارف)	۵۔ اعتقاد، مین کون؟ انا عبدہٗ (عاشق)

۴۔ فلسفہ مین یعنی علوم وفنون کے اصول سے استقرآت مین تین اصل الاصول ہین، جو مسائل کے طور پر یون بیان کئے جاسکتے ہین:۔ پہلا مسئلہ Psychological روح یا نفس کیا ہے، ؟ دوسرا مسئلہ Cosmological ماحول النفس کچھ ہے کہ نہین اگر ہے تو کیا ہے، تیسرا مسئلہ Ontological نفس وماحول النفس کے ماسوا یا ماورئ کچھ ہے بھی ؟ یہی اصولی مسائل ہین، جنسے متعلق بقیہ تمام مسائل ہین، جن کے بیان وتاویل وثبوت وغیرہ مین فلسفی سرگرم رہتے ہین، مگر صوفیون اور ویدانتیون کے پاس ان تینون سوالون کا ایک ہی جواب صرف ھُوْ ہے، یہ جواب دیدینا بہت سہل ہے لیکن اوس کی صحت کا کسی فرد بشر کو یقین دلانا کچھ سہل نہین ہے اس کے واسطے بوعلی سینا، امام غزالی جیسے صوفیون کو شنکراچاری، مادھواچاری جیسے ویدانتیون کو فلسفہ کی ضرورت ہوئی،

۵۔ اوپر اصطلاحی الفاظ، ہیجہ، جذبہ، وجدہ کی تعریف کردی گئی ہے، اور بیان ہوچکا ہے کہ ہوالکل اور ہوالباقی کہنے والے صوفیون کی مذکورہ پانچ مختلف باتون کے شمول وخروج یا جمع وتفریق سے، دوسرے تمام طریقے یعنی ذرائع سلوک قائم ہوئے ہین، گویا معدودے چند دھاتون کے آلات اور مختلف وضع کے کل پرزون سے جدا جدا سواریان (شکرام، گھی، موٹر، ایروپین) ہر وضع وقطع کے ذرائع سیر کے واسطے بنالیے گئے ہین، تمام سواریان (طریقے) اگرچہ ایک ہی وضع وقطع کی نہین ہین، لیکن سب ایک ہی سڑک شریعت (دھرم) پر چلنے والے اور سب ایک ہی منزل مقصود کو لیجانے والے ہین،

مین نور کا ہون شیدا، وہ نار پر فدا ہے منزل تو ایک ہی ہے، رستہ رستہ جدا جدا ہے (امجد)

اسی لئے یہاں ہر طریقہ کے مباحث کی صراحت کی کوئی ضرورت نہیں، صرف اون کو اشارۃً بیان کردینا کافی ہے، ان مسائل و مباحث کی مرشدون کو اس لئے ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ (جیسا اوپر بیان ہوا ہے) اپنے مریدون کے دلون مین یقین کامل پیدا کرین، جو تصوف کی اسٹنگ کیلئے لازم ولابد ہے، علی العموم کہا جاسکتا ہے، کہ صوفیون کو ایک خاص قسم کے فلسفہ کی (جس کا نام ہم نے فلسفۂ فقراء رکھا ہے) ضرورت اس لیے ہوئی کہ اوس سے طالب کے دل مین یقین کامل پیدا کرنے مین سہولت ہوسکے (دیکھو فصل ۲، ۲ کے دفعات متعلقہ صوف تصوف و تصوف،) (باقی)

فیہ ما فیہ

یعنی ملفوظات مولانا روم جو ایک نایاب کتاب تھی، مولانا عبدالماجد بی اے دریابادی نے مختلف نسخون سے مقابلہ کرکے اوسکو مرتب کیا اور معارف پریس اعظم گڈھ مین چھپی ہے ضخامت ۲۴۲ صفحے لکھائی چھپائی نہایت عمدہ ہے، اور مختلف فلسفیانہ و صوفیانہ مباحث پر مشتمل ہے، قیمت :- عہ

تصوف اسلام

خالص اسلامی تصوف اور قدماء صوفیہ کے حالات و تصنیفات کا مفصل بیان ضخامت ۲۴۲ صفحے قیمت ، عہ

نیٹشے

مشہور جرمن فلاسفر فریڈرک نیٹشے کی سوانح عمری اور اوس کے افکار و خیالات اور تصانیف پر بحث و تبصرہ ہے، پروفیسر مظفر الدین ندوی ایم اے بجم ۱۴۲ صفحے قیمت عہ

"منیجر"

حضرت شاہ وجیہ الدّین علوی گجراتی

از

مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی، سابق مدرس عربی و فارسی مہاودیالے احمد آباد (گجرات)

گجرات مین سینکڑون علما اور اتقیا پیدا ہوے اور چل بسے لیکن گجرات کے آسمان پر دو ایسے آفتاب و ماہتاب چمکے جن کے علمی کارنامون کی شعاعین ابھی تک پرتو فگن ہین، ان مین سے ایک محدث بے بدل علامہ شیخ محمد طاہر پٹنی (گجراتی) ہین، اور دوسری مقدس ہستی جناب حضرت شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی کی ہے، ان سے پہلے نہروالہ پٹن (انہل واڑا) اور احمد آباد مین متعدد مدارس موجود تھے، اور مختلف علمی مرکزون سے لوگ فیضیاب ہوتے تھے، لیکن جب سے ان دونون بزرگون کا وجود خطہ پذیر ہوا، علمی دنیا مین نیا انقلاب پیدا ہوا، اور تشنگان علم کی جس کثرت تعداد نے ان سے سیرابی حاصل کی، گجرات مین شاید ہی کوئی دوسری ذات بابرکات ان کے مدمقابل نکلے، ان مین سے خصوصیت سے جناب شاہ وجیہ الدین کا فیضان مدرسہ اور تلامذہ کی شکل مین صدیون رہا، اور گجرات ان کے دم قدم سے مدت تک منور رہا، لیکن افسوس ہے کہ گجرات کے باہر کے لوگ ان سے اور انکی تصنیفات سے بہت کم واقف ہین، اس لئے ضرورت ہے کہ ان کے حالات لکھے جائین،

نام و نسب شاہ صاحب کا اصلی نام سید احمد ہے، مگر دنیا ان کو وجیہ الدین کے نام سے جانتی ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے، وجیہ الدین احمد بن قاضی سید نصر اللہ بن قاضی سید عماد الدین بن قاضی سید عطاء الدین بن قاضی سید معین الدین، بن سید بہاؤ الدین بن سید کبیر الدین، اسی طرح سلسلہ سیدنا امام محمد تقی تک پہنچتا ہے[1]، سید کبیر الدین صاحب کا اصل وطن مین تھا، لیکن مکہ معظمہ مین آکر مقیم ہوگئے تھے، اور اسی لحاظ سے بعض لوگون نے ان کو مکی بھی تحریر کیا ہے، کہتے ہین کہ سید بہاؤ الدین ایک دن

[1] مرآۃ احمدی مین ہے کہ آپکے خاندانی لوگ سلسلۂ نسب محمد عریض بن محمد نجواد تک لیجاتے ہین، اس سے معلوم ہوا کہ آپ علوی کیا تھے عریضی بھی ہین،

خانۂ کعبہ مین متکف تھے کہ ان کو بذریعۂ کشف ایسا معلوم ہوا کہ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ ہند کے صوبۂ گجرات مین جاکر خلق کی ہدایت کرو، چنانچہ آٹھوین صدی کے آخر یا نوین صدی کی ابتدا مین بہ عہدِ مظفر شاہ اول گجرات تشریف لائے، اور مقام پاٹری ضلع جھالاواڑ مین توطن اختیار فرمایا اور ہدایتِ خلق مین مشغول ہوگئے، قرینہ و قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خشکی سے دہلی یا اُجھ ہوتے ہوئے تشریف فرما ہوے، ورنہ بحری راستہ سے کنبھائت یا بھروچ اتر کر کہین مقام ہونا چاہئے تھا، یا ممکن ہے کہ بحری راہ سے تشریف لائے ہون، اور خصوصیت سے جھالاواڑ جیسے کوہستان کو ارشاد و ہدایت کے لیے انتخاب فرمایا ہو،

ان کے بعد سید معین الدین ان کے لڑکے جانشین ہوے اور حکامِ وقت کی طرف سے محکمۂ قضا ان کے سپرد ہوا اور پھر ان کے لڑکے قاضی سید علاء الدین اور پوتے قاضی سید عماد الدین بھی اس محکمہ سے منسلک رہے اور مختلف صلعون مین بہ حیثیت قاضی کام انجام دیتے رہے، جناب شاہ وجیہ الدین صاحب کے والد ماجد قاضی نصر اللہ محمود بیگڑہ کے آخر عہد مین بمقام چانپانیر قاضی کے عہدہ پر مامور تھے اور ان کی خصوصیت یہ تھی کہ مشتبہ امور سے بہت احتراز فرماتے تھے، سلطان مظفر حلیم ان سے بہت خوش تھا، اسی لیے احمد آباد اپنے ساتھ لاکر اپنے محل کے پاس اقامت کے لیے جگہ دی، یہ وہی مقام ہے جس کو آج خانقاہ (یا درگاہ) شاہ وجیہ الدین کے نام سے لوگ موسوم کرتے ہین،

ولادت | جناب شاہ صاحب کی ولادت ۲۲ محرم ۹۱۰ھ کو بمقام چانپانیر ہوئی، لفظ "شیخ" سے ان کی ولادت کی تاریخ نکلتی ہے، تقریباً سات آٹھ برس تک چانپانیر مین مقیم رہے، کیونکہ ۹۱۷ھ مین سلطان محمود بیگڑہ کے انتقال پر سلطان مظفر حلیم تخت نشین ہوا، جس نے قاضی نصر اللہ کو اپنے ساتھ لاکر احمد آباد مین مقیم کیا،

تعلم | سات آٹھ برس تک آپ اپنے والدین کے کنارِ عافیت مین پرورش پاتے رہے، قدرت نے بھی اپنے عطیات مین کسی قسم کا بخل نہین کیا تھا، ذہانت، ذکاوت، یادداشت کا مادہ، ابتدا سے موجود تھا، چنانچہ سات سال کی عمر مین انھون نے قرآن مجید حفظ کرلیا، اور آٹھوین سال تجوید کے ساتھ قرآن پاک علماء کے سامنے سنایا، اس کے بعد علومِ متداولہ مین مشغول ہوے، اور اپنے چچا سید شمس الدین صاحب سے ابتدائی کتابین پڑھین، پھر اپنے امون سید

ابوالقاسم صاحب سے حدیث کا درس لیا، ۱۴ - ۱۵ سال کی عمر مین علامہ محمد بن محمد ملکی سے حدیث کا اختتام فرمایا، اور سب سے آخر مین محدث ابوالبرکات بنبانی عباسی کو حدیثین سنائین،

علوم عقلیہ محقق جلال الدین دوانی کے شاگرد مولنا عماد الدین طاری اور ابوالفضل مظہر الدین محمد گاوزرونی جیسے علامۂ عصر سے حاصل کیے، مولنا طاری چند واسطے سے علامہ سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ سے بھی تلمذ کی نسبت رکھتے تھے، اسوقت مولانا موصوف کی تصانیف مین سے ضابطہ تہذیب کی شرح قلمی، اور علامہ گاوزرونی کی یادگار حاشیہ بر بیضاوی قلمی کتب خانۂ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد مین موجود ہے، ۲۴ سال کی عمر مین شاہ صاحب نے علوم ظاہری کی تکمیل فرمائی، اور "وجیہ" مادۂ تاریخ ہے،

بیعت طریقت ابتداً اپنے والد ہی سے چشتیہ اور مغربیہ طریقون کو سیکھتے رہے، لیکن کچھ دنون حضرت شاہ فاضل چشتی قدس سرہٗ کی صحبت سے بھی مستفیض ہوئے، اُن کے انتقال کے بعد میان بدرالدین ابوالقاسم سہروردی کی طرف متوجہ ہوے، اور حضرت نجم الدینؒ کی صحبت مین بھی رہتے، بسا اوقات جب جذب کا شوق غالب آتا تو حضرت سید کبیر الدین مجذوب سے ملاقات فرماتے، اور دردِ دل کی شکایت فرما کر علاج کے طالب ہوتے، پھر کچھ دنون کے بعد حضرت سید محمد غوث گوالیاری تشریف لائے، جناب شاہ صاحب ان سے ملے، اور اس درجہ ان سے متاثر ہوے کہ فوراً ان سے بیعت کر لی، اور اُن کی صحبت، جلوت اور خلوت سے مستفیض ہوے، اور کامل ہو کر سند اور خرقۂ خلافت حاصل کیا،

مدرسہ کی بنیاد ۹۳۴ھ مین تکمیلِ تعلیم کے بعد درس و تدریس کی طرف توجہ کی، اس وقت ان کی عمر چوبیس یا پچیس سال کی تھی، ابتدائے درس کا تاریخی مادہ "شیخ وجیہ" ہے، یہ سلطان بہادر شاہ گجراتی کا ابتدائی عہد تھا، یعنی اس کی تخت نشینی کو صرف دو تین سال گذرے تھے، عہد قدیم مین دستور تھا کہ صاحب علم و فضل جہان بیٹھ جاتا، کچھ دنون کے بعد وہی مقام اپنے وقت کا بہترین کالج ہو جاتا، اور آہستہ آہستہ امرا اور سلاطین کی توجہ سے طلبہ کے لیے تمام سہولتین بہم پہنچائی جاتین، جناب شاہ صاحب نے جب ۹۳۵ھ مین باقاعدہ ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی تو بہت جلد اس کی مقبولیت ہو گئی، طلبہ کے رہنے کے لیے حجرے بھی تعمیر ہو گئے اور وظائف کا بھی انتظام ہو گیا، شاہی مطبخ سے روزینہ پینتیس ۳۵ نان

بھی ملنے لگا، طلبہ کے علاج کے لیے ایک طبیب ۱۲/۱۰ ماہانہ پر تھا[1]، آپ نے اس مدرسہ مین ۴۰ سال تک تعلیم دی اور مشہور ہے کہ اس مدت مین کبھی آپ نے قصداً مدرسہ بند نہین فرمایا، اور نہ اسباق کا ناغہ ہونے دیا، ہر علم وفن کی تعلیم یہان ہوتی تھی، ابتدا مین غالباً وہ تنہا مدرس تھے، لیکن رفتہ رفتہ اساتذہ کی تعداد بڑھتی رہی، اور طلبہ کے انتہائی ترقی پر ہم دیکھتے ہین، کہ ایسے تلامذہ بھی اپنا وقت تدریس مین صرف کرتے ہین جو خود ابھی فارغ نہین ہوئے ہین، مندرجۂ ذیل علوم وفنون کی تعلیم یہان ہوتی تھی، ابتدائی تعلیم کے علاوہ تفسیر مع اصول، حدیث مع اصول، فقہ مع اصول، معانی وبلاغت، منطق، فلسفہ، ہیئت، مناظرہ، ادب وغیرہ علوم ظاہری کی تکمیل کر لینے پر جن تلامذہ کو تصوف کے طرف رجحان ہوتا، تو اس کی بھی تعلیم دیتے، ان کے علاوہ ایسے اشخاص جو باہر سے آکر اس چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے ان لوگون کی تعداد بھی کچھ کم نہین ہے، فتویٰ نویسی کا بھی باقاعدہ انتظام تھا، اور خاص اس کام پر ذمہ دار اشخاص کا تقرر فرماتے تھے، عام فتودن کو چھوڑ کر جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو خود اس پر غور فرماتے، اور تحقیقی جواب تحریر فرما کر اپنے دستخط سے اسکو مزین فرماتے،

خود سلطنت بھی کسی امر مہم مین بغیر آپکے دستخط کے احکام نافذ نہین کرتی، اور ایسے امر کو مشتبہ سمجھتی جس مین آپ کے دستخط نہ ہون، چنانچہ جناب سید محمد غوث گوالیاری کے متعلق جب علماے وقت نے جن کے سرگروہ شیخ علی متقی تھے، کفر اور قتل کا فتویٰ لکھ کر بطور محضر نامہ کے سلطان محمود ثالث کے سامنے پیش کیا تو سب سے پہلے سلطان موصوف نے یہی سوال کیا کہ اس پر جناب شاہ وجیہ الدین کے دستخط کیون نہین ہین، غرض سلطان کو وزرا کے جواب سے تشفی نہین ہوئی، اور خود حاضر خدمت ہو کر شرف قدمبوسی حاصل کیا، اور جوابات شافیہ سے متاثر ہو کر محضر نامہ کو رد کر دیا اور سید موصوف کو بری قرار دیا،

تلامذہ | تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع تھا، اسی (۸۰) کی تعداد صرف ان لوگون کی ہے جنھون نے اطراف ملک مین

[1] پاٹ نگر گجراتی مین یہ دونون رقمین تحریر ہین، اس عہد کی ارزانی کو دیکھتے ہوئے یہ رقم قلیل نہین معلوم ہوتی، (دیکھو حاشیہ ابن بطوطہ اردو جلد دوم عہد فیروز شاہ تغلق) مرآۃ احمدی مین یہ رقم ۳۰/۱۲ ماہوار ہے،

منتشر ہوکر مدرسے قائم کئے اور خود صاحبِ درس ہوئے، جناب شاہ صاحب کی کمال خوش نصیبی یہ ہے کہ اپنی زندگی ہی مین شاگردون کے شاگرد کو مسندِ علم پر رونق افروز ہوکر درس و وعظ کے ذریعہ خلق کو ہدایت کرتے دیکھا، گویا انکی زندگی کا اصل منشا آپ کے سامنے ہی پورا ہوگیا،

شاہ صاحب کے والد کی وفات

۲۰ محرم ۹۵۵ھ مین آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا، اس وقت آپ کی عمر ۴۸ سال کی تھی، اور اور تعلیم و تعلم کے سلسلہ کو بھی ۴۲ سال ہو چکے تھے، ان کے والد ماجد قاضی نصر اللہ صاحب نے بھی عمر طویل پائی وہ سلطان محمود اول بیگڑہ کے عہد وسط مین پیدا ہوئے، اور سلطان محمود ثالث کے عہد مین وفات پائی، عمر بھر خوشحال رہے، اور اکابر شہر مین معزز، اور معاصرین مین ممتاز، آپ کی وفات کا مادۂ تاریخ ہے "لہٗ جنات الفردوس نزلا"

۹۵۸

شاہ صاحب کی وفات

شاہ وجیہ الدین صاحب ۲۹ محرم ۹۹۸ھ بروز یکشنبہ صبح صادق کے وقت اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کو رخصت ہوے، اس وقت ان کی عمر (۸۸) برس کی تھی، ان کا مزار مدرسہ کے وسطِ صحن مین بنایا گیا، جو اس وقت تک زیارت گاہِ عام و خاص ہے، امراے اکبری مین سے ان کے معتقد "صادق خان" نے روضہ کی عمارت تیار کی، اور امراے جہانگیری مین سے فرید خان المخاطب مرتضیٰ خان بخاری نے اپنے عہدِ صوبہ داری گجرات (۱۰۱۴ھ - ۱۰۱۸ھ) مین مرقد کے اوپر چھتری تیار کی، جسپر سیپ کا کام نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے، اور مندرجۂ ذیل اشعار کندہ ہین

مرتضیٰ خان فرید دریا دل — فیض وافی و رحمتِ شامل
عرش برطرح کرد از ہمت — بر سرِ قبر مرشدِ کامل
محو دیدارِ حق وجیہ الدین — آں بموت و حیاتِ خود واصل
در بر شاہدِ ازل خفتہ — از شرابِ وصال لایعقل
ہست عین حضور آگاہی — غفلت اورا نمی کند غافل
کعبہ از درون چنان روشن — کہ جدارش نمی شود حائل

قبلۂ حاجت و مقام مراد — مبدأ فیضِ عارف و کامل
سالِ تاریخِ او ز غیب رسید — عرشِ اسلام قبلۂ مقبل
تا فلک باد، باد بانیِ این — تا جہاں باد، باد این منزل

"عرشِ اسلام قبلۂ مقبل" سے تاریخ نکلتی ہے، جو ۱۰۰۰ھ ہوتی ہے، میرے خیال مین کوئی حرف چھوٹ گیا ہے، جس کے سبب سے دس عدد کم ہوتے ہین، کیونکہ فرید خان کا عہد ۱۰۱۴ھ سے ۱۰۱۸ھ تک ہے اس لئے اس کی بنا ۱۰۱۰ھ غالباً ہوگی، ایک شبہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ ۱۰۰۰ھ ہی مین تیار کرایا ہو، لیکن اشعار سے خود اس کی تردید ہوتی ہے، ۱۰۰۰ھ عہدِ اکبری مین، اس وقت فرید خان کو امرائے اکبری مین کوئی امتیاز خاص نہ تھا، اور نہ اس وقت تک اس کو مرتضیٰ خان کا خطاب عطا ہوا تھا، ۱۰۱۴ھ مین جب اکبر نے وفات پائی اور جہانگیر تخت نشین ہوا، تو اس کو جہانگیر نے اس خطاب سے سرفراز کیا، اور گجرات کا گورنر بنا کر بھیجا، اور یہ اس وفاداری اور کارگذاری کا صلہ تھا، کہ جب جہانگیر اپنے باپ اکبر اعظم سے باغی ہو کر ادھر ادھر پھر رہا تھا، اور پھر امرائے دربار کے خوف سے اسی فرید خان کے گھر روپوش ہو گیا تھا، اسلئے فرید خان ۱۰۰۰ھ مین نہ گورنر تھا، نہ "مرتضیٰ خان"[1]،

جناب شاہ وجیہ الدین صاحب کی وفات کی تاریخ "لھم جنات الفردوس نزلاً" ایک شخص نے تحریر کی ہے، جس سے ۹۹۰ھ کی تاریخ نکلتی ہے، اس تاریخ مین دلچسپ بات یہ ہے کہ یہی تاریخ خفیف تغیر سے جناب شاہ صاحب کے والد کی وفات کی بھی ہے، یعنی "لہ" اور "لھم" کے فرق سے دونون کی الگ الگ تاریخین نکلتی ہین[2]، اس سے بھی زیادہ دلچسپ تاریخ آپ کے تلمیذ رشید مولانا عبد العزیز نے تحریر کی ہے،

[1] و شیخ بخطاب مرتضیٰ خانی سربلند یافت (آغاز جلوس اول ۱۰۱۴ھ اقبال نامہ جہانگیری صـ۱۷ م کلکتہ، و ہمدرین سال مرتضیٰ خان بہ صاحب صوبگی گجرات سرفرازی یافت، (کتابہ مذکور صـ۱۹)

[2] رسالہ حسن فراغی قلمی کتب خانہ پیر محمد شاہ،

جوان کی ذہانت اور فطانت کی بین شہادت ہے، چنانچہ آپ کی رحلت کی تاریخ "شیخ وجیہ دین" نکالی ہے، پھر "شیخ" سے سالِ ولادت اور "وجیہ" سے مدتِ تکمیل علوم وفنون، اور "شیخ وجیہ" سے آغازِ تعلیم وتعلم اور لفظ "دین" سے کل مدتِ تدریس وہدایت اور "وجیہ دین" سے کل مدتِ عمر نکلتی ہے[1]، اس کے علاوہ دوسرے لوگون نے بھی مختلف تاریخین کہی ہین مثلاً

علوی صاحب جمال بہشت، یہ بہشت مسکن وجیہ الدین، آخر الاولیا وجیہ الدین، وغیرہ وغیرہ، وفات کے بعد لوگون نے ان کے بہت مرثیے کہے، جو اردو، فارسی، عربی ہر زبان مین موجود ہین، مولنا ابراہیم دکنی کا عربی مرثیہ بہت پر درد اور پر اثر ہے، اس کے بعض اشعار یہ ہیں،

الی احمد اباد احن تشوقا — یحب الذی اھواہ قلبی تفاخرا

فذاک وجیہ الدین ذو الجاہ الذی — عراہ لطلاب الھدایۃ مقصد

وھادٍ الی نحو الرشاد مرشد[2]

مشہور شاعر ولی گجراتی نے بھی متعدد قصیدے اُن کی شان مین تحریر کئے ہین جنھین سے ایک بند مندرجۂ ذیل ہے

اے تو ہے آفتابِ عالم تاب — فیض تیرے سے جگ ہے مقصد یاب

دل تیرا کانِ علم و بحرِ عمل، — ہر معانی ہے اس مین درِ خوش آب

روئے انور کی تیرے دیکھ ضیا — رشک سے آفتاب ہے بے تاب

متفق ہو کے عاقلان نے کہا — دل کو تیرے جگت مین لبِ لباب

فکر تیری ہے آب دانش و ہوش — ہر گلِ عقل تجھ سے ہے سیراب

اے تو مجموعۂ فراستِ تام — دل تیرا مطلبِ ہزار کتاب

تا قیامت گریز پا نہ رہے — تجھ محبت کی آگ سے سیماب

مانگتے ہین مدد سے تجھ شہ کی — روز و شب چند رستم و دارا ب

---

[1] خلاصۃ الوجیہ قلمی صد ۲ [2] رشاد شرح ارشاد آپ کی تصنیف ہے، بطور تلمیح اس کا ذکر ہے،

اس زمانے مین بے گمان بے شک تجھ مین ہے سب طریقۂ اصحاب

اے امام جمیع اہل یقین

قبلۂ راستان وجیہ الدین

سیاسی امور جناب شاہ صاحب کی ۸۸ برس کی عمر مین وفات ہوئی، اور اس عمر مین دس گیارہ بادشاہون کا عہد پایا، سات برس کی عمر تھی جب سلطان محمود بیگڑے نے وفات پائی، زمانہ کی ۲۲ بہارین جب آپ نے دیکھین تو سلطان مظفر دوم چل بسا، اور اسی سال سکندر گجراتی مقتول اور محمود دوم معزول ہوا، ۲۳ سال کی عمر مین سلطان بہادر گجراتی کو سمندر مین ڈوبتے ہوے دیکھا، دہلی کے ہمایون بادشاہ اور سلطان محمد فاروقی (خاندیس) کی چند روزہ بہار بھی آپ کی نظرون سے گذری، ۵۱ سال کے دور مین سلطان محمود ثالث کو زہر سے پیٹھی نیند سوتے ہوئے دیکھا، جب آپ نے عمر کی ۵۸ منزلین طے کین تو سلطان احمد ثانی کو سابرمتی کے کنارے مردہ پڑا پایا، دنیاے فانی کی خزان ستر موسم گذرنے پر سلطان مظفر سوم ایک قیدی کی حیثیت سے اکبر کے دربار مین کھڑا نظر آیا، اور اس صدی کے اختتام پر اکبر کے جاہ و جلال کا بھی نظارہ کیا، آپ نے اس علم و فضل اور کثیر مقلدین و مریدین کے باوجود کبھی کسی سیاسی کام مین دخل نہین دیا، اور نہ حکام اور عمال سے ملنے کی کوشش کی، آپ کے آخری عمر مین اسقدر جلد جلد سیاسی انقلابات برپا ہوے اور انسانی خون کو جس طرح بیدریغ بہتے ہوے ملاحظہ فرمایا، قدرتی طور پر آپ اس سے بے حد متاثر ہوئے ہونگے، اور دنیا کی اس بے ثباتی نے تصوف مین جو رنگ آمیزی کی ہوگی اس کا اندازہ وہی کرسکتا ہے جو اس بادۂ عرفان کا جرعہ کش ہو، تاہم ظاہر بینون کے لیے شرح کلید مخازن، اور شرح جام جہانما ایک ایسا مصفا آئینہ ہے جس مین اسکی جھلک بآسانی دیکھی جاسکتی ہے،

اخلاق و عادات اخلاق کے لحاظ سے بھی آپ کی ذات اپنے ہمعصرون سے بہت ارفع تھی، تقوی آپ کا خاص شعار تھا، اور شبہ امور سے پرہیز کرنا گویا آپ کی فطرت تھی، آپ احتیاط کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہین دیتے تھے، چاہے کسی قدر بھی تکلیف اٹھانی پڑے،

تقوی | اسی سبب سے آپ اپنی غذا خود محنت سے حاصل کرتے، اور اپنے والد ماجد کے یہان کھانے سے احتیاط رکھتے تھے، عرصہ کے بعد آپ کے والد ین کو اس معاملہ کی خبر ہوئی، اور والد کے استفسار پر آپ نے عرض کیا کہ آپ قاضی ہین، اور بہت ممکن ہے کہ ملازمین آپ کے لین دین مین شبہ امور کا خیال نہ کرتے ہون، قاضی صاحب نے کہا کہ مین ہمیشہ تقوی کیساتھ زندگی بسر کرتا ہون، اور ہر معاملہ مین کمال احتیاط رکھتا ہون، اور غالبًا اسی کا صلہ ہے کہ تمھارا جیسا نور عین خدا نے مجھے عنایت فرمایا، جو میرے ہی طرح کمال محتاط ہے،

حق گوئی | آپ مین حقگوئی کا مادہ بھی بہت تھا، اور کبھی کبھی اس کے سبب سے بڑے بڑے خطرہ مین مبتلا ہو جاتے تھا، اکثر اوقات لوگ اپنی امانتین آپ کے پاس رکھ جاتے اور بوقت ضرورت لیجاتے، اس طرح آپ کے مکان مین قیمتی امانتون کا خزانہ جمع ہو گیا تھا، ۹۸۱ھ مین ایک عجیب واقعہ ظہور پذیر ہوا، اس محلہ مین ایک مفلس مغل رہتا تھا جس کی ملاقات اسی خانوادہ کی کسی خادمہ سے تھی، ایک دن اس خادمہ نے اس راز سے آگاہ کر دیا، اس مغل نے کوتوال شہر کو اس شرط پر بتانے کا وعدہ کیا کہ اس مین سے کوئی حصہ اس کا بھی مقرر کیا جائے، کوتوال شہر نے اپنے فوقدار (نائب) میر علاء الدین کو تحقیقات کے لیے بھیجا، جس نے مکان سے قیمتی موتی، بہترین جواہرات، مرصع زیورات اور بے شمار سونے کے سکے برآمد کئے، واپسی کے وقت جناب شاہ صاحب کو اپنے گھوڑے کے آگے پیدل دیوان تک لایا، اور گھوڑے کے تیز چلنے سے آپ کو بھی بہ تکلف تیزی سے قدم بڑھانے پڑتے، عوام اور خواص نے آپ کی اس تکلیف کو محسوس کیا، دیوان مین بڑے بڑے امرا موجود تھے، جن کو مطلق اس واقعہ کی اطلاع نہ تھی، چنانچہ جب مجلس کے کنارے جناب شاہ صاحب پہونچے تو سید میران بخاری، میرزا مقیم، سید جیو عبد الرحمن، اور شاہ ابو تراب شیرازی وغیرہ تعظیمًا سب کھڑے ہو گئے اور ان کو دیکھکر تمام امرائے مغل نے بھی تقلید کی، سید میران بخاری نے جو شاہ صاحب کو اس حال مین دیکھا، تو غیرت سے عرق عرق ہو گئے، پھر جو اصل حقیقت معلوم ہوئی تو غصہ سے شیر کی طرح بپھر پڑے، غصہ سے چہرہ کا رنگ اس قدر متغیر تھا کہ لوگون نے محسوس کیا، جب جناب شاہ صاحب سے حاکم نے سوالات کرنے کا ارادہ کیا تو سید مذکور آپ کے بغل مین آکر بیٹھ رہے، تاکہ بوقت ضرورت ہر طرح کی مدد کر سکین، ان حالات کو دیکھکر

حاکم نے بھی صرف ایک سوال پر اکتفا کیا کہ منادی نے شہر بھر مین جو ڈھنڈورا پیٹا، کیا اس کی خبر آپ کو نہین ملی" مطلب یہ تھا کہ سرکار کے طرف سے عام طور پر مشتہر کر دیا گیا تھا کہ کوئی باغی کو پناہ نہ دے اور نہ اس کی مدد کرے، اور نہ اس کا مال و اسباب اپنے پاس رکھے، بلکہ اس قسم کا تمام مال سرکاری خزانہ مین داخل کرے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اول تو مجھکو اس کا علم نہین ہے، اس کے علاوہ شریعت مین یہ جائز نہین ہے کہ امانت کو ظاہر کر کے ضائع کیا جائے"۔ حاکم نے اس جواب کے بعد آپ کو رخصت کر دیا، سید حامد بخاری اپنی خاص سواری پر آپکے ساتھ مسجد تک تشریف لائے اور کچھ دیر بیٹھ کر آپ کو تسلی و تشفی دیتے رہے، اور پھر رخصت ہو کر واپس گئے، جناب شاہ صاحب کا قلب اس ناگوار واقعہ سے کئی دن تک مضطرب رہا، اور درس ملتوی کر دیا[1]، حالانکہ تدریس کا کام عمر بھر مین کبھی ناغہ نہین ہوا تھا۔

مصنف ظفر الوالہ اس واقعہ کے بعد لکھتا ہے کہ ایک نیک بخت آدمی سے کسی نے کہا کہ تمہارا لڑکا گر گیا، یہ سن کر اس نے بڑا واویلا مچایا، لوگون نے اس کی تسلی کیلئے کہا کہ وہ بہت اونچے سے نہین گرا ہے، تب اس نے کہا کہ اگر وہ بہت اونچے سے بھی گرتا تو مجھے اتنی پرواہ نہین ہے، مین تو سمجھا کہ کسی اہل اللہ کی نظر سے گر گیا، یہی حال اس واقعہ مین ہوا کہ وزیر میر علاء الدین کچھ ہی دنون کے بعد اسی حاکم کے ہاتھ سے رسی سے بندھوا کر مارا گیا، اور وارثون کی فریاد پر خود حاکم قصاص مین قتل ہوا، اور مرزا عزیز کوکلتاش ملقب بہ خان اعظم جو اس صوبہ کا حاکم اعلیٰ تھا معتوب سلطانی ہو کر ایک باغ مین گوشہ نشین ہوا،

اسی طرح جب ۹۷۵ھ مین چنگیز خان (جو عماد الملک کا لڑکا تھا، اور عماد الملک امرائے محمودی مین سے تھا) نے محرم کی رسم بخلاف سلاطین ماضیہ کے سرکاری طور پر منائی، اور ہر قسم کی بدعتین جاری کین، اور سیاہ ماتی لباس تذیب تن کر کے سر و پا برہنہ تعزیہ کے ساتھ بازارون مین گشت لگایا، تو باوجود اس کے کہ تمام سادات، علماء اور امرا نے اس کو سخت ناپسند کیا، اور عوام نے اس کو بہت ہی برا سمجھا، مگر کسی کی ہمت نہ پڑی کہ اس کے خلاف زبان کھولے، جناب شاہ صاحب ہی وہ شخص تھے جنھون نے عوام و خواص کی ترجمانی کر کے صدائے احتجاج بلند کی، اور چونکہ

[1] ظفر الوالہ مظفر والہ ج ۲ ص ۶۰۵ م لندن،

اس وقت احمد آباد مین سوائے الغ خان کے کوئی امیر با اثر نہ تھا، اس لیے الغ خان کے پاس آدمی بھیجکر اس کی شکایت کی، چنانچہ دوسرے ہی مہینہ چنگیز خان کا کام تمام کردیا گیا[1]،

رحم | جناب شاہ صاحب بڑے رحم دل تھے، جب کبھی ایسا واقعہ پیش آتا جہان آپ کچھ کرسکتے تو ہرگز دریغ نہ فرماتے ایک دفعہ اتفاقاً ایک جگہ سے گذرے، دیکھا ایک قیدی کو قتل کے لیے لیجا رہے ہین، اس نے آپ سے رہائی کے لئے التجا کی اور اسکی حالت کو ملاحظہ کرکے آپ نے لوگون سے تحقیقات کرائی معلوم ہوا کہ واقعی یہ شخص بے گناہ ہے، اور دراصل مجرم کوئی دوسرا ہے، چنانچہ آپ نے فوراً بادشاہ وقت سے سفارش کی اور بادشاہ نے یہ کہکر فوراً رہائی کا حکم صادر فرمایا کہ یہ شخص تو بے گناہ ہے، اس کو تو رہا ہونا ہی چاہئے، لیکن اگر آپ مجرم کی سفارش فرماتے، تو بھی مین رہا کردیتا،

مظلوم کی دادرسی | چونکہ آپ فطرۃً رحمدل واقع ہوئے تھے، اس لیے جب کوئی مظلوم نظر سے گذرتا اور آپ اسکی مدد فرما سکتے ہون تو کبھی دریغ نہ فرماتے، اور حتی الامکان اس کے ساتھ سلوک کرنے اور اسکی حاجت روائی مین سعی بلیغ فرماتے، ایک مرتبہ کچھ غریب عورتین آپ کے پاس حاضر ہوئین اور فریاد کی کہ میرے کچے مکانات حکام گرا دینا چاہتے ہین، ہم غریب پکے عالیشان مکانات کیونکر تعمیر کرین، آپ نے تمام حالات سنکر ایک خط بادشاہ وقت کو لکھا، جس کو دیکھ کر بادشاہ نے ان مکانات کو شاہی خرچ سے پختہ تعمیر کرا دیا، اسی طرح جب چنگیز خان نے طوائف الملوکی سے فائدہ اٹھاکر ۹۷۴ھ مین احمد آباد پر قبضہ کرلیا اور دولت و سلطنت سے محظور ہوکر حرم سلطانی پر دست درازی کرنی چاہی، اور بیگمات نے حضرت شاہ صاحب سے فریاد کی تو چونکہ اس وقت کوئی کسی کی سنتا نہ تھا، اور ہر امیر کوس لمن الملک بجا رہا تھا، اس لئے دفع ظلم کے واسطے بادشاہ حقیقی سے دعا فرمائی جو فوراً مستجاب ہوئی، چنگیز خان چندہی دنون کے بعد مارا گیا، اور مظلومون نے نجات پائی،

سلاطین کی عقیدت | اس خانوادہ سے سلاطین اور امرا کو ہمیشہ سے عقیدت رہی، سلطان محمود بیگڑہ نے آپکے والد ماجد کو چانپانیر کا قاضی بنایا، اور اس کے لڑکے سلطان مظفر حلیم نے محض فرط عقیدت کے باعث چانپانیر سے

[1] مظفر الوالہ بمظفر والہ جلد ۲ صـ ۵۱۲ م لندن،

ساتھ لاکر اپنے محل شاہی کے پاس ہی قیام کرنے کو جگہ عنایت کی، اس کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۲۲ سال کی تھی اور طلب علم مین مصروف تھے، بہادر شاہ گجراتی نے بھی بارہا دعاے خیر کی التجا کی،

سلطان محمود ثالث متعدد مرتبہ حاضر خدمت ہوکر شرف قدمبوسی حاصل کرچکا تھا، اسکے حسن عقیدت کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ جناب شاہ صاحب نے چند مظلومہ کی فریادرسی کے بابت ایک خط سلطان محمود ثالث کو لکھا، اس نے تعمیل ارشاد کے بعد حکم دیا کہ "اس خط کو محفوظ رکھوا اور بوقت تدفین میرے سینے پر رکھا جائے، شاید یہی نجات کا باعث ہو"[1]

سلطان مظفر سوم جو گجرات کا آخری بادشاہ ہے متعدد بار حضرت شاہ صاحب کی خدمت مین حاضر ہوتا رہا، بلکہ بعض لوگون نے تو یہان تک لکھا ہے کہ تخت نشینی کے وقت اس کی کمر مین تلوار آپ ہی نے باندھی تھی[2]

اکبر بادشاہ جب گجرات آیا ہے تو باوجود اس کے کہ حاسدون نے آپ کی طرف سے بادشاہ موصوف کو بدظن کرنے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا، پھر بھی آپ سے ملنے کے بعد آپ کا بیحد احترام کیا، اور خصوصاً چند مذہبی سوالات کرنے پر جو شافی جواب اس کو دیا گیا، اس سے تو بہت ہی خوش ہوا، اکبر کے بعد جب جہانگیر تخت نشین ہوا، اور بغرض تفریح احمد آباد آیا، تو خصوصیت سے تین جگہ بغرض فاتحہ خوانی گیا، شاہ عالم صاحب کے مقبرہ پر، سر کھیج شیخ احمد کھٹو کے مزار پر، اور جناب سید شاہ وجیہ الدین صاحب کی درگاہ پر،

امرا دولت بھی ہمیشہ آپکے عقیدتمند رہے، الغ خان جو آخری تاجدار گجرات سلطان مظفر سوم کے امرا مین سے تھا، آپ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا، چنگیز خان کی ماں بھی آپ کی ارادتمند تھی، اکثر اوقات بیش قیمت چیزین آپ کے یہان امانت رکھوا دیتی تھی، اور وہ برسون آپ کے پاس رہتی تھین، اسی طرح شیر خان بن اعتماد خان گجراتی وزیر

[1] شاہ عباس صفوی ایران مین بڑے دبدبہ کا بادشاہ گذرا ہے، اس کے عہد مین ایران کے مجتہد اعظم جو بڑے متقی اور دربار سرکار سے الگ رہنے والے تھے، انھون نے بھی ایک دفعہ اسی طرح کسی مظلومہ کی فریادرسی کے لیے ایک خط تحریر فرمایا تھا، تعمیل ارشاد کے بعد شاہ موصوف نے بھی یہی حکم دے رکھا تھا، اور فخریہ طور پر شاہ مسکو خط کا عنوان دکھلاتا کہ مجھکو "برادرم" لکھا ہے، [2] مگر کسی تاریخ مین یہ واقعہ میری نظر سے نہین گذرا، بلکہ یہ کام سید مبارک ظاہری نے کیا ہوگا،

سلطان مظفر سوم کا بھی آپ پر بڑا اعتماد تھا، اور بارہا اس نے بھی بیش قیمت امانت آپ کے پاس رکھوائی، عہد اکبری مین خان اعظم، اور خانخانان مرزا عبدالرحیم آپ کا ادب کرتے تھے، بلکہ کہا جاتا ہے کہ خانخانان نے کچھ کتابین بھی آپسے پڑھین، اور آپ سے ترقی مراتب عالیہ کی لئے استدعا کی چنانچہ آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی، آپکی رحلت کے بعد امرا اکبری مین سے صادق خان نے جس کو آپ سے بڑی عقیدت تھی آپ کے مقبرہ کی عمارت بنوائی، عہد جہانگیری کا مشہور امیر شیخ فرید خان المخاطب بہ مرتضیٰ خان نے قبر کے اوپر کی چھتری تیار کرائی،

مسئلہ تکفیر | علما رکا دلپسند اور قدیم شغل تکفیر ہے، جناب شاہ صاحب کے عہد مین بھی اس شغل کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ بعض لوگون نے جناب سید محمد غوث گوالیاری کے متعلق بھی کفر کا فتوی شائع کیا، اور ایک خاص محضر نامہ آپ کے قتل کے لیے تیار کرکے بادشاہ کے سامنے پیش کیا، لیکن جناب شاہ صاحب نے نہ صرف یہ کہ اس پر دستخط نہین کئے بلکہ اس قسم کی تکفیر کی سخت مخالفت کی، اور اس مسئلہ پر مفصل ایک رسالہ تحریر فرمایا، چھوٹی تقطیع پر بیس صفحے کا قلمی رسالہ ہے، جس مین ابتدا فقہی کتابون سے مسئلہ تکفیر پر روشنی ڈالی ہے، پھر احادیث سے سند اسب کو مشرح بیان کیا ہے، آخر مین صوفیاے کرام کے احوال سے بحث کی ہے کہ حالت سکر مین جو کہہ جاتے ہین وہ قابل مواخذہ نہین ہوتا، اور اس کی متعدد مثالین دی ہین، پھر سید محمد غوث گوالیاری کی کتاب "اوراد غوثیہ" پر لوگون نے جو اعتراضات کئے تھے، ان کا جواب دیا ہے، اس کے علاوہ ہزارون فتوے آپکے قلم سے نکلے مگر کسی فتوی مین آپ نے اس طرف اشارہ نہین کیا، آپ کا ارشاد یہ تھا کہ کسی شخص مین سو باتون مین سے ایک بات بھی اسلام کی ہو تو اس کو مسلم سمجھو، اور کسی کلمہ گو اہل قبلہ کو کافر نہ کہو،

خوشامد | یہ بھی نظام طبعی کا ایک جزو ہے کہ جب کوئی شخص علو ہمتی سے بلند مرتبہ پر پہنچتا ہے تو کچھ لوگ اس کے مخالف اور کچھ خوشامد کرنے والے پیدا ہو جاتے ہین، جناب شاہ صاحب کے عہد مین بھی یہ دونون فرقے موجود تھے، مخالفون نے تو آپ کو اکبر اعظم کے دربار تک بہ حیثیت ایک مجرم کے بلوایا، اور خوشامد کرنے والون کی آنکھون نے

لہ مظفر الوالہ ج ۲ ص ۶۰۵ م لندن،

آپ کی ذات مین خداوند تعالیٰ کا جلوہ دیکھا، چنانچہ ایک صاحب تشریف لائے اور آپ سے مل کر برجستہ یہ شعر پڑھا

نمی دانم کہ این ذات وجیہ الحق والدین ست کہ یا ذاتِ خداوندِ تعالیٰ صورتِ این است

جناب شاہ صاحب نے اس سے فرمایا کہ "حال بدست آر، واین قال را بگذار" کاش آج کل کے صوفیا، مرشدین بھی اپنے مریدین کو اسی قسم کی تعلیم دیا کرین تو بے اعتدالی سے مسلمان اکثر اوقات محفوظ رہین،

شاعری | بہت کم لوگ ہونگے جن کو اس کی واقفیت ہوگی کہ جناب شاہ صاحب شاعر بھی تھے، "وجہی" تخلص کرتے تھے اور فارسی مین کہتے تھے، رنگ وہی صوفیانہ والہانہ ہے، کوئی دیوان تو اس وقت تک دستیاب نہین ہوا ہے لیکن متفرق بیاضون مین منتشر کلام ملتے ہین، چند شعر نمونہ کے لئے درج ذیل ہین،

کے بگرد ما رسد ہر صعوۂ شاہ باز عرش پروازیم ما
سرِ وحدت را زبانِ دیگر است با مسیح و خضر ہمرازیم ما

سر دہم در گریہ چشم اشکبار خویش را بر کنم از لختِ دل ہر دم کنار خویش را
دل اگر بیگانہ شد از بیوفا بر ما چہ جرم آدمی نشناسد ار پروردگار خویش را
تا رساند بر سر کوے تو گرد من نسیم در رہِ باد صبا ریزم غبارِ خویش را

اردو کلام | آپ کی بیشتر تصانیف تو عربی زبان مین ہین اور کمتر فارسی مین، عدالت اور شاہ وقت کی زبان فارسی ہونے کے باعث علما اور شرفا بھی فارسی ہی مین باتین کرتے تھے، چنانچہ شاہ صاحب کے اہل خاندان بھی اسی زبان کے پابند تھے، لیکن بوقتِ ضرورت ملکی زبان بھی استعمال کرتے تھے، جناب شاہ صاحب کے اس قسم کے کلمات بکثرت ملتے ہین، ایک موقعہ پر آپ نے فرمایا "کیا ہوا جو بھوکون موا، بھو کے موے سے کیا خدا کو امر یا پایا، خدا کے امرنے کی استعداد اور ہی ہے" ایک دفعہ ارشاد ہوا "مین کدھان (کہان) ریاضت کیتی" کسی نے کہا کہ دنیا دار کے مکان پر نہ جانا چاہئے تو آپ نے فرمایا، کاہے دنیا دار بھی آدمی ہین" ایک مرتبہ فرمایا، "طالب کشف نہ ہو،

اپنے کو کیا کشف ہو یا نہ ہو، یہ اس کا کام ہے، ہمارا کام تو مشغول رہنا ہے نہ کہ منتظر کشف"۔ ایک بار فرمایا "اس سے اور کیا خوب ہے کہ اس دنیا مین یہ دل خدا سے مشغول ہو"۔ کسی نے سوال کیا عارف کسے کہتے ہین، جواب دیا "جو خدا سے بھر پایا"۔ حق تعالیٰ کیطرف سے فرماتے ہین "کہ ہون (مین) حکیم ہون، عادل ہون، میرے علم مین یہی آیا کہ تم حاصی ہوگے کیا میرا علم سابق پھرے"۔ ریاضت کے متعلق ایک شخص کے جواب مین کہتے ہین کہ "تمھاری بلا ریاضت کرے تم کو اتنا کافی ہے کہ نیم شب بیدار رہو"۔ ایک شخص کشف کا طالب ہے اس کو ارشاد ہوتا ہے کہ "یا نفس کے مزہ کی خاطر کشف و کرامات چاہیے، واہ واہ خوب خدا کے طالب ہو"۔ (باقی)

سیر الصحابہ

جلد ششم

اس مین امیر معاویہؓ، حضرت امام حسنؓ، امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے حالات سوانح، اخلاق و فضائل اور اُن کے سیاسی مجاہدات و کارنامون اور اختلافات کی پوری تاریخ ہے،

ضخامت ۳۰۶ صفحے، قیمت :- ۴ ر

مہاجرین جلد اوّل

ابتدا مین ایک مقدمہ ہے جسمین قریش اور مہاجرین کے دوسرے قبائل کی زمانۂ قدیم سے لیکر فتح مکہ تک اجمالی تاریخ ہے، اور خلفاے راشدین کے علاوہ بقیہ حضرات عشرہ مبشرہ اور ۳۸ اکابر مہاجرین صحابہ کے حالات سوانح اور اوصاف و اخلاق و فضائل ہین، ضخامت ۴۲۹ صفحات قیمت :- للعمر "منیجر"

سعدی کا "سراے اغلمش"

از

سید سلیمان، ندوی

ایک مدت سے کاوش تھی کہ شیخ سعدی نے گلستان کے پہلے ہی باب مین جس اغلمش کا ذکر کیا ہے، اس سے کون سا بادشاہ مراد ہے، اور وہ کہان فرمانروا تھا، اور آیا یہ کوئی فرضی ہستی ہے یا کوئی تاریخی شخصیت ہے، اتفاق سے ہمارے مخلص کرمفرما اور فاضل صاحبِ قلم مولوی اعجاز حسن خانصاحب نے ان دنون شیخ سعدی پر جو دو مضمون معارف مین لکھے، تو اس نیک فال نے مدت کی کاوش و کاہش کو دل سے نکل جانے کا موقع دیا، اور "سراے اغلمش" کا سراغ پالیا،

شیخ سعدی نے گلستان کے پہلے باب مین ایک حکایت لکھی ہے،

"سرہنگ زادہ را دیدم بر درِ سراے اغلمش کہ عقل و کیاست و فہم و فراست زائد الوصف داشت، ہم از عہدِ خردی آثارِ بزرگی در ناصیۂ او پیدا،

بالاے سرش ز ہوشمندی می تافت ستارۂ بلندی،

فی الجملہ منظورِ نظرِ سلطان آمد کہ جمالِ صورت و حسنِ معنی داشت، خردمندان گفتہ اند تواںگری بہ دل است نہ بمال، بزرگی بعقل است نہ بسال، ابناے جنس بر منصبِ او حسد بردند و بخیانتی متہم کردند، و در کشتنِ او سعی بفائدہ نمودند، دشمن چہ کند چو مہربان باشند دوست، ملک پرسید کہ موجبِ خصومتِ ایشان

درحق تو چیست، گفت در سایۂ دولت خداوندی دام ملکہ، ہمگنان را راضی کردم مگر حسود ان کہ راضی نمی شوند الا بزوال نعمت من و بدولت خداوند کہ باقی باد، الخ

مشہور شاہی خاندان کے نامون کی فہرست مین اغلش کوئی نام نظر نہین آتا، اس لیے بعض صاحبون نے فرضی نام قرار دیا، بعض خوش فہم انگریز فاضلون نے اس کو التمش (سلطان دہلی) کے نام کی تحریف سمجھکر شیخ کے شمالی ہندوستان مین آنے کی داستان کھڑی کرلی ہے،

مولانا حالی حیات سعدی مین لکھتے ہین:-

"صاحب موصوف (سرگور اوسلی) یہ بھی لکھتے ہین کہ شیخ کو چار دفعہ ہندوستان آنے کا اتفاق ہوا ہے، ازانجملہ ایک دفعہ پٹھان اغلش کے وقت مین، اور دو دفعہ خاص امیر خسرو سے ملنے کو دہلی مین آیا ہے ہمارے نزدیک (یعنی مولانا حالی کے نزدیک) یہ مضمون بالکل بے سروپا ہے، اغلش کوئی بادشاہ ہندوستان مین نہین ہوا، شاید سلطان التمش کے دھوکے مین اغلش لکھا گیا، بیشک شیخ نے اغلش کا ذکر گلستان مین ایک جگہ کیا ہے جہان یہ لکھا ہے کہ "سر ہنگ زادۂ را بر در سرائے اغلش دیدم" مگر ہندوستان مین کوئی اغلش یا سرائے نہین سنی گئی، سعدی اور امیر خسرو کی ملاقات بھی ثابت نہین ہوتی"

(صہ ۲۹ مفید عام آگرہ)

ساتوین صدی کے آغاز مین سلجوقی سلطنت کا شیرازہ درہم برہم ہوچکا تھا، ملک کے اکثر حصون پر گوخوار زم شاہیون کا قبضہ تھا، مگر ایران اور حدود ایران سے لیکر بغداد تک مختلف امیرون اور بادشاہون کی سرداریان یا بادشاہیان تھین، جو اکثر اتابک کہلاتے تھے، جو پہلے سلجوقی امراء کا خطاب تھا، اور دراصل یہ سب ترکی غلام تھے جو تربیت پاکر اس منصب کو پہنچے تھے، ان اتابکون مین اتابکان شیراز زیادہ مشہور ہین جنکے نامون کو سعدی کی نسبت نے زندۂ جاوید بنا دیا ہے،

ہمدان و اصفہان و ری پر ایتمش نام ترکی غلام فرمانروا تھا، آذربائیجان پر ابوبکر بن پہلوان حکمران تھا، مکلی

نام ایک ترک غلام نے ۶۰۸ھ مین ایتغمش کے خلاف کامیاب بغاوت کی، ایتغمش بھاگ کر بغداد چلا گیا خلیفہ ناصر نے ۶۱۰ھ مین اسکو ہمدان کی حکومت پر نامزد کیا، ایتغمش نے ہمدان کا رخ کیا، راستہ مین اس کو منکلی کے دوستون نے قتل کر ڈالا خلیفہ کو اسکی یہ گستاخی سخت ناگوار ہوئی، اس نے آذربیجان کے بادشاہ اوزبک بن پہلوان، اور جلال الدین اسماعیلی حاکم الموت کو لکھا کہ خلیفہ کے لشکر کے ساتھ مل کر وہ منکلی کا خاتمہ کر دین، اور اس کا ملک تینون فاتحون پر تقسیم کر دیا جائے، منکلی نے شکست کھائی، اور اس کا ملک تقسیم ہوگیا، یہ واقعہ ۶۱۲ھ مین پیش آیا،

اغلش اوزبک بن پہلوان شاہ آذربائجان کے بھائی کا ایک لائق غلام اغلش نام تھا، جو سلطان علاء الدین محمد خوارزم شاہ کے پاس گیا تھا، وہ اسی وقت وہان سے واپس آیا تھا، اور اس لڑائی مین اس نے دلیرانہ حصہ لیا تھا، اس لیے اوزبک بن پہلوان نے اپنے اور خلیفہ کے مفتوحہ حصۂ مملکت پر اُس کو حکمران بنا دیا،

اغلش ۶۱۲ھ مین بادشاہ بنا، اسکی مملکت کے مقامات ہمدان و اصفہان و ری وغیرہ بلاد جبل تھے، اغلش نے سلطنت پاکر سلطان علاء الدین محمد بن تکش خوارزمشاہ کے نام کا خطبہ پڑھا، اور صرف دو برس حکومت کی، ۶۱۴ھ مین باطنیہ کے ہاتھ سے مارا گیا، سلطان نے خود براہ راست اس ملک پر قبضہ کر لینا چاہا، اور اُدھر سے شیخ سعدی کے بادشاہ اتابک سعد بن زنگی شاہ شیراز اسکو اپنے قبضہ مین کرنے کے لیے چلا، اور اسی کشمکش مین ناگاہ اتابک سعد اور سلطان خوارزمشاہ کی فوجون مین لڑائی ہوئی، اور اتابک نے گرفتار ہوکر رہائی پائی،

اس تفصیل کے بعد یہ واضح ہوگیا کہ اغلش اصفہان و ہمدان و ری کا بادشاہ تھا، اور دو برس حکومت کی، اس کا پایہ تخت غالباً ہمدان تھا، شیخ نے ۶۱۲ھ اور ۶۱۴ھ کے بیچ مین اثنائے سیاحت مین اغلش کے محل کے دروازہ پر اس سرہنگ زادہ کو دیکھا تھا، اور یہ بھی معلوم کہ سرائے اغلش کسی کاروانسرای یا مسافرخانہ کا نام تھا جیسا کہ مولنا حالی مرحوم کو شبہہ گذرا ہے،

"یا سرائے اغلش نہین سنی گئی" (حیات سعدی ص۲۵)

بلکہ اغلش بادشاہ اصفہان و ہمدان و ری کا خاص محل مراد ہے،

واقعات محولہ کے لیے کامل ابن اثیر مین سنین ۶۰۸ھ و ۶۱۰ھ و ۶۱۲ھ و ۶۱۴ھ ملاحظہ کیجیے،

تلخیص و تبصرہ

ہندوستان کا ایک نقش

ذیل کا مضمون علیا حضرت سلطانہ درشہوار بیگم شہزادہ ولی عہد بہادر مملکت آصفیہ نے گذشتہ سفر یورپ کے زمانہ میں بزبان انگریزی تحریر فرمایا اور سوئستان (سوئزرلینڈ) کے مشہور جریدہ داوسر ریویو میں چھپا تھا، علیا حضرت کی اجازت سے اس کا اردو ترجمہ رسالہ معارف کے واسطے حاصل کیا گیا ہے، کہ ہندوستان کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اس جلیل القدر ترک شاہزادی کے پاکیزہ مذاق اور افکار عالیہ سے آگہی کا موقع ملے، اور وہ یہ بھی اندازہ کرسکیں کہ اس عالی دماغ وعالی نژاد سلطانہ کو اپنے نئے وطن (ہندوستان) سے کس درجہ محبت اور دلچسپی پیدا ہوگئی ہے،

"سرزمین ہندوستان ہر شخص کی خیال آفرینی کو تحریک میں لے آتی ہے، اپنی اصلیت کے سوا وہ ہر حیثیت سے مشہور ہے، وہ مجسم داستان پریوں کی کہانی یا خواب ہے، جسے انسانی دماغ فرصت کے وقت بہتر سے بہتر بناتا رہتا ہے، وہ ایک ملک ہے، جسے مغربی تصور نے حیرت انگیز اور بے جان طلسم کی صورت بخشی ہے، اسکا وجود تو ہے مگر زندگی نہیں، لفظ ہندوستان میں آہنگ ہے مگر معنویت نہیں، سرسبزی ہے مگر گہرائی نہیں، اوسے چند خصوصیتیں ضرور حاصل ہیں، وہاں گاندھی نے جنم لیا، وہاں سانپ رہتے ہیں، شیروں کا شکار ہوتا ہے، اور زیور پہنے ہوئے راجاؤں کو ہاتھی لئے لیے پھرتے ہیں،

لیکن حقیقت یہ نہیں ہے، ہندوستان کے بارے میں اس طلسم کو توڑنے سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ اوسکی خوبیاں نظر انداز ہوجائیں میں چاہتی ہوں کہ ان افسانوں سے الگ کرکے اوسکی اصل تصویر دکھادوں،

ہندوستان محض نام نہیں بلکہ زندگی بھی رکھتا ہے، اسمین رنگینی ہے، شاعری ہے، اور شاندار پر بہار لاتخیل ماضی ہے، جو صرف مشرقی ممالک ہی اپنے اندر رکھ سکتے ہین، یہان گذشتہ زمانے کی نشانیان نہین مٹتین، نہ ان مین تبدیلی ہوتی ہے، یورپ مین قدیم عمارات ایک خاص عہد کی بنائی ہوئی ہوتی ہین لیکن مشرق مین اس قسم کے نمونے گویا بنانے والون کی زندگی کا جزو لاینفک ہوجاتے ہین، اور اون مین اس آدمی کا کردار عزم، قوت، زندگی سلیقہ، نفاست پسندی اور بطون تک نظر آجاتا ہے جس نے ان کو بنایا ہے، مذہبی عمارتون خصوصًا مندرون کو چھوڑکر (جن کی قدر و قیمت بلحاظ فن معماری کچھ کم نہین) وہ نہ صرف ایک عہد کو بتاتی ہین، بلکہ اپنے بنانے والے کی یاد کو بھی قایم رکھتی ہین مشہور و معروف تاج محل کو دیکھنے سے عام مسافر کو ایک بڑے آدمی کی محبت اور عالی ہمتی کا اندازہ ہوتا ہے لیکن ایک صاحب نظر کے آگے بنانے والے کے اندرونی خیالات تک افشا ہوجاتے ہین، روضے کا ناقابل بیان سکون اور عظمت کی شان سلاطین گذشتہ کی فانی زندگی کو ایک حد تک ضرور لافانی بنا دیتی ہے، ایک دن ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ روضہ اونکی نظر مین نہین جچا اور اونھین شکایت تھی کہ اسمین جذبات زیادہ بھرے ہین لیکن ایسی چیز مین جذبات کی انتہا کیونکر ہوسکتی ہے جو ایک محبت صادق کی یادگار ہو؟

قلعۂ دہلی اور اسی طرح قلعۂ آگرہ بھی معماری کا نفیس ترین نمونہ ہین اور اون کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ وہ فن تعمیر کے عجائبات سے ہین، یہ نیم رہانی آثار ہین، کہ نگاہ سے بڑھ کر دلون کو اپنی طرف کھینچتے ہین، اون مین کوئی ایسی پُرامن پسندیدہ اور ناقابل بیان چیز ہے، جو ہر دیکھنے والے مین اختلاف ذوق کے باوجود وجد پیدا کردیتی ہے، دیوان خاص کی مشرقی وضع کی کمانون سے خاموش فوارون اور بیلے والان سے جس کے دریچے مین پھول بکھرے ہوئے ہین، اگرچہ ان کا رنگ اڑ گیا ہے، ایک عظمت کی شان پیدا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب سے بڑے تاجدار شاہجہان کے حضور مین باریاب ہین، اور اوس کا عہد حکومت خاموشی کے ساتھ ہماری آنکھون کے سامنے سے گذر رہا ہے،

یورپ کے آثار قدیمہ کے برخلاف ایشیائی عمارتین آرایش و تجمل کے مٹ جانیکے بعد بھی ایسی ویران و سوگوار نہین ہوجاتین، جیسا کہ مثلاً قصر وارسٹی ہے، کہ اوسے دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہون کا یہ باعظمت و وقار محل بہت پیشتر اپنے عروج کی منزل طے کرچکا، اور اگرچہ فوارے اب بھی اپنا راگ الاپ رہے ہین اور گذشتہ زمانے کا منہ

چڑا رہے ہین لیکن وہ زمانہ نسیا منسیا ہو چکا ہین نے مشرق مین ایسی حالت نہین دیکھی، گو عمارتین خاموش کھڑی ہین، لیکن یہ خاموشی ایک چیستان ہے موت نہین ہے، جب مین قلعۂ دہلی مین داخل ہوئی، تو مجھے محسوس ہوا کہ مین بالکل ایک دوسری دنیا مین آگئی ہون، باغ بہت عمدہ حالت مین رکھا گیا ہے جس طرح سابق مین ہوگا، اور دیوان خاص مین (جس کا ذکر ابھی کیا) آنے سے پہلے ایک چھوٹی مسجد ملتی ہے، جسے موتی مسجد کہتے ہین، یہ مسجد اردگرد کی روئیدگی مین فی الواقع ایک گوہر درخشان ہے، اور اوس کے اندر اس مذہب کی پاکیزگی اور امن کا جلوہ نظر آتا ہے جس سے اس کا تعلق ہے،

یہ اور اسی قسم کی کئی عمارتین ایسی ہین کہ ہر ایک کے لئے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے، الورہ اور احمد نگر کے غار جو حیدرآباد سے قریب ہین، نہ صرف معماری بلکہ نقاشی کے لحاظ سے قدیم زمانے کی نایاب یادگار ہین، جنکو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے، اسی طرح گولکنڈہ کے شاہی گنبد، بیجاپور کی جامع مسجد اور ابراہیم روضہ سہسرام مین شیر شاہ کا مقبرہ، دہلی کی جامع مسجد، لکھنو کا بڑا امام باڑہ، گوالیار مین محمد غوث کا مقبرہ، فتح پور سیکری مین اکبر اور عیسیٰ خان کے مقبرے اچھا، اسیر، جے پور کے شاہی محل، اجمیر کی مسجد، حیدرآباد کی جامع مسجد، سری رنگاپٹم کی علا مسجد، لاہور مین جہانگیر کا مقبرہ، رامیشورم اور مدورہ کے بڑے مندر، سری رنگم مین جمبوکیشورہ کا دیول، قلعہ گوالیار اور چتور گڑھ کا سر بلند منار، کوہ آبو، کانچی ناتھ مندر، پٹنہ مین جینیون کا مندر، لکھنو کا سنہری گردوارہ وغیرہ وغیرہ نایاب عمارتین ہین، گویا صرف جواہرات یاقوت الماس، موتی ہی ہندوستان کی دولت نہین، بلکہ فن معماری سے متعلق اشکال، خاکے اور خطوط کے بے بہا خزانے بھی یہان بکھرے پڑے ہین،

ہندوستان کی ایک اور حیرت انگیز زندہ یادگار اس کا رنگ ہے، ہندوستان کی بیٹیان اس فن مین فطری دستگاہ رکھتی ہین، بازارین، گاؤن مین، باولی پر وہ مختلف رنگون مین نظر آتی ہین، اون کے سرخی مائل جسم پر شوخ مارنجی یا ہلکا گلابی یا گہرے سرخ رنگ کا جوڑا ہوتا ہے، کسی قدر دور کیون نہ ہون وہ پہچان لیجاتی ہین، پہلے اس بھڑکیلے رنگ پر نگاہ پڑتی ہے، اور پھر ہین ٹھٹھک کے رہجاتی ہے، لپٹے ہوئے کپڑے مین سے جو اکثر بھٹا اور پیوند لگا ہوا ہوتا ہے وہ کاسے کے رنگ مین پاؤن دکھائی دیتے ہین، اون کی ہر حرکت مین ایک فطری موسیقی پوشیدہ ہے، سر پر جس کے

پیچھے سیاہ بالون کا جوڑا بندھا ہوتا ہے، پانی کا برتن رہتا ہے، اسکو وہ ایک ہاتھ سے تھامتی ہے، اور دوسرا ہاتھ برابر وقفے سے حرکت کرتا ہے، اس عورت مین جو باوجود غیر تعلیم یافتہ ہونیکے رنگ شناسی کے فن مین خداداد مہارت رکھتی ہے سب سے حیرت انگیز چیز اوسکی چال ہے، وہ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کی کیون نہ ہو اوسکی رفتار شاہانہ ہوتی ہے، اس کی یہ باقاعدہ رفتار اوس کی دوسری اقوام کی بہنون کو متحیر کرتی ہے، اسمین ناقابل بیان خوبصورتی اور بے پایان توازن اور غرور نظر آتا ہے،

اس غرور کا تجزیہ نہین کیا جا سکتا، اور چونکہ اس مین تصنع کا شائبہ نہین اس لئے یہ نہین معلوم ہو سکتا، کہ اوسکی بنا کیا ہے، البتہ خوبصورتی اور توازن کی وجہ ان کی موسیقی سے محبت ہے، یہ محبت آواز کی فریفتگی سے نہین، جو صرف کانون کو بھی معلوم ہوتی ہے، بلکہ یہ اس قوم کی ذاتی اور امتیازی صفت ہے جو یہان کے جاہل سے جاہل مین بھی بدرجۂ اتم موجود ہے، اس مین اور یورپ کی موسیقی مین کوئی مناسبت نہین، جن کے کان یورپ کی موسیقی سے آشنا ہون، اون کے سامنے اسکی تعریف یون کیجا سکتی ہے، کہ وہ ایک طویل راگ ہے، یہ راگ پہلے پہل تو ایک ہی طرز کا معلوم ہوتا ہے جو اجنبی سامع کو ناگوار گذرتا ہے، لیکن کچھ مدت کے بعد وہ اپنے سحر سے تسخیر کرتا اور سننے والے کو کیف مست بنا دیتا ہے، اور پھر وہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ راگ پوشیدہ اور مخفی طور پر قوم کی تصویر کھینچ رہا ہے، اسکی یکسان سامعہ نوازی ایک ایسی سرزمین کو ظاہر کرتی ہے جس سے مغربی اقوام نابلد ہین، ماضی وحال کے بہترین لکھنے والون کی شاعری کا سرمایہ پاٹ دار برمانے والی آواز اور بعض اوقات بول، یہ تمام چیزین ان لوگون کی حالت بیان کرتی ہین، جو اگرچہ مذہب، فرقے، اور رسم ورواج کے لحاظ سے مختلف ہین لیکن یہی موسیقی اور وہ زمین جو اون کا مرزبوم ہے، اونھین آپس مین متحد کئے ہوئے ہین، یہ موسیقی گو سمجھ مین نہ آئے، اپنا اثر کئے بغیر نہین رہ سکتی، الفاظ مین ہر شاعر کا اپنا فلسفہ اور طریقۂ بیان الگ ہے لیکن سب کے لب ولہجہ مین گہرا تصوف مضمر ہے، جو وضاحت سے بالاتر ہے،

یہ مبالغہ نہ ہوگا اگر مین کہون کہ ملک ہندوستان قدیم وجدید حقیقت اور افسانہ عظمت رفتہ اور جدید ترقی کا سنگم ہے، میرے اس مختصر بیان سے ناظرین کے ذہن مین صرف جگمگاہٹ، رنگ، حیرت انگیز عمارات اور

شاندار ماضی کا (جس کی دلکشی ہنوز باقی ہے) تصور قایم ہوگا لیکن اس مین شک نہین کہ ایک چیز اس ملک اور اوراس کے مذکورۂ بالا تصور سے الگ بھی ہے اور وہ جدید ترقی ہے بغیر دیکھے یہ سمجھ مین نہین آتا کہ کس قدر نئی ایجادات واختراعات سے اس ملک نے استفادہ کیا، اور کس حد تک اس ملک کے باشندون نے انھین قبول کرلیا ہے، بڑے شہرون مین بہترین جدید سڑکین، عمارتین، مکانات، دوکانین آئین وعادات نظر آئین گے، اوراون کے ساتھ ساتھ رنگ، بھڑک، اور نظر فریبی بھی جو ایک مشرقی ملک کا حصہ ہی، مدارس، دواخانے اور دارالیتامی بھی موجود ہین حیدرآباد کا محبوبیہ گرلس اسکول اپنی قسم کا بہترین مدرسہ ہے، جسے دیکھ کر تعجب ہوتا ہے، کہ ملک مین اس قدر سختی سے پردہ ہونے کے باوجود یہ کس طرح قایم ہے، ہندوستان کا ایک بڑا دارالیتامی بھی حیدرآباد مین ہے، جو نہایت خوش اسلوبی اور انتظام کے ساتھ چلایا جارہا ہے،

اسی طرح اور بہت سے امور ہین لیکن مین یہان صرف اس قدر اضافہ کرکے اپنے مضمون کو ختم کرتی ہون کہ مجھے اپنے ملک پر ناز ہے، جو یقیناً تنوع کے وصف سے مالا مال ہی، اگر زمانے کی تیز رفتار ترقی سے طبیعت گھبرا جائے تو دماغ کو آرام دینے کے لئے عہد رفتہ کے آثار موجود ہین، مین نے ابھی تو اس طلسمات مین قدم رکھا ہی، اور یہ کہا نہین جاسکتا کہ اوس کے اسرار کو حل کرنے کے لئے مجھے کتنی عمر صرف کرنی ہوگی،

"اسکول اوف عربک اسٹڈیز" میڈرڈ

معارف بابت دسمبر کے شذرات مین ہسپانیہ کی جدید جمہوری حکومت اور اسلامی معاملات کے بارے مین اوسکی ہمدردانہ توجہ کا ذکر کرتے ہوئے اسلامی علوم وفنون کی جس درسگاہ کے قیام کی تجویز کا تذکرہ آیا ہے، اس کے متعلق ناظرین معارف کے لئے یہ معلوم ہونا باعث دلچسپی ہوگا کہ وہ اکتوبر گذشتہ سے جاری ہوچکی ہی،

پروفیسر بلنسیہ (Palencia) کے ایک تازہ مکتوب سے معلوم ہوا کہ میڈرڈ مین ایک اسکول اوف عربک سٹڈیز (Escuela de Estudios Arabes) قائم ہوا ہی جس کے

نگران اور مدیر اعلیٰ دہان کے مشہور پروفیسر آسین (Asin) مقرر ہوئے ہین، درس و مطالعہ کا کام فی الحال حسب ذیل چھ شعبون مین تقسیم ہوا ہے، ہر شعبہ ایک مخصوص علم کی نگرانی مین دیا گیا ہے، کام اکتوبر ۱۹۳۲ء سے شروع ہو چکا ہے،

شعبۂ اوّل	(1st Section)
فلسفہ، مذہب، اور دیگر علوم کی تاریخ، زیر نگرانی پروفیسر آسین،	History of Ideas and Sciences, under the direction of Prof. Asin
شعبۂ دوم	(2nd Section)
سیاسی تاریخ، پروفیسر الارکون	Political History Prof. Alarcon
شعبۂ سوم	(3rd Section)
اسلامی قانون اور نظامات (پروفیسر لنارس)	Islamic Law and Institutions, Prof. Linares
شعبۂ چہارم	(4th Section)
علم اللسان اور ادبیات (پروفیسر پلنسیہ)	Philology and Literature Prof. Palencia
شعبۂ پنجم	(5th Section)
علم الآثار العربیہ (پروفیسر ریائو ویس)	Arabic Archaeology (Prof. Rielo Viver)
شعبۂ ششم	(6th Section)
مراکش کی زبانون، اور دیگر معاملات کی تحقیق، (روئز اور سائی)	Moroccan Studies of Dialectology Ruiz Orsatti

اسکول کے نام اور کام سے ظاہر ہے، کہ پیرس، برلن، اور لندن کے مشرقی سکولون کے برعکس

میڈرڈ کا اسکول محض اسلامی عربی علوم و فنون کے مطالعہ کے لئے مخصوص ہوگا، ہمیں اس لحاظ سے مسرت ہے کہ شاید اس طریق سے بھی مرحوم اندلس کے کچھ آثار ہماری دیدہ افروزی کے لئے زندہ ہوسکیں،

اسکول کا پتہ یہ ہے،:-

Escula de Studios Arabes
Calle de S. Vicente, no 60
Madrid (Spain)

عنایت اللہ

گورنمنٹ کالج جھنگ (پنجاب)

خلفائے راشدینؓ

سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم کا حصہ اول، یہ چاروں خلفاء کے ذاتی حالات فضائل، اور مذہبی و سیاسی کارناموں اور فتوحات کا آئینہ ہے،

حجم ۳۸۷ صفحے قیمت ہے

سیرت عائشہؓ

(طبع دوم) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات زندگی اور اون کے مناقب و فضائل و اخلاق اور اون کے علمی کارنامے، اور اون کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر اون کے احسانات، اسلام کے متعلق اون کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ ضخامت ۳۵۰ صفحے قیمت ہے

"مینیجر دارالمصنفین"

ادبیات

معراج المومنین

از حکیم الشعراء امجد حیدرآبادی

معارف کا شیوہ نہین کہ شاعرون کو خطابات بانٹے، لیکن حضرت امجد کی نوبہ نو حکمت آموز شاعری نے اس کو اعترافِ فضل پر مجبور کیا ہے اور لفظ "حکیم الشعراء" سے واقعہ کا اظہار کیا ہے۔

ذیل کی نظم رمضان کی سحری ہے یا نالۂ سحری لفظ و معنی دونون کی لذت اسی سحری مین موجود ہے:

("اڈیٹر")

یحسرۃً علی العباد

پایا نہ حیات کا ثمر اک دن بھی — ہم کو نہ ہوا خدا کا ڈر، اک دن بھی
کیا حق ہے زمین پہ پاؤن رکھنے کا ہمین — رکھا نہین جب سجدے مین سر اک دن بھی

خطراتٌ فی الصلوٰۃ

فطرت ہر چیز کی طرف مڑتی ہے — ٹوٹی ہوئی شاخ از سرِ نو جڑتی ہے
ہوتا ہے نماز مین ہجومِ خطرات — گھر جھاڑتے وقت، خاک بھی اڑتی ہے

دلبر کے لیے ادائے ناز اچھی ہے — عاشق کے لیے رسمِ نیاز اچھی ہے

موقع ہے یہی تو اک قدم لینے کا ہر ایک عبادت سے نماز اچھی ہے
تخلیق کا راز، عبدیت مین ڈھونڈو نازِ اپنا نیاز کی صفت مین ڈھونڈو
اسرارِ عبودیت کا مظہر ہے نماز آئینۂ اسلام کا جوہر ہے نماز
اسلام ہے گر لفظ تو معنی ہے نماز ہان قربتِ مولا کا وسیلہ ہے نماز

پیراہنِ کبر چاک ہو جاتا ہے نفسِ سرکش ہلاک ہو جاتا ہے
مسلم کے لیے عجب نعمت ہے نماز سر خاک مین رکھ کہ پاک ہو جاتا ہے
اس بندۂ مسلم کا بھی کیا پایہ ہے دیکھو تو کہ کس کے سامنے آیا ہے
فتنون سے جہان کے جان چھڑا کر آیا بندہ دنیا سے ہاتھ اٹھا کر آیا
ہان قرۃ عینِ دلِ بینا ہے نماز اسلام ہے گر لفظ، تو معنی ہے نماز
سرنہادن ۱۲

قیام

بندے کا قیام ہے خدا کے آگے فانی کو جگہ ملی بقا کے آگے
اس وقت، نظر آتی ہے شانِ قیوم ملتا ہے قیام مین نشانِ قیوم
اللہ کا الف قیام کی صورت ہے ارکان مین، پہ امام کی صورت ہے

رکوع

بندے نے رکوع مین بڑی جرأت کی سر قدمون پہ رکھنے کی اجازت پیسلی
مسلم، سر خم کیے ہوے حاضر ہے پہ وہ مہ نو ہے، جس کا رب ناظر ہے

دل کو رخِ جانان پہ فدا رہنے دے ان قدمون مین آنکھون کو گڑا رہنے دے

جھک کر مرے کان مین یہ کہتا ہو رکوع — امجد! سرِ تسلیم جھکا رہنے دے

سجدہ

ہے عرش سے بھی بلند بام سجدہ — قدمون مین کسی کے ہو مقام سجدہ
سجدہ ہے، عروسِ عبدیت کا گہنا — سنتا ہے اسی جگہ، وہ میرا کہنا
سجدے مین چھپے ہوئے ہین اسرارِ نماز — یہ سجدہ ہے شاہنشہِ دربارِ نماز

زنجیرِ درِ عرش ہلاتا ہون مین — اللہ غنی! کسے بلاتا ہون مین
سجدے کے بہانے، دل کی بیتابی سے — قدمون پہ کسی کے لوٹ جاتا ہون مین
اس سرزمین شاخ کا پھل اعلیٰ ہے — عامل معمولی ہے، عمل اعلیٰ ہے
پوچھو نہین سجدہ کرنے والون کے دماغ — سر خاک مین لب پہ "ربی الاعلیٰ" ہے
مسلم کی کمال آرزو، سجدہ ہے — "اللہ، قیام اور "ہو" سجدہ ہے
جان ڈوب کے لذتون مین کھو جاتی ہے — فانی ہستی کی نفی ہو جاتی ہے
شب ہجر کی، شام وصل سے ملتی ہے — جب جھکتی ہے شاخ، اصل سے ملتی ہے
کب، راہ یہ زور و زر سے طے ہوتی ہے — ہان منزلِ عشق، سر سے طے ہوتی ہے

سر اب تو اٹھاتی نہین پُر خون آنکھین — کس طرح نکال کر مین رکھ دون آنکھین
ٹھنڈک ہے عجب سجدے مین، سبحان اللہ — تلوون سے کسی کے مل رہا ہون آنکھین

قعود

بیٹھا ہے ادب سے عبد، پیش معبود — فی مقعدِ صدقٍ کا ہے مصداق قعود

فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر

سلام

اسلام مین، مصدرِ محاسن ہے سلام
مسلم کی سلامتی کا ضامن ہے سلام

دُعا

ہر دم اس کی عنایت تازہ ہے
اس کی رحمت بغیر اندازہ ہے
جتنا ممکن ہو، کھٹکھٹائے جاؤ
یہ دستِ دعا، خدا کا دروازہ ہے

خالق نے جنھین دیا ہے زر، دیتے ہین
زر کیا ہے؟ خدا کی رہ مین گھر دیتے ہین
اپنا سرمایہ ہے رکوع و سجدہ
سامان نہین رکھتے ہین، سر دیتے ہین

اخلاصِ نیاز

از جناب سید شاہ نجم الدین احمد نجمؔ کاکوی (پٹنہ)

قدمون پہ تیرے دلنواز، میرا سرِ نیاز ہو
شام و سحر اسی طرح، اپنی ادا نماز ہو
آنکھین رہین گہر فشان، دل مین خلش رہے نہان
لب پہ ہو نالۂ و فغان، روح مین بھی گداز ہو
آہون کو ہنس کے ٹالدون، اشکون کو روک کر رکھون
اورون کا ذکر کیا، نہ دل سے بھی بیانِ راز ہو
چپکے پڑے ہین سب کے سب، دیکھین قیامت آئے کب
دیر یہ کیون ہو بے سبب، محوِ خرامِ ناز ہو
حسن مین شانِ کبر ہو، عشق مین شانِ عاجزی
ناز و غرور ہو اُدھر، اور ادھر نیاز ہو
جلوۂ حسن سے ترے، موجِ بہارِ شرمسار
چرخ پہ خندہ زن تری، چشمِ کرشمہ ساز ہو
پھیرو نہ نامرادیون، آس نہ توڑو اس طرح
دور سے سنکے آئے ہین، ہم کہ گدا نواز ہو
اے غمِ عشق! داغ سے سینہ ہوا اپنا لالہ زار
تیرے ہی دم سے ہے بہار، عمر تری دراز ہو
نجمؔ تمھین ملیگا کیا، اپنی نمازِ عشق مین
دل مین خلش ہو اور نہ درد، سوز ہو اور نہ ساز ہو

بالتقریظ والانتقاد

چند نئے رسالے اور اخبار

اور

رسالون کے خاص نمبر

گذشتہ ششماہی مین ہمین مختلف رسالے اور اخبارات، ریویو کے لئے موصول ہوئے، نیز مختلف رسالون کے چند خاص نمبر بھی آئے ہین،

رسائل | رسائل حسب ذیل ہین،

آئینہ، کلکتہ (مصور ماہانہ) اڈیٹر جناب محمد اسحاق صاحب، معاون جناب قیس شیخپوری، حجم ۴۸ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت سالانہ ۴؎، پتہ:- دفتر آئینہ نمبر ۱ ہرن باڑی لین کلکتہ،

یہ رسالہ ماہ اکتوبر ۱۹۳۲ء سے کلکتہ سے نکلنے لگا ہے، اس کے دو پرچے اکتوبر اور نومبر کے نظر سے گذرے، رسالے کے پہلے نمبر مین اڈیٹر کی جانب سے اولاً صفحۂ افتتاح" ہے جسمین فاضل مدیر نے آئینہ کو بنگال مین اردو کے رائج کرنے کا ذریعہ بتایا ہی، اور کہا ہے کہ "اردو ادب ہنوز پست ہے"..... بے لاگ تنقید کی کمی ہی، آئینہ اردو ادب کے حال کا آئینہ نہین، بلکہ مستقبل کا بھی آئینہ ثابت ہوگا لیکن جناب جوش ملیح آبادی کی ایک غزل پر مدیر آئینہ نے جو تنقید کی ہے، افسوس ہے کہ وہ نہ تنقید صحیح کا کوئی نمونہ ہے اور نہ اوسے بے لاگ تنقید کہہ سکتے ہین، رسالہ کو ملک کے اچھے اہل قلم کی امداد حاصل ہے، جناب نواب نصیر حسین صاحب خیال کی زیر تالیف کتاب داستان اردو کے چند ورق دونون نمبرون مین شائع ہوئے ہین، اسی طرح مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی بھی رسالہ کے مستقل معاون نظر آتے ہین، اونھون نے پہلے نمبر مین ہمارے شعرائے کرام کو مخاطب کیا ہے، اور دوسرے نمبر مین معلمت کی راہ دکھائی ہے،

جناب منظر حسین صاحب شمیم نے شیخ جمال الدین افغانی کے سامنے مرزا داغ دہلوی مرحوم کے ایک غزل سنانے کا واقعہ قلمبند کیا ہے اسی طرح مختلف یورپین فسانہ نگاروں شیکسپیئر اور ٹالسٹائی وغیرہ کے مختصر افسانوں کے ترجمے نظر آتے ہیں، اور شعراء میں سے حضرت شاد عظیم آبادی جناب رضا علی وحشت جناب جوش ملیح آبادی، اور جناب آغا حشر کاشمیری وغیرہ کی نظمیں اور غزلیں ہیں اور نیز بنگال و بہار کے نوجوان اہل قلم اور شعراء کی نثر و نظم درج ہے، توقع ہے کہ رسالہ بنگال و بہار کے نوجوانوں کو اردو لکھنے لکھانے کی مشق بہم پہنچانے میں کامیاب ہوگا لیکن رسالہ کے افتتاحیہ اور شذرات کو سیاسیات کا اکھاڑا بنانے سے اجتناب کرنے کی ضرورت ہے کہ کارکنان رسالہ کے پاس ان مباحث کیلئے ایک مستقل روزنامہ کا میدان موجود ہے،

آئینہ دہلی (ماہانہ) اڈیٹر جناب سید ابن الحسن صاحب، فکر، ایم اے، حجم ۳۲ صفحے

قیمت سالانہ عہ، پتہ: منیجر رسالہ آئینہ، دہلی،

پیش نظر رسالہ کے اجرا کا اصل مقصد ارزان قیمت میں اعلیٰ مضامین کے مجموعہ کا رسالہ پیش کرنا ہے، اس کا پہلا نمبر زیر نظر ہے، اسمیں شبہ نہیں کہ یہ اپنے مضامین اور ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے ارزان قیمت ہے، مضامین کا معیار بھی خاصہ ہے، اکثر مضامین سائنٹفک اور علوم جدیدہ سے متعلق ہیں، نیز بعض افسانے بھی ہیں، مضامین کے چند عنوان یہ ہیں، "ریڈیو اور آیندہ جنگ" "معانی الفاظ" "کوہ نور کی سرگذشت" "پانی کی دنیا اور اوس کے عجائبات" "سلاطین آسانہ فقراء پر" "تخلیق اور ارتقا"، رسالہ کی ترتیب محتاج اصلاح ہے، اولاً مضامین کی فہرست منسلک نہیں، علاوہ ازیں اکثر مضامین اسطرح ناتمام چھاپے گئے ہیں، کہ "دیکھو صفحہ فلاں" ایک ماہانہ رسالہ کیلئے یہ طریقہ مستحسن نہیں،

گلچین لاہور (ماہانہ) اڈیٹر جناب سید ابو محمد صاحب ثاقب، حجم ۷۲ صفحے، قیمت سالانہ ۳ے، پتہ مینیجر گلچین چراغ دین روڈ، مزنگ، لاہور،

یہ رسالہ ماہ اگست ۱۹۳۲ء سے نکلا ہے، اس کا مقصد لاہور سے ایک صحیح زبان کا رسالہ نکالنا اور زبان

کی صحیح خدمت اور ادب کی حقیقی اصلاح کرنا ہے" اسکا پہلا پرچہ زیر نظر ہے جس مین مختلف شعرا کی نظمون اور غزلون کے علاوہ بعض مضامین بھی اچھے خاصے ہین جنمین سے جناب مرزا محمد سعید صاحب دہلی کا مضمون "ہندی بھاشا کا جدید ادب" لائق ذکر ہے لیکن رسالہ کے اسی پہلے نمبر مین اردو کے پرانے پرچون سے مشہور ادیبون کے مضامین بلا حوالہ درج کرنے کی ابتدا کچھ مناسب نہین ہے، جناب سلطان حیدر صاحب جوش مرحوم کا مضمون "بور" چند سال گذرے شائع ہو چکا ہے اور اردو خوانون مین دلچسپی سے پڑھا جا چکا ہے،

یادگار (لاہور) (ماہانہ) مدیر جناب نیر بی اے، معاون جناب محمد لطیف جعفری، بی اے، وغیرہ، حجم ۵۶ صفحے قیمت سالانہ ۳ پتہ:- دفتر رسالہ یادگار اندرون بھاٹی دروازہ لاہور،

رسالہ یادگار چند ماہ سے نکل رہا ہے، نمبر کا پرچہ پیش نظر ہے، جو مختلف قسم کے ادبی و تنقیدی مضامین پر مشتمل ہی، نثر مین پروفیسر تبسم کا مضمون اور شعرا مین حضرت ریاض خیرابادی اور جناب محوی صدیقی کے کلام پڑھنے کے لائق ہین،

سنیاسی گجرات (ماہانہ) اڈیٹر جناب حکیم عارف حجم ۴۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی قیمت سالانہ ۲

پتہ:- دفتر سنیاسی گجرات (پنجاب)

سنیاسی گجرات (پنجاب) سے نکلا ہے، یہ ایک مفید رسالہ ہے اور اوسکو سیاسی اور طبی رسالہ کہہ سکتے ہین اسکے پیش نظر ہندوستان کی مختلف قومون اور ملتون مین اتحاد و یگانگی پیدا کرنا، ہندوستانیون کے فرقہ وارانہ جھگڑون کو روکنا، دیگر مذاہب کے بزرگون پر اعتراض نکتہ چینی سے باز رکھنا ہی، اوسکے مضمون نگارون مین ہندو اور مسلمان دونون اہل قلم ہین، رسالہ کے مرتب جناب حکیم عارف ہین، مگر پورا رسالہ پڑھنے کے باوجود یہ معلوم کرنا دشوار ہے، کہ عارف کسی ہندو شاعر کا تخلص ہے یا مسلمان شاعر کا، جناب حکیم عارف نے اپنے لئے ایک مستقل عنوان "تاریخ ہند" کا ایک ورق خاص کر لیا ہے، اسمین تاریخ کی مستند کتابون اور مستند حوالون سے ایسے واقعات اخذ کر کے پیش کرتے ہین جن سے ہندو مسلمان اور سکھون کی باہمی رواداری اور باہم حسن سلوک اور ایک دوسرے کے مذہب کی عزت کرنیکے نتائج پیدا

ہوتے ہین، رسالہ کا یہ باب نہایت کارآمد ہے، رسالہ کے بعض مضامین طبی بھی ہین،

پاسبان، گورداس پور (ماہانہ) ادارۂ تحریر جناب لطیف انور، جناب اصغر حسین خانصاحب نظیر، لودھیانوی، حجم ۴۸ صفحے، لکھائی چھپائی معمولی، قیمت سالانہ ۳، پتہ:- دفتر رسالہ پاسبان گورداسپور (پنجاب)

رسالہ پاسبان، پنجاب کے ایک دوسرے شہر گورداسپور سے نکلا ہے، اس کے پیش نظر ادبی خدمت انجام دینا اور صوبہ پنجاب کے محکمۂ تعلیم کی منظور شدہ کتابون پر نقد و تبصرہ کرنا ہے، رسالہ چند عنوانون "روح تغزل" "معیار علم و ادب" "تعلیمات" اور "نسائیات" مین تقسیم ہے، دوسرے نمبر سے حصۂ نسائیات کی ادارت جناب رضیہ سلطانہ گورداسپوری کو تفویض ہوئی ہے، رسالہ کے بعض مضامین سنجیدہ اور تنقیدی بھی ہین،

دبستان وزیرآباد، مدیر جناب سید برکت علی صاحب گوشہ نشین، وزیرآباد، حجم ۴۰ صفحے قیمت سالانہ ۲، پتہ:- دفتر دبستان، مکان نمبر ۲۰۲ وزیرآباد (پنجاب)

دبستان، پنجاب کے ایک تیسرے شہر وزیرآباد سے نکلا ہے، جناب سید برکت علی صاحب گوشہ نشین مدت سے اپنے گوشۂ امن مین بیٹھکر دوسرے شعرا و ادبا پر رسالون کی شکل مین تیراندازی کرتے تھے، اب خود میدان مین نکل آئے ہین، اور از راہ اشاعت قائم کرکے رسالہ دبستان جاری کیا ہے، رسالہ کے تقریباً تمام مضامین مختصر افسانون پر مشتمل ہین، کوئی خاص تنقیدی مضمون پہلے نمبر مین موجود نہین، بعض مضامین "تاریخی معلومات" کے عنوان سے ہین، شعرا کے کلام، اہل قلم کے مضامین کے پہلو بہ پہلو بہ کثرت ہین، جنمین زیادہ تعداد جناب گوشہ نشین کے کلامون کی ہے،

مسلمہ جالندھر (ماہانہ) اڈیٹر جناب حمیرا، حجم ۲۲ صفحے، قیمت سالانہ صرف ایک روپیہ، پتہ:- دفتر رسالہ مسلمہ مدرسۃ البنات، جالندھر (پنجاب)

مدرسۃ البنات کچھ دنون سے چند مخلص مسلمانون کی کوششون سے جالندھر مین قائم ہوا ہے، اس مدرسہ کی جانب سے ایک ماہانہ رسالہ مسلمہ، جناب حمیرا کی ادارت مین ماہ جولائی ۱۹۳۲ء سے نکلنے لگا ہے، رسالہ کی سرپرستی جناب مغفرت نسوان

بیگم صاحبہ نواب لیاقت حیات خان بہادر وزیر اعظم ریاست پٹیالہ نے قبول کی ہے۔ رسالہ کا دوسرا نمبر پیش نظر ہے، مضامین میں خصوصیت سے اسلامی تعلیمات کی روح نظر آتی ہے، جو مختصر افسانے ہیں، وہ بھی شریف بہو بیٹیوں کے پڑھنے کے لائق اور سبق آموز ہیں، رسالہ کا خیر مقدم مولانا ظفر علی خانصاحب نے اپنی ایک فارسی نظم سے کیا ہے، جس کا اردو ترجمہ جناب سمیر کے قلم سے ہے،

مشیر باغبانی لاہور (ماہانہ) اڈیٹر پروفیسر جی، ایم، ملک ایم ایس سی (ایگریکلچر) امریکہ، جم، ۲ صفحے قیمت سالانہ ۴

پتہ:- امریکن سیڈ اینڈ نرسری کمپنی نمبر ۴۴، میکلوڈ روڈ لاہور،

مشیر باغبانی، ایک زراعتی رسالہ ہے جسمیں فن زراعت اور باغبانی سے متعلق مفید مضامین ہوتے ہیں، "باغبانی کلب" "تر کاریاں" "باغبانی معلومات" "استفسارات وجوابات" (متعلق زراعت و باغبانی) اور "عملی باغبانی" وغیرہ اس کے مستقل عنوان ہیں، رسالہ سے زراعت پیشہ اور باغبانی کے شوقین فائدہ اوٹھا سکتے ہیں،

کامیاب (دہلی، ماہانہ) اڈیٹر جناب ظفر نیازی وسب اڈیٹر جناب لطیف احمد بی اے، جم، ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ عہ، پتہ، منیجر رسالہ کامیاب پوسٹ بکس نمبر ۴۴، دہلی،

رسالہ کامیاب چند ماہ سے جاری ہے، دسمبر کا نمبر پیش نظر ہے، اسمیں متعدد چھوٹے چھوٹے ادبی و اصلاحی مضامین، مختلف اہل قلم جناب خواجہ حسن نظامی صاحب، جناب مولوی سید ظہور احمد صاحب وحشی، جناب ایم اسلم اور جناب اکبر حیدری صاحب وغیرہ کے ہیں، رسالہ کے مضامین کارآمد اور دلچسپ ہیں،

شاعر آگرہ (ماہانہ) اڈیٹر جناب نظر اکبرآبادی، جم، ۴۰ صفحے، تقطیع ۲۲×۱۵/۴، قیمت سالانہ عہ، پیشہ، دفتر قصر الادب آگرہ،

اکبرآباد میں ہمیشہ سے شعر و شاعری کا چرچا رہا ہے، دور حاضر میں بھی یہ شہر شعر و شاعری کے چرچے اور مشاعروں کی چہل پہل سے اسی طرح پر رونق ہے، اور ادبی چھیڑ چھاڑ اور شاعرانہ ترانوں کی صدائیں یہیں سے کبھی کبھی سنائی دیتی ہیں، اور شعر و شاعری کی خدمت کے لئے یہاں سے مختلف پرچے نکلتے رہتے ہیں، زیر تبصرہ رسالہ، اسی سرزمین سے

سراپا شاعر بنکر سامنے آیا ہے، جناب سیماب اکبرآبادی اس کے "نگران اصول" اور جناب نظر اکبرآبادی اس کے مدیر ہیں، اگست ۱۹۳۲ء کا پرچہ زیر نظر ہے، اسمیں شبہ نہیں کہ کارکنان رسالہ شعر و شاعری اور اردو کی خدمت انجام دینا چاہتے ہیں، رسالہ کے آغاز میں شعر و ادب کے متعلق استفسار و جواب ہیں، پھر چند صفحوں میں "شاعر" کے چند مختصر نوٹ اور مضامین ہیں، پھر دوسرے اہل قلم کے مضامین درج کئے گئے ہیں، جن میں سے "مرزا داغ اور نفسیات محبوب" اور "شعرا کی ذہنی تصاویر" دلچسپ مضامین ہیں، آخر میں ایک باب "اصلاح سخن" کا بھی ہے،

مورخ فیض آباد (مہینہ میں دو بار) اڈیٹر مولوی سید علی اظہر صاحب عابدی ۴۰ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت سالانہ ۴

پتہ:- دفتر مورخ امام باڑہ جواہر علی خان فیض آباد،

رسالہ مورخ میں جیسا کہ اوس کے نام سے ظاہر ہے، خالص تاریخی مضامین ہوتے ہیں لیکن وسعت دامان کے لئے اس کے ضوابط میں اعلان ہے کہ "علمی، ادبی، تمدنی و اخلاقی مضامین جن کا تعلق تاریخ سے ہوگا، وہ صفحات مورخ پر نظر آئیں گے"، اس کا پہلا پرچہ بابت ماہ اپریل ۱۹۳۲ء ہمیں موصول ہوا ہے، بعض مضامین ہم نے دیکھے، وہ تاریخی استناد پر مبنی نہیں ہیں لیکن بہرصورت رسالوں کے عام سطحی افسانوں کے پڑھنے سے ان تاریخی افسانوں کا پڑھنا زیادہ بہتر ہوگا،

اقتصاد کابل (فارسی ماہانہ) اڈیٹر جناب محمد زمان ترہ کی حجم ۳۲ صفحے، کاغذ عمدہ، چھپائی خوبصورت طائپ میں، قیمت سالانہ ۱۰ شلنگ، پتہ:- دفتر اقتصاد، وزارت تجارت گلستان سرائے کابل (افغانستان)

سال ڈیڑھ سال میں کابل سے متعدد بلند پایہ رسالے جاری ہوئے ہیں جن کا تذکرہ ان صفحات میں آتا رہا ہے، اب یہ ایک نیا رسالہ اقتصاد نکلا ہے، جیسا کہ اوس کے نام سے ظاہر ہے، یہ ایک اقتصادی و تجارتی رسالہ ہے، اس کے مضامین مختلف عنوانوں "فلاحت و زراعت" "معادن" اور "تجارت" وغیرہ میں منقسم ہیں، اس کے بعض مضامین کا اقتباس انھی صفحات میں اس سے پہلے گذر چکا ہے، تجارتی حلقوں کے لئے یہ خصوصیت سے ایک کارآمد رسالہ ہے،

فانوس لاہور (ماہانہ) اڈیٹر جناب سردار علی صاحب آفسٹ حجم ۴۰ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ قیمت سالانہ ۳ سے

پتہ:- دفتر رسالہ فانوس نمبر ۸۹ کشمیر بلڈنگ میکلوڈ روڈ لاہور،

فانوس ایک علمی و ادبی رسالہ ہے، جو ماہ نومبر ۱۹۳۲ء سے نکلا ہے اکثر مضامین ادبی اور بعض علوم جدیدہ سے متعلق ہیں بعض مضامین پڑھنے کے لائق ہیں، مثلاً مرزا غالب کی ایک نایاب فارسی نظم،

پندرہ روزہ پرچے ذیل کے دو پرچے پندرہ روزہ ہیں، نیز اسلام اور حسن کار حیدرآباد،

نیر اسلام لاہور (مہینہ میں دو بار) اڈیٹر جناب غلام نبی صاحب انصاری جہلمی حجم ۱۶ صفحے تقطیع $\frac{۲۶×۲۰}{۴}$

قیمت سالانہ عا، پتہ۔ دفتر اخبار نیر اسلام (امیر علی بلڈنگ ریلوے روڈ لاہور،

جناب غلام نبی صاحب انصاری کو سیاسیات سے دلچسپی ہے، اور موصوف کافی مدت تک جیل میں رہ چکے ہیں، اب موصوف نے رہا ہو کر ایک اخبار نیر اسلام اپنے ذوق سے نکالا ہے، اور اس طرح قوم و ملک کی خدمت کا شوق پورا کیا ہے، اس کا ۳۸ وان نمبر مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۳۲ء ہمیں موصول ہوا ہے، اس کے سرورق پر مجلس مرکزیہ احرار اسلام کے ایک اجلاس کی وہ کارروائیاں ہیں جنکی تفصیلات صیغۂ راز میں ہیں، پھر مقالاً افتتاحیہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کی ترجمان القرآن پر اظہار خیال ہے اور کہا گیا ہے اوسکو نیر اسلام میں مسلسل پیش کیا جائے گا، اور اس کے بعد الہلال کلکتہ کے پرانے فائیلوں اور اوس کے جدید فائلوں سے چند مضامین اور افسانے نقل کئے گئے ہیں، اور آخر میں خبروں کے صفحات ہیں، اور اس طرح تقریباً پورا اخبار دوسرے پرانے اخبارات کے فائل، شائع شدہ کتابوں اور شائع شدہ خبروں سے منقول ہے،

حسن کار حیدرآباد دکن (پندرہ روزہ) اڈیٹر جناب سید محمد اکبر وفا قانی بی اے حجم ۲۶ صفحے،

قیمت سالانہ ے پتہ، دفتر حسن کار محلہ معظم شاہی گوشہ محل حیدرآباد دکن،

حسن کار فنون جمیلہ مصوری نقشہ کشی تعمیر اور موسیقی وغیرہ کی خدمت کے لئے ماہ نومبر ۱۹۳۲ء سے نکلا ہے اسکا چوتھا اور پانچوان پرچہ پیش نظر ہے اکثر مضامین اپنے موضوع سے متعلق مختلف تاریخی عمارتوں فن تعمیر مصوری

اور موسیقی وغیرہ پر ہین لیکن افسوس ہے کہ "حسن کار" کی ظاہری شکل وصورت "حسن کارانہ" نہین، ع۔

اللہ کرے حسن رقم اور زیادہ

مجاہد ہفتہ وار اخبار، ڈیرہ اسمٰعیل خان (ہفتہ وار) مدیر جناب شاہزادہ فضل داد خان صاحب حجم ۸ صفحے تقطیع ۲۷×۱۷/۲، قیمت سالانہ صہ، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، پتہ دفتر مجاہد، حافظ جمال اسٹریٹ ڈیرہ اسمٰعیل خان،

مجاہد ۹ دسمبر ۱۹۳۲ء سے جاری ہوا ہے، اس کا پہلا نمبر سامنے ہے، اوس نے اپنے حسب ذیل مقاصد بتائے ہین، شمالی ہند خصوصاً صوبہ سرحد اور بلوچستان کے مسلمانون کی ترسیحائی نہاسبھائی فتنہ کا انسداد، اسلامی تاریخ اور نامور اسلاف کے مجاہدانہ کارنامون کی اشاعت اور زبان اردو کی خدمت وغیرہ، مجاہد کا لب ولہجہ حکومت کے ساتھ تعاون پسندی کا ہے، اور ہندؤن کی جانب سے مسلمانون کے "حقوق" کے "غصب" کے شکوے اور افغانستان کی موجودہ حکومت کی حمایت وغیرہ اوسکی کھلی ہوئی پالیسی ہے،

البیت کلکتہ (مصور ہفتہ وار) اڈیٹر جناب میر ایچ اے افضالی حجم ۲۶ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۰/۴ قیمت سالانہ صہ دفتر البیت نمبر ۱۸، ڈمزڈم لین کلکتہ،

اخبار البیت (۹) کا توان نمبر مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۳۲ء ہمیں ریویو کے لئے موصول ہوا ہے اخبار کا سرورق آرٹ پیپر کا خوبصورت ہے، لکھائی چھپائی اور کاغذ بھی کچھ خراب نہین، تصویرین بھی چند صفحون پر ہین، ہفتہ وار خبرون کا کوئی التزام نہین ہے، مقالۂ افتتاحیہ اور شذرات کے لحاظ سے یہ پرچہ سیاسی اور دیگر مضامین کی نوعیت سے ایک ادبی وتعلیمی رسالہ ہے، سیاسی حیثیت سے اوسکی پالیسی مین "اسلامی حقوق" کی حمایت اور کانگریس کو مسلمانون کا مخالف بنا کر اوسکی مخالفت کرنا ہے، زیر نظر پرچہ کے مقالۂ افتتاحیہ مین گاندھی جی کو مسلمانون کا تمام ہندو رہبرون مین، سب سے زیادہ دشمن قرار دیا گیا ہے، اخبار کا لب ولہجہ بھی پروقار نہین، شاید جیسا کہ نام سے شبہہ ہوتا ہے، یہ کوئی مزاحیہ اخبار ہے،

منتقار رجل پور (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب محمد عبداللطیف صاحب بی اے حجم ۴ صفحے قیمت سالانہ:- صہ

پتہ، دفتر منتقار، ابراہیم منزل نمبر ۲ گلگلا جبل پور (سی پی)

یہ ایک ہفتہ وار مزاحیہ اخبار ہے، جو ۲۰ جنوری ۱۹۳۳ء سے جبل پور (صوبہ متوسط) سے نکلا ہے، اس مزاحیہ مختصر ڈرامے مزاحیہ نظمین اور مختصر مزاحیہ نوٹ ہوتے ہین،

اتہات بھوپال (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب قمر النسا بیگم حجم ۱۶ صفحے تقطیع ۱۸×۲۲/۴ کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ

قیمت سالانہ ۳ے پتہ:- دفتر اخبار اتہات بھوپال،

اتہات جناب قمر النسا بیگم کی ادارت، اور جناب محمود الحسن صاحب صدیقی بی اے علیگ کے اہتمام سے غالباً رسالہ ظل السلطان بھوپال کے دفتر سے نکلا ہے، اس کے چند نمبر ہمین موصول ہوئے ہین اس کے اجرا کا مقصد خواتین ہند کی قومی، ملکی، سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی تحریکات کی علمبرداری ہے،

روزانہ اخبارات | اس مدت مین دو نئے روزانہ اخبار بھی نکلے ہین ہند جدید کلکتہ اور مدینہ بجنور،

ہند جدید اڈیٹر مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی حجم ۸ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰/۲ کاغذ سفید چکنا لکھائی چھپائی عمدہ

قیمت سالانہ ۱۲ے ہر پرچہ ۱/ پتہ:- دفتر ہند جدید ۲۵ اے چترنجن ایونیو، کلکتہ،

کلکتہ سے چند مہینون سے یہ روزانہ اخبار نکل رہا ہی، یہ سیاسی آزادی کا علمبردار مذہبی بدعات کا دشمن ہندو مسلم اتحاد کا پرزور حامی اور مسلمانون مین حرکت و عمل پیدا کرنے کا داعی ہے، اپنے مخالفون کے لئے ہمیشہ شمشیر برہنہ رہتا ہے، پرچہ مین روزانہ خبرون کے علاوہ مختلف موضوع پر دلچسپ، کارآمد اور پڑھنے کے لائق علمی و ادبی مضامین اور افسانے اور اسلامی ممالک کے اخبار و رسائل کے مفید و دلچسپ اقتباسات درج ہوتے ہین لیکن باایں ہمہ یہ کہے بغیر رہا نہین جاتا،:-

گرمی سہی کلام مین لیکن نہ اسقدر — کی جس سے بات اوس نے شکایت ضرور کی

روزانہ مدینہ بجنور، اڈیٹر جناب نصر اللہ خانصاحب عزیز بی، اے، حجم ۸ صفحے قیمت سالانہ ۱۵ے

پتہ:- مدینہ بجنور، یوپی،

ہمارے صوبہ مین ایک کارآمد روزانہ اخبار کی سخت ضرورت تھی اور سب کو اس ضرورت کا احساس تھا مگر اس کے لئے پیش قدمی سب سے پہلے مدینہ بجنور کے کارکنون نے کی، سہ روزہ مدینہ جس خوبی، کامیابی اور حسن مقاصد کے ساتھ اب تک نکلتا رہا ہے، اس سے پوری اُمید ہے کہ روزانہ مدینہ بھی ملک و ملت کا مفید ارگن ثابت ہوگا، اب تک اوس کے ۱۴ نمبر نظر سے گذرے ہین، ان مین ہر ایک باسلیقہ، ترتیب عمدہ معلومات اور دلچسپ مضامین کا حامل ہے، وہ سیاسی آزادی، ملکی ترقی، ہندو مسلم اتحاد کی دعوت کے ساتھ سنجیدگی و متانت کا دامن ہاتھ سے نہین چھوڑتا امید ہے کہ لوگ اس نئے روزانہ اخبار کا پرجوش خیر مقدم کرین گے،

رسائل کے خاص نمبر | چند رسالون کے حسب ذیل خاص نمبر ہمین موصول ہوئے،

سالنامہ نیرنگ خیال:- حجم تقریباً سوا دو سو صفحے، تقطیع کلان، قیمت خاص نمبر عہ،

پتہ:- دفتر نیرنگ خیال شاہی محلہ، لاہور،

یہ خاص نمبرون کے مبتدع (مخترع نہین؟) نیرنگ خیال لاہور کا سالنامہ ۱۹۳۲ء ہے، مضمون نگارون اور شعراء کی فہرست مین حسب دستور اوراچھے اچھے اور ممتاز اہل قلم شامل ہین، مضامین مختلف نوعیتون کے ہین، ادبی مضامین مین لیلیٰ کے خطوط پڑھنے کے لائق ہین، افسانون مین "لاش" اور "خزان" اور سامن" کو دیکھنے کا موقع ملا، وہ دلچسپ ہین مزاحیہ تحریرون مین "ریل گاڑی" زیادہ پسند آئی، حصۂ نظم مین اساتذہ کے کلام کے علاوہ اختر شیرانی کی بعض نظمین خوب ہین، رسالہ مین مختلف مناظر، عمارتون، مجسمون اور بعض اہل قلم کی تصویرین شایع ہوئی ہین، دارالمصنفین کے ساکنین کا ایک مرقع بھی اوسکو کہین سے ہاتھ آیا ہے، اور اوس نے بھی اسمین جگہ پائی ہے،

نیرنگ خیال کا اقبال نمبر:- ۴۲۰ صفحے، تقطیع ۷½×۱۰، قیمت عہ، پتہ:- دفتر نیرنگ خیال شاہی محلہ لاہور،

نیرنگ خیال کا ایک دوسرا خاص نمبر ڈاکٹر سر اقبال کے نام پر "اقبال نمبر" زیر عہ کی تقطیع پر شائع ہوا ہے،

جسمین اقبال کی شاعری فلسفہ، سوانح حیات اور اون کی تصنیفات پر مختلف اہل قلم کے مضامین ہین، اور مختلف شعراء نے اقبال کی خدمت مین اپنی اپنی عقیدت کا ہدیہ پیش کیا ہے، اگرچہ ہماری نگاہین اقبال نمبر مین "سیاسی اقبال" کے بجائے، صرف شاعر، متکلم وداعی وادیب وفلسفی اقبال پر صرف مضامین ہی دیکھنا چاہتی تھین تاہم جو کچھ بھی اس نمبر مین جمع کیا گیا ہے، وہ اقبال کی تصویر کو ہر پہلو سے مکمل کرتی ہین، رسالہ مین اقبال کی پرانی اور نئی تصویرین، اور اس پرچہ کے بعض مضمون نگارون جامعہ ملیہ کے بعض استادون اور اقبال کے کلام کی بعض تخیلی تصویرین بھی شائع ہوئی ہین،

پیشوا کا رسول نمبر:- حجم ۱۶۰ صفحے، قیمت خاص پرچہ ۸ر، پتہ:- دفتر رسالہ پیشوا، کوچہ چیلان دہلی،

رسالہ پیشوا، دہلی سے جناب سید عزیز حسن صاحب بقائی کی ادارت مین نکل رہا ہے اس رسالہ کا رسول نمبر ہر سال اہتمام سے ماہ ربیع الاول مین شائع ہوتا ہے، اور ملک کے ممتاز اہل قلم بارگاہ نبوت مین اپنی اپنی عقیدت کا نذرانہ پیش کرتے ہین جنمین سیرت رسول کے مختلف پہلوؤن پر روشنی ڈالی جاتی ہے، جناب سید عزیز حسن صاحب نے زیر تبصرہ رسالہ بھی اسی اہتمام سے شایع کیا ہے، اور یہ خاص نمبر رسالہ پیشوا کے مستقل خریدارون کو کسی مہینہ کا پرچہ ناغہ کے بغیر ڈالیش کے اوسی معیاد سالانہ چندہ ہی مین ہدیۃً پیش کیا جاتا ہے،

پیشوا کا قرآن نمبر:- ۱۲۰ صفحے، قیمت خاص نمبر ۶ر، پتہ دفتر رسالہ پیشوا کوچہ چیلان دہلی،

رسالہ پیشوا، کا ایک دوسرا خاص نمبر ماہ جنوری ۱۹۳۳ء مین "قرآن نمبر" کے نام سے نکلا ہے، اوس کے تمام مضامین قرآن وعلوم قرآن سے متعلق ہین اور اون مین سے اکثر مضامین حیدرآباد کے ادارۂ معارف قرآنیہ کے بعض ارکان نے لکھے ہین، اور نیز ایسے مختلف مضامین بھی یکجا کئے گئے ہین، جو بعض رسالون مین قرآن مجید کے مباحث پر وقتاً فوقتاً شایع ہوتے رہے ہین، رسالہ مین بعض مسجدون کی تصویرین بھی شائع ہوئی ہین،

دین دنیا کا مجاہدین اسلام نمبر:- حجم ۸۰ صفحے، قیمت خاص نمبر ۱۲ر، پتہ:- خواجہ بک ڈپو

دارالاشاعت دہلی

رسالہ دین ودنیا کا جو جناب شوکت علی صاحب فہمی کی ادارت مین شایع ہوتا ہے مجاہدین اسلام نمبر ستمبر واکتوبر ۱۹۳۲ء

کے پرچون پر مشتمل ہے، اس رسالہ میں ۱۲ مضامین نظم و نثر مجاہدین اسلام اور اون کے کارنامون سے متعلق ہین اور بقیہ مضامین دوسرے موضوع پر ہین، رسالہ مین چند تصویرین بھی ہین،

ضیاء القریش کا عثمان نمبر:- حجم ۱۱۲ صفحے، قیمت خاص نمبر عہ رسیتہ:- دفتر ضیاء القریش حلقہ نمبر ۱، امرتسر،

رسالہ ضیاء القریش، امرتسر سے انجمن قریشیان ہند کی سرپرستی مین نکلتا ہی، اوس نے حضور نظام آصفجاہ سابع کے اسم گرامی پر "عثمان نمبر" شایع کیا ہے، مملکت آصفیہ کی مختصر تاریخ اور عہد حاضر مین حیدرآباد کی مختلف تمدنی و تعلیمی ترقیون پر مختلف اہل قلم کے مضامین ہین، اور اسی نوع کی مختلف نظمین درج ہین، رسالہ مین سلطنت آصفیہ کے مختلف فرمانروا ون کی تصویرین بھی دیگئی ہین مملکت آصفیہ کی مختصر سرگذشت مین ٹیپو سلطان کا جس لب و لہجہ مین تذکرہ کیا گیا ہی وہ لائق افسوس ہے،

یادگار کا سالگرہ نمبر:- ۲۰۲ صفحے، قیمت خاص نمبر عہ رسیتہ:- دفتر رسالہ یادگار بھاٹی دروازہ لاہور

لاہور کے رسالہ یادگار کا سالگرہ نمبر جنوری ۱۹۳۳ء مین شایع ہوا ہے، مضامین زیادہ تر افسانے ہین جنمین سے اکثر محض سطحی ہین، اور بعض تاریخی اور ادبی مضامین بھی ہین، رسالہ مین چند تصویرین بھی ہین انگلستان کے مشہور شاعر بائرن کی تصویر مختصر حالات اور اوسکی چند نظمون کے ترجمے بھی شایع ہوئے ہین، اور تیمور لنگ کے خط کا ایک عکس شایع ہوا ہی،

ہمایون کا سالگرہ نمبر (مصور)، ۱۵۳ صفحے، قیمت خاص نمبر عہ رسیتہ:- دفتر رسالہ ہمایون لاہور،

پنجاب کے سنجیدہ ادبی رسالہ ہمایون کا سالگرہ نمبر بھی ہر سال ماہ جنوری مین نکلتا ہی، امسال مضامین مین زیادہ تر افسانے ہین تاہم مجموعی حیثیت سے یہ اوسط درجہ کا ایک ادبی گلدستہ تیار ہوگیا ہی،

عالمگیر کا خاص نمبر ایڈیٹر جناب حافظ محمد عالم ص ۱۴۹ صفحے قیمت خاص نمبر عہ رسیتہ دفتر رسالہ عالمگیر بازار سیدھا لاہور

عالمگیر کا خاص نمبر بھی ہر سال پابندی سے ماہ جنوری مین نکلتا ہے، مضامین مختلف قسم اور مختلف معیار کے ادبی و تاریخی ہین، افسانے بھی خاصی تعداد مین درج ہین، مختلف مصورون کے موی قلم کی تصویرون سے رسالہ کی زینت مین اضافہ ہوگیا ہے،

سالنامہ کاروان مرتبہ جناب پروفیسر شریم ایم اے، حجم ۲۱۴ صفحے قیمت عہ رسیتہ رسالہ کاروان چابک اڈن لاہور

رسالون کے سالنامون کی تدریجی ترقیاں آخر اپنی انتہا کو پہنچین، اور یہ "سالنامہ" واقعی معنون مین سالنامہ نکلا یعنی رسالہ "سالنامہ کا رہ" سال بھر مین ایک ہی مرتبہ نکلیگا، رسائل کے تبصرہ کی آخری کاپی پریس مین جا چکی ہے کہ اسکا پہلا نمبر ہمین موصول ہوا اور اپنے صوری محاسن اور ظاہری خوشنمائیون سے جاذب نظر معلوم ہوا، اور پھر معنوی حیثیت سے بھی اچھا خاصہ ادبی رسالہ نکلا، اس رسالہ کے اجرا کا مقصد ایک بلند پایہ ادبی رسالہ کی اشاعت ہے جو علم ادب کی خدمت کر سکے، اور اردو دان طبقہ مین فن تصویر کا صحیح مذاق پیدا کرے، "جاوید نامہ" "قصہ چہار درویش" اور "جدید ترکی ادبیات" پڑھنے کے لائق مضامین ہین، رسالہ مین بعض مصورون کے تماشے اور ایرانی خطاطی کی وصلیون کے مرقعے درج ہین، تصویرون پر مضامین کی اشاعت کا خیال بھی ہے، اوسکی پہلی کڑی استاد کمال الدین بہزاد ہے، ہم نہایت خوشی کے ساتھ اس نووارد مہمان کا خیر مقدم کرتے ہین،

دو نئے رسالے ان رسائل پر لکھنے کے بعد دو نئے رسالے ہمین موصول ہوئے، "مساوات" پھلواری پٹنہ، اور "بچون کی دنیا" الہ آباد ہین،

مساوات پھلواری (پٹنہ) (پندرہ روزہ) حجم ۲۰ صفحے، مقام اشاعت پھلواری شریف، ضلع پٹنہ، قیمت سالانہ عہ

مساوات ایک مفید مقصد یعنی ہندوستان کے تمام کمزور اور غریب مسلم اقوام کی ترجمانی کیلئے نکلا ہے، بعض پرچے دیکھنے مین آئے، مرتبکے نوٹون مین ہندوستان کے عام سیاسی مسائل پر رائے زنی کیجاتی ہے، اور مضامین مین پسی مسلمان قومون کو ابھارنے اور اصلاح و ترقی کی دعوت دینے کی کوشش کی گئی ہے، جو معاشرتی حیثیت سے کہین کہین ابھی تک فرد تر سمجھی جاتی ہین، رسالہ کے نگران جناب خانصاحب سردار محمد اسلام صاحب بی اے، رئیس نگتیہ گیا ہین، بہار کی سرزمین اردو صحافت کیلئے شورہ ہے خدا اسے عمر عطا کرے،

بچون کی دنیا الہ آباد (ماہانہ) اڈیٹر جناب یوسف حسن، پتہ اندین پریس الہ آباد، حجم ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ عہ

یہ بچون کا ایک دلفریب، خوشنما اور اچھے کاغذ پر اچھی لکھائی چھپائی کا ایک خوبصورت رسالہ ہے، جو کچھ دنون سے جاری ہے، مضامین بچون کی استعداد کے مطابق اور معلومات بڑھانے والے ہین، اور کہانیان بھی بچون کے دلپسند اور سبق آموز ہین، لیکن افسوس ہے کہ جنوری نمبر کے بعض مضامین ہمین پسند نہین آئے، مثلاً پہلا ہی مضمون جسمین رانا سنگھ اور اکبر کی جنگ آزمائی اور اوسکی تصویر دکھائی گئی ہے، یہ حب الوطنی (جس پر اسی رسالہ مین متعدد نظمین ہین) کی کوئی بہتر خدمت نہین، بچون کے معصوم دماغون کو جہانتک ممکن ہو مسموم ہواؤن کے خفیف سے خفیف جھونکون سے بھی بچانا چاہیے، "س"

مطبوعاتِ جدیدہ

الانجم الطوالع:- مرتبہ مولوی ابو الطیب محمد یعقوب بخش صاحب راغب بدایونی، ۵۶ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت باعتبار کاغذ و جلد عا، بلہ، مرتب سے محلہ سوتھ کوٹی بدایون کے پتہ سے طلب کریں،

الانجم الطوالع قدیم علم ہیئت میں ایک رسالہ ہے جسمیں یونانی ہیئت دان البلاؤس کے مشہور و نایاب قیمتی رسالہ کتاب المطالع کا عکس شائع کیا گیا ہے، کتاب المطالع کے اس نسخہ کو علامہ قطب الدین شیرازی نے ۶۶۱ھ میں محقق طوسی کے ۶۵۳ھ کے مسودہ سے نقل کیا تھا، مرتب نے اس قلمی نسخہ کو چھاپ کر اسلامی علم ہیئت کی ایک مفید خدمت انجام دی ہے، رسالہ کی ابتدا میں ۴۳ صفحوں کا ایک قیمتی مقدمہ اردو میں ہے جسمیں اسلامی علم ہیئت کی مختصر سرگذشت مسلمان علماے ہیئت کا سرسری تعارف اور اون کے علمی کارنامے اور پھر محقق طوسی کے مختصر حالات اور اون کے علم ہیئت کے خدمات کو جامعیت سے بیان کیا گیا ہے رسالہ کے آخر میں کتاب المطالع کے عکس کا صاف فارسی خط میں عربی متن اور کتاب المطالع کا اردو ترجمہ بھی منسلک ہے، مرتب کے پاس محقق طوسی کے چند دیگر قلمی رسائل بھی محفوظ ہیں جنھیں وہ شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں،

السہم المصیب فی الرد علی الخطیب (عربی تالیف سلطان ابوبکر بن ایوب ۳۶ صفحے ناشر کتب خانہ اعزازی دیوبند سہارنپور،

خطیب بغدادی نے اپنی مشہور کتاب تاریخ بغداد میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے حالات بھی لکھے ہیں جنمیں اونکی مدح اور جرح دونوں کے حصے ہیں، کچھ دن گذرے کہ کسی صاحب نے تاریخ بغداد کے حصہ جرح کو مع اردو ترجمہ کے شائع کیا تھا، ہمیں جب وہ کتاب موصول ہوئی تھی، تو ہم نے اوسی وقت خدمت علم کے اس نازیبا طریقہ سے اختلاف کیا تھا،

اور اس خطرہ کو پیش کیا تھا کہ اس کے جواب مین عربی کی قدیم قلمی کتابون کے اور دوسرے اوراق بھی شائع ہوسکتے ہین، عجب اتفاق کہ یہ شبہہ صحیح نکلا، چنانچہ زیر تبصرہ رسالہ اوسی اردو ترجمہ کی اشاعت کے باعث شائع کیا گیا ہے، اس رسالہ کو سلطان ابوبکر بن ایوب نے اُسی حصۂ جرح کے جواب مین ۶۶۱ھ مین تالیف کیا تھا اس کا قلمی نسخہ مکہ معظمہ کے کتب خانہ مین محفوظ تھا جن لوگون نے خطیب بغدادی والے رسالہ کو دیکھا ہے؛ وہ اسکو بھی طلب کرکے پڑھ سکتے ہین طرز جواب اگرچہ الجھا ہوا ہے تاہم مفید ہے،

تاریخ ادبیات ایران مترجمہ جناب سید سجاد حسین صاحب ایم اے، مددگار پروفیسر اردو جامعہ عثمانیہ

حجم ۵۶۴ صفحے چھپائی ٹائپ مین قیمت مجلد للعہر، غیر مجلد للعہر پتہ:- انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن،

پروفیسر براؤن کی مشہور تصنیف "تاریخ ادبیات ایران" اردو دان طبقہ مین مدت سے روشناس ہے اوس کے اردو ترجمہ کا بیڑا ایک زمانہ گذرا، انجمن ترقی اردو نے اوٹھایا تھا، مسرت ہے کہ کارکنان انجمن کا ارادہ عملی صورت مین اب تکمیل کو پہنچا، اور اوسکی پہلی جلد مطبع سے نکل آئی ہی، ابتدا مین پروفیسر براؤن کے وہ خطوط جو اس کے اردو ترجمہ سے متعلق ہین، منسلک ہین،

دین و دولت، از جناب مولوی سید محمود علی صاحب پروفیسر اورینٹل کالج کپورتھلہ، ناشر انجمن حمایت اسلام لاہور، ۲۷۰ صفحے قیمت عہ

"دین و دولت" متکلمانہ رنگ کی ایک تالیف ہے جسمین تاریخ کے واقعات و شواہد سے دکھایا گیا ہی کہ مسلمانون کے عروج و زوال کے اسباب کیا رہے، اور کیا ہین اور اسلامی تعلیم پر عمل پیرا ہونے سے فلاح و سعادت کی کیسی راہین اون پر کھل چکی ہین، اور ایسے کون سے وسائل ہین جن سے مسلمان اب بھی فوز و فلاح پاسکتے ہین، کتاب غور و فکر سے لکھی گئی ہے لیکن یا تو دقت مباحث کے باعث اور یا اسلوب بیان مین مباحث و مقصود و مدعا کے پھیل جانے سے کتاب کو دقت نظر سے پڑھنے کی ضرورت ہوگی،

معجزات اسلام:- مصنفہ جناب قاضی ظہور الحسن صاحب سبوہاروی، ۱۰۰ صفحے قیمت ۸ مصنف سے بتوسط

مولوی فیض الدین صاحب ایڈوکیٹ محلہ عابد شاہ حیدرآباد دکن کے پتہ سے مل سکتی ہے،

"معجزات اسلام" مین اسلام اور پیغمبر اسلام (صلعم) کے متعلق ایسی پیشینگوئیان درج کی گئی ہین، جو مصنف کی تحقیق کے روسے مختلف مذاہب یہودی، عیسائیت، بدھ مت، زرتشت اور ہندو دھرم کی مذہبی کتابون مین پائی جاتی ہین اور یہ ان مذاہب کی ان کتابون پر بھی تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے، کتاب محنت سے لکھی گئی ہے اور مطالعہ کے قابل ہے، اگرچہ لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت ناقص ہے،

رسول کریم:- از مولوی محمد حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی، ناشر مجلس علمی، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، سورت، ۳۰۷ صفحے،

"رسول کریم" مدارس کے متوسط استعداد کے طلبہ کے لئے عربی کی دو درسی کتابون دروس التاریخ، محی الدین خیاط، اور نور الیقین، خضری و بعض دیگر کتب سیرت سے مرتب ہوئی ہے کتاب کی ترتیب و تبویب اچھی طرز بیان صاف اور سلجھا ہوا، اور زبان سادہ اور سلیس ہے اور مدرسون کے درجون مین پڑھائے جانے کے لائق ہے،

مومن و غالب:- از جناب حکیم سید اعجاز احمد صاحب معجز، ہمسوانی ناشر دائرہ ادبیہ فیض آباد جم چھوٹی تقطیع کے ۴۸ صفحے لکھائی چھپائی ناقص قیمت ۸ر

"مومن و غالب" مین اردو کے ان دونون شعراء کا ایک دوسرے سے موازنہ کرکے غالب پر مومن کو ترجیح دی گئی ہے، اور ناقد نے بتایا ہے کہ مرزا غالب کا اصل سرمایہ نازان کی فارسی شاعری ہے، اور اسی لحاظ سے وہ صاحب کمال سمجھے جاتے تھے، ابتدا مین جناب شاکر حسین صاحب نکہت کا مختصر مقدمہ ہے، جس مین مرزا غالب پر سخت لب و لہجہ مین تنقید ہے،

محنت:- از جناب محمد عبد الغفار صاحب مدہولی، ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ، دہلی جم چھوٹی تقطیع کے ۴۸ صفحے، قیمت ۴ر

یہ ایک سبق آموز ڈرامہ ہے، جو بچون کے لئے لکھا گیا ہے، اور دکھایا گیا ہے، کہ انسان محنت ہی سے روٹی کما سکتا ہے،

"ہ"

جلد ۳۱	ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ مارچ سنہ ۱۹۳۳ء	عدد ۳

مضامین

شذرات	سید سلیمان ندوی	۱۶۲-۱۶۴
ترجمان القرآن اور "نجات و سعادت کی راہ"	سید ریاست علی ندوی	۱۶۵-۱۹۵
حکیم سنائی کے سنین عمر	سید سلیمان ندوی	۱۹۶-۲۰۳
"فلسفۂ فقار"	ڈاکٹر نواب سر امین جنگ بہادر کے سی آئی ای ایس ہی ایس آئی ایم اے ال ال ڈی، حیدرآباد دکن	۲۰۴-۲۰۹
حضرت شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی،	مولنا سید ابوظفر صاحب ندوی، سابق معلم عربی و فارسی ہمادیا لے احمد آباد گجرات،	۲۱۰-۲۲۳
ترکی اور مصر میں تعلیم جدید کی تحریک،	"ع ز"	۲۲۴-۲۲۸
مختصر نویسی کی مختصر تاریخ،	"	۲۲۸-۲۳۰
اخبار علمیہ	"ع"	۲۳۱-۲۳۴
ترانۂ شعراء	جناب اسعد ملتانی، بی اے،	۲۳۵-۲۳۶
"راحت کدہ"	جناب اثر صہبائی بی اے، ال ال بی،	۲۳۶-۲۳۷
مطبوعات جدیدہ	"ز"	۲۳۸-۲۴۰

شذرات

آج دنیا مین ہرطرف ترقی ترقی کی پکار ہے، مسلمان بھی ہر ملک مین اسی کی رٹ لگا رہے ہین، جہانتک لفظ کا تعلق ہے کسی کو اس سے اختلاف نہین، لیکن جب اس کے معنی کی توضیح چاہی جاتی ہے تو دفعۃً ہرطرف سے ذہنی بغاوتون کا مظاہرہ شروع ہوجاتا ہے، کوئی صاحب اس سے یورپین طرز تمدن وطرز معاشرت مراد لیتے ہین، کوئی فرقہ اس سے دولت وتمول کا مفہوم سمجھتا ہے، کوئی نئی تعلیم اور ڈگریون کی کثرت کو اسکا مرادف جانتا ہے، کوئی سیاسی سرگرمیون کو تنہا ترقی کہکر پکارتا ہے، کوئی اس سے صنعت وحرفت وتجارت کی طرف اشارہ کرتا ہے، کوئی "پرانے خیال کا آدمی" اس سے قرون اولی جیسی اخلاقی وروحانی حالت و کیفیت کی تعبیر کرنا چاہتا ہے، اور بہت سے نوجوانون کے نزدیک مستورات کی عریانی، اور ڈنر کے بعد محفل رقص وسرود کا نشاط اور یورپین تہذیب کے دیگر معائب کے مجموعہ کا نام ترقی ہے، غرض،

شد پریشان خواب من از کثرت تعبیرہا

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ترقی صرف اُس روح کا نام ہے جو قومون کو زندہ کرکے اُن کے ہر رگ وریشہ مین جد وجہد اور سعی وعمل کی تڑپ پیدا کردیتی ہے، وہ تمام قوم مین کسی متفقہ غرض کے حصول کی خاطر ہر قسم کی تکلیف ومشقت کی برداشت کی قوت پیدا کرتی ہے، ترقی کسی خاص مادی مظہر کا نام نہین، بلکہ یہ وہ بجلی ہے کہ جب کسی قوم کے افراد مین کوند جاتی ہے، تو ہر ایک کے دست وبازو مین اپنے فرائض کے بجالانے کی استعداد پیدا کردیتی ہے، اور قوم کے تمام قوی کو اپنے نشو ونما اور تکمیل کے لیے بیدار بنادیتی ہے، اور پوری قوم اپنے افراد کی مختلف استعدادون اور قوتون کی مجموعی کوششون سے زندگی اور عمل کے نئے قالب مین ڈھل جاتی ہے،

کسی کارخانہ مین ہم کوئی عظیم الشان انجن دیکھتے ہین، جسکا ہر پرزہ اپنی اپنی جگہ مختلف ضروری کام انجام دیرہا ہے، دفعۃً وہ انجن بگڑجاتا ہے، اب اناڑیون کا ایک گروہ اسکی مرمت اور اصلاح کے درپے ہے، کسی نے ایک پرزہ کو کھینچا، کسی نے

دوسرے پرزہ کو صاف کیا، کوئی کمین کا تسمہ پکڑ کر کھینچتا ہے، کوئی کسی اور پرزہ کو بے قاعدہ حرکت دیدینا چاہتا ہے، اور ہر ایک اپنے کام کو اپنی اصطلاح مین اصلاح و مرمت کہتا ہے، مگر کیا یہ بگڑا ہوا انجن اپنی اصلی قوت اور طاقت کے خزانہ کے بغیر صرف ظاہری چمک دمک، اور کھینچ کھانچ سے چل سکتا ہے؟

ہماری قومی ترقی کا بھی یہی حال ہے، دنیا مین یہودیون نے اور ہندوستان مین پارسیون نے یورپین تہذیب و تمدن کے ہر اچھے برے نمونہ کا چربہ اتارا، اور آج جو کچھ ہمارے نوجوان چاہتے ہین وہ سب کچھ انکے مردون اور عورتون نے انجام دیا، مگر کیا "ترقی" کے بلند آشیانہ تک کو وہ ان تدبیرون سے اپنے جال مین پھنسا سکے؟ وہ اب بھی وہی ہین جو پہلے تھے، دوستو! مظاہر کا نام ترقی نہین، ان مظاہر کے اصل روح و مصدر کا نام ترقی ہے، اب بتائیے کہ مسلمان قوم کی روح و مصدر کونسی قوت بن سکتی ہے؟ اسی کے جواب سے یہ لاینحل معاملہ حل ہو سکتا ہے،

ہر قوم کی تخلیق خاص قسم کے "معنویات" سے ہوئی ہے، غور کرنا چاہئے کہ مسلمان قوم کے معنویات کیا ہین، کیا بھارت ماتا کی محبت، کیا گائے کی تقدیس، کیا دولت کی چاہ، کیا جمشید و فریدون، اور رام و کرشن کی عقیدت، کیا گنگا اور جمنا اور نیل و فرات کی پرستش، نہین ان مین سے کوئی چیز نہین، بلکہ اُن سے مافوق، ایک واحد اعلیٰ برتر مقدس قادر علی الاطلاق ہستی کی عقیدت، اور ایک عالمگیر انسانی برادری کی مساوات، اور اس تعلیم کے تمام معلمین اور خصوصاً آخری معلم علیہم الصلوٰۃ کی محبت، اور انکی تعلیم پر عمل کا جذبہ اسلامی قوم کے معنویات ہین، اور انھین کا جوش و خروش ہمارے انجن کی اصلی طاقت اور قوت ہے، اب اگر ہم اسکو چھوڑ کر کسی اور طاقت سے زندگی پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہتے ہین، تو ضرور ہے کہ پہلے ان معنویات کو مٹا کر کوئی اور مقصد حیات اس کے سامنے رکھین، اور اس کو کسی اور قوم کے قالب مین بدل دین،

ہم نے حیرت کیساتھ سنا کہ مسلمان لڑکیون کے واحد کالج (علی گڈھ) مین "قاضی جوتپور" کا ڈراما کھیلا گیا، شکایت اسکی نہین ہے کہ ڈراما کیون کھیلا گیا، یہ تو ایک جزئی بات ہے، اصل شکایت جسکی ہے وہ یہ ہے کہ ہم مسلمان لڑکیون کے سامنے کس زندگی کو نمونہ بنا کر پیش کرتے ہین، اور کیا بننے کی ان کو ترغیب دے رہے ہین، اگر ہماری لڑکیان بہترین ایکٹریس، بہترین نواز اور بہترین موسیقی دان بنجائین تو آیا ہم نے تمدن کے محاسن کی نقالی کی، یا اس کے معائب کی، عیش و نشاط اور سرور و شادمانی

ترقی کی علامت نہیں، انحطاط کی ہے، آیئے اسلامی ہی تاریخ کی مثال دیں، ہندوستان کے اسلامی دورِ ترقی میں تغلق و خلجی اور بابر و ہمایون کے عہد میں یہ منظر آپ کو نظر آتا ہے، یا محمد شاہ رنگیلے، اور واجد علیشاہ جانعالم، اور عبداللہ تاناشاہ کے درباروں میں یہ تماشے دکھائی دیتے ہیں، پھر آپ کیا بننا چاہتے ہیں، اور کیا بنانا چاہتے ہیں، جو ہاتھ ابھی تیغ و تبر، اور تیر و تفنگ کے عادی نہیں ہوئے انکو رباب و بربط، اور ستار اور پیانو کا عادی بنانا، قوم کو موت و ہلاکت کا زہر ہلاہل پلانا ہے، کسی دشوار گذار سفر کے طے کئے بغیر بستر راحت پر آرام کی کوشش کرنا گناہ بے لذت کا ارتکاب ہے،

آیندہ معارف میں ایک نہایت اہم، دلچسپ اور مفید مضمون استاذ العلماء رشائع ہوگا، اور جو ملک کے نامور ادیب و مصنف و صاحبِ قلم نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے، کہنے کو تو یہ اس صدی کے ایک فاضل و نامور عالم (مولانا مفتی لطف اللہ صاحب مرحوم) کے سوانح حیات ہیں جنکی زندگی سے نصف صدی تک ہندوستان میں علم و فن کی گرم بازاری رہی، لیکن درحقیقت یہ ہماری پچھلی علمی و تعلیمی زندگی کا ایک صاف و شفاف آئینہ ہے جسمیں ہماری گذشتہ علمی تہذیب اور تعلیمی کیفیت کی ہر تصویر پوری صفائی کیساتھ نظر آئیگی، اور معلوم ہوگا کہ ہمارے عہد گذشتہ میں کیونکر ایک واحد شخصیت پوری یونیورسٹی کا کام دیتی تھی،

ہمارے صوبہ میں بلکہ پورے ہندوستان میں ریاست رامپور کا شاہی کتب خانہ اپنے نوادر کی کثرت، اور قلمی کتابوں کی فراوانی کے لحاظ سے بہت بڑی تاریخی دولت ہے، پچھلے سال اسکے لائق و امین ناظم حافظ احمد علی خانصاحب شوق کے پنشن لے لینے سے باہر کے لوگوں کو کتبخانہ کے لائق نگران کار کی علیحدگی کا افسوس تھا، مگر اب یہ دیکھکر بے انتہا مسرت ہوتی ہے کہ خود حضور نواب صاحب رامپور کو اپنے تاجِ ریاست کے اس قیمتی ہیرے کا بیحد خیال ہے، بعض لائق نگرانوں کا انتخاب ہوا ہے، کتبخانہ کی جگہ تنگ تھی، اب سرکار حال نے اس کے لیئے ایک نہایت عالیشان محل عطا فرمایا ہے، اور حکم دیا ہے کہ کتبخانہ کے شایانِ شان فرنیچر، الماریاں اور سامان فراہم کیئے جائیں، مولوی سید ابو محمد صاحب ریونیو منسٹر جو خود صاحب علم ہیں، وہ کتبخانہ کے افسر اعلیٰ منتخب ہوئے ہیں، اور سنا ہے کہ موصوف کتبخانہ کی ترقی میں پوری دلچسپی لیتے ہیں، چنانچہ کتبخانہ کی عربی کتابوں کی ایک دستی فہرست (ہینڈ لسٹ) تیار کرنے کا حکم انھوں نے دیا ہے، واقعی اس کتبخانہ کے لیے اب تک یہ بڑی کمی ہے کہ اس کا جدید طریق کا کیٹلاگ اب تک مرتب نہیں کیا جا سکا ہے، امید ہے کہ ادھر بھی توجہ مبذول ہوگی،

مقالات

ترجمان القرآن

اور

"نجات و سعادت کی راہ"

از

سید ریاست علی ندوی

آج سے ربع صدی پیشتر مولانا شبلی مرحوم نے جدید علم کلام کی تدوین کی ضرورت محسوس فرمائی، اور متکلمانہ مسائل کو جدید علوم اور ذہن انسانی کے نئے افکار سے مطابقت دیکر دو جلدوں میں پیش کیا، لیکن زمانہ روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے، مباحث بدلتے جاتے ہیں، اور اسی لحاظ سے مسلمانوں کے افکار و خیالات بھی نئی قالب اختیار کرتے جاتے ہیں،

جس زمانہ میں مولینا شبلی نے الکلام لکھی اوس عہد میں متکلمانہ مسائل پر جو شکوک و شبہات پیدا کئے جاتے تھے، وہ مسلمانوں کے حلقے کے بجائے غیر مسلموں کے دائرہ سے اوٹھتے تھے، مسلمانوں کے درمیان جو مسائل و مباحث دائر تھے، وہ فقہ کے مختلف مسائل رفع یدین، قرأۃ خلف الامام، اور اہل لغیر اللہ بہ کی تفسیر و تحقیق تھے، اور اگر متکلمانہ مسائل تھے، تو وہ بھی اسلامی علم کلام ہی سے پیدا شدہ مسائل، رؤیت باری تعالیٰ، امکان کذب باری تعالیٰ، اور علم غیب باری تعالیٰ وغیرہ پر مباحث ہوتے تھے لیکن رفتہ رفتہ ربع صدی میں جدید تعلیم اور روشنی سے ان مسائل کی جگہ دوسرے مسائل نے لے لی، مثلاً اب یہ مسائل پیدا ہو گئے ہیں کیا ایک فاسق و فاجر مسلم سے ایک نیکوکار غیر مسلم بہتر نہیں، کیا نجات کے لئے عمل شرط ہے، کیا نجات منحصر ہے صرف دین اسلام کے متبعین کے لئے، احادیث نبوی امر و نہیات شرعیہ کے ثبوت میں دخیل ہیں، قرآن میں نمازوں کا بیان کسطرح ہے؟ کیا روزوں کا مہینہ بھر رکھنا ضروری ہے، وغیرہ

موجودہ دور کے یہی مسائل ہین جنہین بعض افکار کی جھلک ایک مخلص سائل کو مولانا ابوالکلام آزاد کی "ترجمان القرآن" مین بھی نظر آئی، اور انھون نے مستفسرانہ حیثیت سے اپنے اعتراضات قلمبند کرکے ہمارے پاس بھیجے، جو جنوری ۱۹۳۳ء کے معارف مین پیش کئے جاچکے ہین، لیکن جیسا کہ اوسی مین اشارہ کردیا گیا تھا کہ سائل کے تشکک کسی قدر غلط فہمیون پر بھی مبنی ہین، تاہم یہ بھی حقیقت ہو کہ ترجمان القرآن مین بعض مقامات پر مباحث کی تشنگی باقی رہ گئی ہے، اور یا تو مصنف کو جو کچھ کہنا منظور تھا، اوسکو اجمال و تلمیحات کے پردہ مین اسقدر چھپایا کہ حقیقت مستور ہوگئی، یا محض اسلوب بیان کے اجمال سے تشکک و شبہات کی گنجایش باقی رہگئی، لیکن یہ مسائل ایسے نہین جو نظر انداز کردئے جائین، اسلئے مناسب ہے کہ ان پر صفائی سے گفتگو کرلیجائے، کہ ابھی ترجمان القرآن کی دوسری جلد زیر ترتیب ہو، مصنف کو ان مسائل پر دوبارہ غور کرنے یا اجمال کو تفصیل اور ابہام کو تصریح سے بدلدینے کا موقع ملجائے،

سائل نے اپنے مقالہ مین دو تشکلین پیش کی ہین،

۱- یہ کہ مصنف نے خدا کی ہستی کے اعتقاد کو فطرت انسانی کا ایک وجدانی احساس، اور انبیائے کرام کی تعلیمات کو نوع انسانی کے تدریجی سلسلۂ ارتقار کی کڑیان بتایا ہو، کہ جیسے جیسے ذہن انسانی ترقی کرتا گیا، الوہیت کے تصور مین بھی بتدریج ترقی ہوتی گئی،

۲- دوسری یہ کہ مصنف کے نزدیک تمام مذاہب اپنے اپنے طریقے پر سچے ہین، اور اصل دین "خدا پرستی" اور "نیک عملی" کی تلقین ہے، اور شرائع و منہاج کے اختلاف پر جو گروہ بندیان ہوگئی ہین، وہ اس تعلیم کے منافی ہین، اسلام نام ہے محض اوس عقیدہ کو قبول کرلینے کا،

موخرالذکر مسئلہ سے دو مسئلے اور پیدا ہوئے جو نتیجۃً ایک ہی ہین،

الف - اوس "اسلام" پر ایمان لانا ضروری نہین، جسے عرف عام مین "دین محمدی" کہتے ہین، یعنی کہ "اصل دین" مین رسالت محمدی کا اقرار ضروری نہین،

ب - جو بھی "خدا پرست" اور "نیک عمل" ہے، وہ ہر طرح نجات پائے گا، خواہ وہ رسالت محمدی کا اقرار کرے یا نہ کرے اور عام ازین کہ وہ اسلامی عبادات و مباحات و منہیات شرعیہ کا پابند ہو یا نہ ہو،

(۱)

ہمارے خیال مین ترجمان القرآن مین انبیاء کی تعلیم مین جو تدریجی ترقی بتائی گئی ہے، وہ توحید ربانی کی تعلیم مین نہین بلکہ وحدت الٰہی کی تعلیم کے بعد صفات الٰہی کی تعلیم مین ہے، سائل نے اس موقع پر جو تین آیتین لقد بعثنا فی کل امۃ رسولاً الآیۃ، وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ، الایہ، اور انا اوحینا الیک کما اوحینا الایہ، انہی شبہہ کی تائید مین پیش کی ہین، اون مین سے آخری آیت کا تعلق نہ توحید الٰہی سے ہے اور نہ صفات الٰہیہ سے، بلکہ اوس کا تعلق محض وحی و نبوت کے ثبوت سے ہی، اور باقی پہلی دونون مین توحید الٰہی کی تعلیم ہے، اور یہی کہا گیا ہے کہ تمام رسولون اور نبیون اور آنحضرت صلعم کی طرف بھی یہی پیغام ربانی آیا کیا کہ پرستش کے قابل ایک ہی ذات واحد ہے، جس کا نام اللہ ہے،

لیکن توحید الٰہی اور چیز ہے، اور اوس ذات واحد یعنی اللہ کا تصور دوسری چیز ہے، مسلمان اپنے متکلمانہ عقاید کے لحاظ سے بہ کثرت فرقون مین تقسیم ہین، ان تمام فرقون مین توحید الٰہی سب کا بنیادی عقیدہ ہے، مگر ذات باری کے تصور اور صفات الٰہیہ مین اون کے مختلف نظریے پیدا ہوئے، اس لئے اگر توحید الٰہی کا ثبوت وعدم، صفات الٰہیہ پر رکھا جائے تو اسلام کے مختلف فرقون نے صفات الٰہیہ کی تعبیر مین جو مختلف راہین اختیار کی ہین، اونہین کیا کہا جائے گا، "خدا پرستی" اور "توحید" بالکل ایک چیز نہین ہین، ہر "موحد" کا خدا پرست ہونا ضرور ہے لیکن ہر خدا پرست کا "موحد" ہونا لازم نہین،

اسی لئے فطرت انسانی مین ذات خدا کے تصور کے وجدانی احساس کے باوجود مذہب کی ضرورت باقی رہجاتی ہے، کہ انسانی فطرت مافوق الفطرت ہستی کو از خود تسلیم کرتی آئی ہے لیکن مذہب کا کام یہ رہا ہے، کہ اوس مافوق الفطرت ہستی کو یگانہ و بے ہمتا بتائے اور بہت سی ہستیون کا اعتقاد رکھنے کے بجائے صرف ایک ہی ہستی کی ضرورت جتلائے، ترجمان القرآن کی ذیل کی عبارتین وہ ہین، جن سے اس مفہوم کی تصدیق ہوتی ہے، ص۱۱ مین ہے:-

"قرآن سے پہلے فکر انسانی کی استعداد اس درجہ بلند نہین ہوئی تھی، کہ توحید فی الصفات کی نزاکتون اور پیچیدگیون کی متحمل ہوسکتی اسلئے مذاہب نے تمام تر توجہ فی الذات ہی پر دیا، توحید فی الصفات اپنی ابتدائی اور سادہ حالت مین چھوڑ دی"

اسی طرح ایک موقع پر ہے:-

پچھلے دورون مین نوعِ انسانی کی ذہنی استعداد اس درجہ شایستہ نہین ہوئی تھی، کہ تمثیلون کے بغیر حقیقت کا تصور پیدا کرسکتی، لامحالہ پیرایۂ تعلیم بھی تمام تر تشبیہ و مجاز پر مبنی ہوتا تھا، لیکن جب تعلیم اپنے درجہ کمال تک پہنچ گئی، تو تمثیلون کی ضرورت باقی نہ رہی، ضروری ہوگیا کہ اب حقیقت براہ راست اپنا جلوہ دکھلادے، (صـ۱۱۳)

(۳)

دوسرا مسئلہ یقیناً نہایت اہم ہے، اور اسمین ایک حدتک مصنف پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے مصنف نے "خدا پرستی اور نیک عملی" پر ایک طویل بحث کی ہے، اور بار بار یہی دکھایا ہے کہ اسلام نے تحزب و تشیع اور گروہ بندی سے روکا، انبیاء و رسل مین بعض کو ماننے اور بعض کو انکار کرنے سے باز رکھا، اور بلا تفریق قوم و ملک سب کو ایک ہی عقیدہ کے قبول کرنے کی دعوت دی یہی وہ عقیدہ ہے، جو ازل سے انسانون کے سامنے پیش ہوتا رہا، اور اسی کی تعلیم تمام مذاہب مین دیگئی،

بلاشبہہ اسلام یعنی دین محمدی کی اصل حقیقت اور نبوت محمدی کی اصل دعوت، اس کے سوا کچھ نہین، اور یہی اوسکا منشا رہا کہ خدا پرستی سارے عالم مین پھیل جائے اور ساری انسانی آبادی نیک عملیون سے معمور ہوجائے اور دنیا کے تمام رسولون اور پیغمبرون کو سچا اور راست باز تسلیم کیا جائے،

لیکن اسلام کی اس تعلیم کو بظاہر دو مختلف نقطہ ہائے نظر سے پیش کیا جاسکتا ہے،

اولاً یہ کہ اسلام یہود و نصاریٰ سے خطاب کرنے کے علاوہ کہ تحزب و تشیع سے کنارہ کش ہوکر دین فطرت یعنی دین حنیف ملت ابراہیم کے سامنے اگر جھک جاؤ، اپنے متبعین کو بھی یہ گوش گذار کردیتا ہے کہ اس راہ مین نسل و قومیت اور فلان ابن فلان کی شنوائی نہین، ایمان و عمل کا ذخیرہ ساتھ لاؤ، نجات و سعادت کے دروازے کھلے پاؤ گے،

دوسرا نقطۂ نظر اس روش سے جداگانہ ہے، اور وہ محض مذاہب کے خلاف پھیلائے ہوئے غلط پروپگنڈے سے اپنے دامن بچانے کیلئے ہے یعنی کہ اسلام کو گروہ بندیون سے کوئی علاقہ نہین، وہ تمام مذاہب کی سچائیون کا ماننے والا ہے، (اور ان سچائیون سے اصل مقصود تو وہ ہون جنھین موجودہ مذاہب نے کھودیا ہے، مگر اون کا اطلاق مذاہب کی موجودہ گمراہیون پر بھی ہونے دیا جائے اور اس غلط اطلاق کی جانب سے چشم پوشی کرلیجائے،) اور ہر صحیح العقیدہ انسان پر فلاح و سعادت کا دروازہ کھولنے والا ہے، خواہ

انسان جس طریق اور جس مذہب کا پابند ہو جس طور پر عبادت کرتا ہو جن مباحات سے بے پروا اور جن منہیات سے ملوث ہو یہ محض سُبل و طُرق کا اختلاف ہے، نجات کے لئے یہ محض بس ہے، کہ وہ خدائے واحد کا عقیدہ رکھتا ہے، اور انسانی آبادیوں میں ایک روادار اور اخلاقی محاسن سے ایک متصف انسان ہے،

یہ اتفاقی بات ہے کہ سائل کی ترجمان القرآن کے مطالعہ سے اسی دوسرے مفہوم کی طرف رہنمائی ہوئی لیکن ہم نے ترجمان القرآن دیکھی ہمیں بہ ظاہر اس میں وہی پہلا نقطۂ نظر زیادہ نمایاں نظر آیا، تاہم ہم سائل کو بھی اس دوسرے مفہوم کے سمجھنے میں مورد الزام نہیں قرار دے سکتے کہ اوسکی کچھ نہ کچھ ذمہ داری مصنف کے طرز بیان پر بھی عاید ہوتی ہے، بہرحال پہلے ہمیں ترجمان القرآن کی عبارتوں سے یہی دیکھنا ہے، کہ مصنف کا اصل مقصود بہ ظاہر کیا نظر آتا ہے،

اس سلسلۂ بحث میں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ جب مصنف نے نجات وسعادت کو خدا پرستی اور نیک عملی پر موقوف کیا ہے تو اس کے نزدیک نفس "خدا پرستی" اور نیک عملی کیا ہے چنانچہ ترجمان القرآن میں ایک موقع پر خدا پرستی اور نیک عملی کو قرآن مجید کی ذیل کی ایک آیت سے بایں طور سمجھایا گیا ہے:-

پھر اسی سورہ میں آگے چل کر صاف صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے، کہ اصل دین کیا ہے اور کن باتوں سے ایک انسان دین کی سعادت و فلاح حاصل کر سکتا ہے وہ کہتا ہے دین محض اس طرح کی باتوں میں نہیں دھرا ہے، کہ ایک شخص نے عبادت کے وقت پچھم کی طرف منہ کر لیا یا پورب کی طرف، اصل دین تو یہ ہے کہ دیکھا جائے خدا پرستی اور نیک عملی کے لحاظ سے ایک انسان کا کیا حال ہے، پھر تفصیل سے بتلایا ہے، کہ خدا پرستی اور نیک عملی کی اصلی باتیں کیا کیا ہیں"

لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب. ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر والملٰئکۃ والکتب والنبین. واتی المال علی حبہ ذوی القربی	اور (دیکھو) نیکی یہ نہیں کہ تم نے (عبادت کے وقت) اپنا منہ پورب کی طرف اور پچھم کی طرف کر لیا (یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات ظاہری رسم اور ڈھنگ کی کر لی) نیکی کی راہ تو اسکی راہ ہے، جو اللہ پر آخرت کے دن پر

والنبیین وآتی المال علی حبه ذوی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب. واقام الصلوٰة وآتی الزکوٰة. والموفون بعهدهم اذا عاهدوا والصابرین فی البأساء والضراء وحین البأس اولئك الذین صدقوا واولئك هم المتقون (۲ : ۱۷۷)

ملائکہ پر اللہ کی تمام کتابوں اور نبیوں پر ایمان لاتا ہو، اپنا مال محبوب رشتہ داروں یتیموں مسکینوں مسافروں اور سائلوں کی راہ میں اور غلاموں کے آزاد کرانے میں خرچ کرتا ہے، نماز قائم کرتا ہے زکوٰۃ ادا کرتا ہے، قول و قرار کا پکا ہوتا ہے تنگی اور مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف و ہراس کا وقت ہر حال میں صابر اور ثابت قدم رہتا ہے، (سو یا دیکھو) ایسے ہی لوگ ہیں جو (اپنی دینداری میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو برائیوں سے بچنے والے انسان ہیں،

"جس کتاب پر تیرہ سو برس سے یہ آیت موجود ہے اگر دنیا اوسکی دعوت کا مقصد اصلی نہیں سمجھ سکتی، تو پھر کونسی بات ہے جسے دنیا سمجھ سکتی ہے،، (ص ۱۳۵، ۱۳۶)

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے، کہ مصنف کے نزدیک دین کی اصل حقیقت کیا ہے یعنی خدا پرستی و نیک عملی میں اللہ آخرت ملائکہ کتب اور انبیاء پر ایمان لانا نماز پڑھنا زکوٰۃ دینا اور دوسرے نیک کام کرنا ضروری ہیں اس لئے سائل کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ مصنف ترجمان القرآن کے نزدیک نجات کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ

"ایمان کو کسی خاص شرط سے مقید کیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملائکہ، کتب الٰہی انبیائے کرام اور آخرت پر بھی اسی شکل میں ایمان لایا جائے جس شکل میں قرآن نے پیش کیا ہے اور نبی اکرم نے کرکے دکھایا،"

اس لئے ہمارے خیال میں ترجمان القرآن میں تحریب تشیع اور گروہ بندی کے خلاف اس لئے آواز اٹھائی گئی ہے کہ اون لوگوں کو چونکایا جائے جو عمل کی پاداش سے بے خوف ہو کر محض گروہ بندی اور ایک مذہب میں محض داخل ہو جانے پر تکیہ کرکے مذہب گئے ہیں، درحقیقت کتاب مذکور کی ذیل کی عبارت سے واضح ہوتی ہے:-

یعنی دین سے مقصود تو خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ تھی جسکی تفصیل اوپر گذر چکی، وہ کسی خاص حلقہ بندی کا نام نہ تھا کوئی

انسان ہو کسی نسل و قوم سے ہو، کسی نام سے پکارا جاتا ہو، لیکن اگر خدا پرست اور نیک عمل ہے تو دین الٰہی پر چلنے والا ہے، اور اور اس کے لئے نجات ہے، لیکن یہودیوں اور عیسائیوں نے ایک خاص طرح کی نسلی اور جماعتی گروہ بندی کا قانون بنا دیا،..... جو اس میں داخل ہے صرف وہی سچائی پر ہے، اور صرف اوسی کے لئے نجات ہے، جو اس سے باہر ہے، اس کا سچائی میں کوئی حصہ نہیں اور نجات سے قطعاً محروم ہے، باقی رہا عمل تو اس کا قانون یک قلم غیر مؤثر ہو گیا ہے، ایک شخص کتنا ہی خدا پرست اور نیک عمل ہو لیکن اگر یہودیت کی نسلی گروہ بندی یا مسیحیت کی جماعتی گروہ بندی میں داخل نہیں تو اوسے کوئی یہودی اور عیسائی ہدایت یافتہ انسان تسلیم نہیں کر سکتا، لیکن ایک سخت سے سخت بدعمل انسان بھی نجات یافتہ سمجھ لیا جائے گا، اگر ان گروہ بندیوں میں داخل ہو گا....." (صفحہ ۱۴۱)

اور اسی طرح اس بحث کے خاتمہ میں ہے:-

اسی طرح وہ سورۂ بقرہ میں بار بار کہتا ہے، دین الٰہی عمل کا قانون ہے اور ہر انسان کے لئے وہی ہوتا ہے جو اسکے عمل کی کمائی ہے، یہ بات کہ ایک گروہ میں بہت سے نبی اور برگزیدہ انسان ہو چکے ہیں، یا نیک انسانوں کی نسل میں سے ہے یا کسی پچھلی قوم سے رشتۂ قدامت رکھتا ہے، نجات و سعادت کے لئے کچھ سود مند نہیں،

تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون (۲: ۱۳۴)

یہ ایک امت تھی، جو گذر چکی، اسکے لئے وہ تھا جو اوس نے اپنے عمل سے کمایا اور تمھارے لئے وہ ہے جو تم اپنے عمل سے کماؤ، ان کے کاموں کے لئے تم سے باز پرس نہ ہو گی

اس اقتباس اور نیز ترجمان القرآن کے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں جو مباحث پھیلے ہوئے ہیں، انھیں بنظر امعان دیکھ لینے کے بعد اصولاً یہ سوال پیدا نہ ہونا چاہئے، کہ مصنف کے نزدیک کسی انسان کا اس اسلام پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، کہ نہیں، جسے عرف عام میں "دین محمدی" کہتے ہیں، کیونکہ ترجمان القرآن کی عبارتوں اور آیتوں سے واضح طور پر یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے، لیکن پھر اس کے باوجود اس سوال کے چھیڑنے کی ضرورت اس لئے پڑ جاتی ہے، کہ باوجود یکہ یہ اس قدر واضح حقیقت تھی لیکن ساری تفسیر میں کہیں پر بھی اس کو تصریح کے ساتھ واضح الفاظ میں ظاہر نہیں کیا گیا، اور تفسیر کا جو اسلوب بیان ہے اور ایک آدھ

جگہ طرز ادا مین جو عموم ہے اس سے اشتباہ ہو جاتا ہے، کہ مصنف کے ذہنی رجحانات شاید اسی طرف مائل ہون کہ ایک خدا ترس و پاکباز انسان کے لئے رسالت محمدی کا اقرار اور دین محمدی کا قبول کرنا کوئی امر ضروری نہین، اسلئے مناسب ہے کہ پہلے ہم اس مسئلہ پر ترجمان القرآن ہی کے بیانات کی روشنی مین نظر ڈالین،

ترجمان القرآن مین "تفریق بین الرسل" کو اکثر جگہ موجب کفر قرار دیا گیا ہے، اور ص ۱۵۰، ۱۵۱ وغیرہ مین متعدد ایسی آیتین پیش کی ہین جن مین تفریق بین الرسل سے روکا گیا ہے، اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک مسلمان کسی رسول کی تکذیب کرتا یا کر سکتا ہے، اس لئے موجودہ دور مین اس بیان کے مخاطب وہی لوگ ہو سکتے ہین، جو محمد صلعم کی رسالت کا انکار کرتے ہین چنانچہ ص ۱۵۲ مین ہے:-

"چنانچہ اوس نے جا بجا تفریق بین الرسل کی راہ کو انکار کی راہ قرار دیا ہے، اور "ایمان" کی راہ یہ تبلائی ہے، کہ بلا تفریق سب کی تصدیق کیجائے، وہ کہتا ہے، یہان راہین صرف دو ہی ہین تیسری نہین ہو سکتی "ایمان" کی راہ یہ ہے کہ سب کو مانو "انکار" کی راہ یہ ہے کہ سب کا یا کسی ایک کا انکار کرو، یہان کسی ایک کا انکار بھی وہی حکم رکھتا ہے، جو سب کے انکار کا ہے،

ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون	جو لوگ اللہ اور اوس کے پیغمبرسے برگشتہ ہین اور چاہتے ہین
ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون	اللہ اور اوس کے رسولون مین تفرقہ کرین (یعنی کسی کو خدا
نومن ببعض ونکفر ببعض ویریدون	کا رسول مانین کسی کو نہ مانین)، اور کہتے ہین ان مین سے بعض کو
ان یتخذوا بین ذالک سبیلا. اولئک	ہم مانتے ہین اور بعض کا انکار کرتے ہین، اور پھر اس طرح چاہتے
ھم الکافرون حقا. واعتدنا	ہین، کہ کفر اور ایمان کے درمیان کوئی تیسرا راستہ اختیار کرین
للکفرین عذابا مھینا والذین	تو یقین کر لو یہی لوگ ہین کہ اون کے کفر مین کوئی شک نہین
آمنوا باللہ ورسلہ ولم یفرقوا	اور جن لوگون کی راہ کفر کی راہ ہے تو اون کے لئے رسوا کن
بین احد منھم اولئک	عذاب تیار ہے، لیکن جو لوگ اللہ اور اوس کے تمام پیغمبرون

سوف یؤتیهم اجورهم وکان اللہ غفورا رحیما۔

پر ایمان لائے اور کسی ایک پیغمبر کو بھی دوسروں سے جدا نہیں کیا، (یعنی کسی ایک کی سچائی سے بھی انکار نہیں کیا) تو ملا شبہہ یہی لوگ ہیں جنھیں عنقریب اللہ ان کے اجر عطا فرمائیگا! اور وہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے"

کیا "الرسل" تمام پیغمبرون "میں محمد رسول اللہ (صلعم) داخل نہیں اور کیا انکا انکار "تفریق بین الرسل نہ ہوگا، اور معلوم ہو چکا کہ تفریق بین الرسل "انکار" یعنی "کفر" کی راہ ہے، جو ایمان کے مقابل و مخالف ہے، اس لئے ایسا شخص اس اقتباس کے رو سے بھی گمراہ و غیر مومن ہوگا، کہ "کسی ایک کا انکار بھی وہی حکم رکھتا ہے، جو سب کے انکار کا ہے"

اسمیں شبہہ نہیں کہ قرآن بار بار اس حقیقت کو دہراتا ہے، کہ اسلام کوئی نئی چیز نہیں، یہ محض ملت ابراہیم کا احیا ہے اور ملت ابراہیمی کے بعد جسقدر فرقے اور مذاہب پیدا ہوگئے ہیں، ان کی ضرورت نہیں اب کوئی نہ یہودی رہا، نہ نصرانی، کوئی موسوی رہا نہ عیسائی، اسی طرح کسی کو "محمدی" ہو کر رہنے کا بھی حق نہیں، اسلام نام ہے ملت ابراہیم کا، محمد رسول اللہ صلعم جنکی بشارت اپنے اپنے زمانوں میں تمام انبیاء دیتے آئے اب مبعوث ہو چکے، وہ ملت ابراہیمی کا احیا کرتے ہیں، اب یہی دین ہے جو ہمیشہ سے انبیاء کا دین رہا اور اسی کی تبلیغ کی جاتی رہی لیکن اس حقیقت کو اہل مذاہب فراموش کرتے رہے، اور اب قرآن کے ذریعہ وہی دائمی حقیقت پھر دنیا میں نازل کی گئی، اور حق اسی میں منحصر ہے، اسمیں بھی شبہہ نہیں کہ مشترک سچائیاں تمام مذاہب یہود و نصاریٰ وغیرہ میں موجود تھیں لیکن زمانہ کی امتداد سے وہ سچائیاں گم ہو چکی ہیں، اس لئے اب کوئی بھی دوسرا دین قائم نہیں جتنی سچائیاں بھی تھیں وہ بہیئت کذائی اسلام میں اکٹھی کر دی گئیں، اب اسی کی پیروی میں نجات اور سعادت کی راہ ہے، اسی مفہوم کو ترجمان القرآن میں ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے

"سوال یہ ہے کہ جب دین کی راہ ایک ہونے کی جگہ بے شمار جتھوں اور ٹولیوں میں تقسیم ہو گئی، اور ہر جتھا ایک ہی طریقہ پر سچائی کا مدعی ہے اور ایک ہی طریقہ پر دوسروں کو جھٹلاتا ہے، تو اب اس بات کا فیصلہ کیونکر ہو، کہ فی الحقیقت سچائی کہاں ہے؟ قرآن کہتا ہے، سچائی اصلاً سب کے پاس ہے، مگر عملاً سب نے کھو دی ہے، سب کو ایک ہی دین کی تعلیم دی گئی تھی، اور سب کے لئے ایک ہی عالمگیر قانون ہدایت تھا، لیکن سب نے اصل حقیقت ضائع کر دی" (ص ۱۴۲)

اور پھر دوسری جگہ اسی کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے:-

"یہ جو قرآن جا بجا اس بات پر زور دیتا ہے، کہ وہ پچھلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جھٹلانے والا نہیں ہے، اور اہل کتاب سے بار بار کہتا ہے وامنوا بما انزلت مصدقا لما معکم (۲:۴۱) اور کتاب پر ایمان لاؤ جو تمھاری کتاب کی تصدیق کرتی ہوئی نمایاں ہوئی ہے تو اس سے مقصود بھی اسی حقیقت پر زور دینا ہے یعنی جب میری تعلیم تمھارے مقدس نوشتوں کے خلاف کوئی نئی بات پیش نہیں کرتی، اور نہ اون سے تمھیں منحرف کرانا چاہتی ہے، بلکہ برابر انکی مصدق اور مؤید ہے، تو پھر تم میں اور مجھ میں نزاع کیوں ہے کیوں تم میرے خلاف اعلان جنگ کر دو" (ص ۱۵۵)

اب چونکہ دوسرے مذاہب کی تمام گمشدہ سچائیاں اسی قرآن میں مل سکتی ہیں، اس لئے اس پر ایمان لانا ضروری قرار پایا، ورنہ گمشدہ سچائیاں کہیں ہاتھ نہ آئیں گی، اور انسان اس کے بغیر گم گشتہ راہ رہیگا، چنانچہ مصنف نے "الاسلام" کی تفسیر کا خاتمہ اس آیت پر کیا ہے،

وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ و لا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذلکم وصکم بہ لعلکم تتقون۔ (۶:۱۵۵)	اور دیکھو یہ میری راہ ہے، بالکل سیدھی راہ، پس اسی ایک راہ پر چلو اور طرح طرح کی راہوں کے پیچھے نہ پڑ جاؤ، وہ تمھیں خدا کی راہ سے ہٹا کر جدا جدا کر دیں گی، یہی بات ہے جس کا خدا تمھیں حکم دیتا ہے تاکہ تم زندگی پاؤ۔ (ص ۱۵۹)

یہیں سے آشکارا ہو جاتا ہے، کہ دین محمدی ہی کا وہ راستہ ہے جس نے تمام راستوں کو سمیٹ کر ایک شاہراہ عام تیار کر دی اب تمام راستے (السبل) بند ہو چکے ہیں، اب "حق پرست" کا فرض ہے کہ اسی شاہراہ عام پر گامزن ہو، (فاتبعوہ) اور تمام چھوٹے چھوٹے راستے مسدود ہو جائیں، اور اون پر چلنا موقوف ہو جائے (ولا تتبعوا السبل) ورنہ الاسلام تک پہنچانے والا طریقہ تم سے چھوٹ جائیگا اور خدا پرستی کا جذبہ تمھارے دلوں میں پیدا نہ ہو سکیگا، کہ اس صراط محمدی (صراطی) کے بجز تمام راستے تمھیں خدا سے بھٹکا دیں گے،

(فتفرق بکم عن سبیلہ)

چنانچہ پوری بحث کے خاتمہ پر اسی آیت کو پیش کرکے ذیل کی تفسیر لکھی ہے:

"چنانچہ یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے جب "صراطِ مستقیم" کی اوس تفسیر پر نظر ڈالی جائے، جو پیغمبر اسلام (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمائی ہے،

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی سے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا، یوں سمجھو کہ یہ لکیر اللہ کا ٹھہرایا ہوا راستہ ہے، بالکل سیدھا، اس کے بعد اس لکیر کے دونوں طرف بہت سی ترچھی لکیریں کھینچ دیں اور فرمایا یہ طرح طرح کے راستے ہیں جو بنا لئے گئے ہیں، اور ان میں سے کوئی راستہ نہیں جسکی طرف بلانے کے لئے ایک شیطان موجود نہ ہو پھر یہ آیت پڑھی، وان ھذا صراطی مستقیما (الی آخرہ)،

اس سے معلوم ہوا، تمام ادھر اودھر کے ٹیڑھے ترچھے راستے "سبل متفرقہ" ہیں، جو جمعیت بشری کو متحد کرنیکی جگہ متفرق کر دیتے ہیں، اور درمیان کی ایک سیدھی راہ "صراطِ مستقیم" ہے، یہ متفرق کرنے کی جگہ تمام رہروانِ منزل کو ایک ہی شاہراہ عام پر جمع کر دیتی ہے"

یہ سبل متفرقہ کیا ہیں، اوسی گمراہی کا نتیجہ ہیں، جسے قرآن نے "تشیع و تحزب" کی گمراہی سے تعبیر کیا ہے اور تشریح اوسکی اوپر گذر چکی اور رسالت کے اقرار کو آغاز بحث میں ان کھلے الفاظ میں ظاہر کیا جا چکا،۔

"پیغمبر اسلام نے اپنی تعلیم کا بنیادی کلمہ جو قرار دیا ہے، سب کو معلوم ہے، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ... اس اقرار میں جسطرح خدا کی توحید کا اعتراف کیا گیا ہے، ٹھیک اوسی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی اور دربارِ رسالت کا بھی اعتراف ہے..... کوئی شخص دائرۂ اسلام میں داخل ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ خدا کی توحید کی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی کا بھی اقرار نہ کرلے (ص ۱۹)

ان اقتباسات سے واضح ہو جاتا ہے، کہ مصنف کے نزدیک بھی پیغمبر اسلام کی رسالت کا اقرار ضروری ہے، اب یہی ایک سیدھا راستہ منجانب اللہ انسانوں کے لئے باقی رہ جاتا ہے، جسے صراط محمدی (صراطی) کہتے ہیں، اسلئے اس کہنے کے معنی

کہ ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی سے کاربند ہو جائے، یہی ہے کہ اسلام کا بتایا ہوا راستہ اختیار کر لیا جائے، کہ بقول مصنف جتنے مذاہب تھے وہ سب اپنی سچائیوں کو گم کر چکے ہیں، اسلئے درحقیقت ان دونوں بیانوں میں کوئی تضاد نہیں ہے جو کچھ فرق ہے وہ نظری و عملی کا ہے، نظری طور پر تو یہی صحیح ہے کہ ہر گروہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر کاربند ہو جائے، لیکن مذاہب کی تعلیمات اس قدر مسخ ہو چکی ہیں کہ عملی طور پر کسی مذہب میں اوسکی تمام سچائیاں اور حقیقی تعلیمات کا ملنا محال ہے اور اسی لئے خدا نے نزول قرآن کے وقت تمام مذاہب کی سچائیاں اسی میں نئے سرے سے جمع کر دیں اور بتا دیا کہ تمام راستوں کو ترک کر کے صراط مستقیم کا اتباع کر لو،

اسی لئے قرآن مجید میں جا بجا مختلف اہل مذاہب کو نام بنام مخاطب کر کے اون کو قرآن مجید پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، سورۂ آل عمران میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کو نبوت محمدی کے قبول کرنے کی ان الفاظ میں دعوت ہے

وقل للذین اوتوا الکتاب والامیین ءاسلمتم	اور اے پیغمبر ان کو جن کو کتاب دی گئی، اور عرب کے جاہلوں
فان اسلموا فقد اهتدوا۔	کو کہہ کیا وہ اسلام لائے، اگر اسلام لائے تو وہ تھوں نے
(آل عمران ۶)	سیدھی راہ پائی،

سورۂ بقر میں اس سے زیادہ تفصیل سے یوں ہے،

قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل	(اے مسلمانو!) کہو کہ ہم اللہ پر اور جو ہم پر اترا اور جو ابراہیم
الی ابراهیم واسمٰعیل و	پر اور اسمٰعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور اون کی
واسحاق ویعقوب والاسباط	اولاد پر اترا، اور جو موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور سب پیغمبروں
وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما	کو اون کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا اس پر ایمان
اوتی النبیون من ربهم لا	لائے ہم اون میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم
نفرق بین احد منهم ونحن له	اسی خدا کے مسلم یعنی فرمانبردار ہیں، تو اگر وہ (اہل کتاب)
مسلمون فان امنوا بمثل ما امنتم	بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے تو

بہ فقد اھتدوا۔ وان تولوا	اونھوں نے سیدھی راہ پائی، اور اگر وہ اس سے باز رہے تو
فانما ھم فی شقاق۔	وہ محض ضد میں ہیں،

ان آیتوں سے واضح ہوگیا کہ یہود و نصاریٰ کے لئے بھی ہدایت کا راستہ "اسلام" ہے کوئی اور نہیں،

سورۂ نساء میں اونھیں وعید کے ساتھ ایمان کی یوں دعوت دی گئی،

یا ایھا الذین اوتوا الکتاب آمنوا بما نزلنا مصدقا	اے وہ لوگ جنھیں کتاب دیگئی، ایمان لے آؤ (قرآن پر)
لما معکم من قبل ان نطمس وجوھا	جس کو ہم نے نازل کیا، جو تصدیق کرتا ہے اوسکی جو
فنردھا علی ادبارھا او نلعنھم کما لعنا	تمھارے پاس ہے قبل اس کے کہ ہم مٹا ڈالیں ہوں
اصحاب السبت (نساء ۷)	کو پھیر دیں اون کو پیچھے کی طرف، یا اون کو لعنت کریں

اس کے بعد ذیل کی وہ آیت ہے جسمیں لازمی طور پر تمام روئے زمین کے انسانوں کو رسالت محمدی کا اقرار کرنے اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی،:-

قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا	کہدے اے پیغمبر کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف
الذی لہ ملک السموات والارض لا	اوس خدا کا رسول بنکر آیا ہوں جس کی آسمانوں اور
الہ الا ھو یحیی ویمیت فامنوا باللہ و	زمین کی شہنشاہی ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں وہی
رسولہ النبی الامی الذی یومن باللہ	جلاتا اور وہی مارتا ہے، سو اللہ اور اس کے اس اپنے
وکلمتہ واتبعوہ لعلکم تھتدون	پیغام رسان رسول پر ایمان لاؤ، جو اللہ پر اور اوسکی
(اعراف ۱۹)	باتوں پر ایمان رکھتا ہے، اور اس رسول کی پیروی

لیکن اگر ایک شخص رسالت محمدی اور قرآن کے کتاب برحق ہونے کا بھی عقیدۃً قائل ہو مگر اس "شرع و منہاج" پر جسکو قرآن نے قائم کیا ہے، یا جسکو محمد رسول اللہ صلعم کے انتساب سے "شریعت محمدی" کہا جاتا ہے، عقیدۃً عملاً پیرا ہونا ضروری نہیں سمجھتا ہو، گویا سادہ الفاظ میں یوں کہا جائے کہ وہ اسلام کو بھی ایک دین حق سمجھتا ہو اور اپنے طور پر کسی دوسرے طریق پر ہو تو

کیا قرآن کی تعلیمات اوس سے اسکا مطالبہ نہین کرتین،

یہی وہ سوال ہی جس کا سراغ ہمین ترجمان القرآن کی عبارتون مین اشارۃً کنایۃً بھی نہین ملتا، بلکہ مصنف کے قلم کے پوشیدہ رجحانات کچھ اور غمازی کرتے ہین، اور معلوم ہوتا ہے، کہ وہ آنحضرت صلعم کی رسالت کے اقرار مین فرق کرتے ہین، وہ اپنے خدا پرست دنیکوکار انسان کے لئے یہ تو ضروری سمجھتے ہین کہ وہ دین اسلام کو بھی ایک دین حق تسلیم کرے، اور ان معنون مین وہ رسالت محمدی کا قائل ہو لیکن یہ ضروری نہین سمجھتے کہ رسالت محمدی کا اقرار کرکے شریعت محمدی کا بھی وہ اتباع کرے، یہی وجہ ہی کہ ایسے موقعون پر اصل مسلک کے اظہار کے بجائے "عالمگیر اخوت"، "عمومی رواداری"، اور "وسعت نظر" وغیرہ جیسے الفاظ اون کے قلم سے ٹپک پڑے ہین،

لیکن پھر "وسعت نظر" پیدا کرانے اور رواداری کی تلقین کرنے کیلئے قرآن مجید کی جن آیتون سے استشہاد کیا گیا ہی، وہ مصنف کے مقصد پر حاوی نہین ہوتین، اوس کی ایک واضح مثال ذیل کے اقتباس مین نظر آتی ہے، اسمین دکھایا جاہا ہے کہ اختلاف فکر و عمل طبیعت انسانی کا قدرتی خاصہ ہے اس لئے شرعۃ و منہاج مین اختلاف ہونا ضروری ہے، فرماتے ہین:-

"چنانچہ ایک موقع پر خود پیغمبر اسلام (صلے اللہ علیہ وسلم) کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہتا ہی، تم جوش دعوت مین چاہتے ہو، تمام لوگون کو راہ حق دکھلا دو، لیکن تمھین یہ بات نہین بھولنی چاہیے، کہ اختلاف فکر و عمل طبیعت انسانی کا قدرتی خاصہ ہے، تم بجبر کسی کے اندر ایک بات نہین اوتار دیسکتے،

ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم جمیعاً افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین (۱۰ : ۹۹)	اگر تمھارا پروردگار چاہتا تو زمین مین جتنے بھی انسان ہین سب ایمان لے آتے (لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اوسکی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ ہر انسان اپنی اپنی سمجھ اور اپنی اپنی راہ رکھے) پھر کیا تم چاہتے ہو کہ لوگون کو مجبور کردو کہ مومن ہو جائین،

وہ کہتا ہی انسان کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ ہر جماعت کو اپنا ہی طور طریقہ اچھا دکھائی دیتا ہی وہ اپنی باتون کو دوسرون کی مخالفانہ نگاہ سے نہین دیکھ سکتی، جسطرح تمھاری نظر مین سب سے بہتر راہ تمھاری راہ ہی ٹھیک اسیطرح دوسرون کی

نظر میں سب سے بہتر راہ انکی ہو، پس اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس بارہ میں رواداری اور وسعت نظر سے کام لیا کرو،

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ	اور (دیکھو) جو لوگ خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کو
فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم کذلک	پکارتے ہیں، تو تم انہیں برا نہ کہو، کیونکہ نتیجہ یہ نکلے گا
زینا لکل امۃ عملھم ثم الی ربھم	کہ وہ لوگ بھی از راہ جہل و نادانی خدا کو برا بھلا کہنے
مرجعھم فینبئھم بما کانوا یعملون	لگیں گے (یاد رکھو) ہم نے انسان کی طبیعت ہی ایسی
(۶ : ۱۰۸)	بنائی ہے، کہ ہر گروہ کو اپنا ہی عمل اچھا دکھائی دیتا
	ہے، پھر بالآخر سب کو اپنے پروردگار کی طرف
	لوٹنا ہے، اور وہیں ہر گروہ پر اس کے اعمال کی حقیقت

لیکن اب ان دونوں آیتوں کو اپنے سیاق و سباق کے ساتھ دیکھیں سورۂ یونس کی پوری آیت یوں ہے:-

ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم	اور اگر تیرا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ روئے زمین پر ہیں
جمیعا افانت تکرہ الناس حتی یکونوا	سبکے سب ایمان لے آتے، تو کیا تم لوگوں کو مجبور کرسکتے
مومنین وما کان لنفس ان تومن الا باذن	ہو کہ وہ ایمان لے آویں، کسی نفس کے لئے نہیں کہ وہ
اللہ ویجعل الرجس علی الذین لا یعقلون (یونس ۱۰۰)	ایمان لاوے، بغیر اللہ کے حکم کے، اور خدا ڈالتا ہے

مصنف نے اس آیت کا جو ترجمہ کیا ہے، اور ترجمہ کے اندر قوسین میں جو یہ عبارت بڑھائی ہے:-

"لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اوس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ ہر انسان اپنی اپنی سمجھ اور اپنی اپنی راہ رکھے"

اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف سے ہر انسان کو اپنی اپنی راہ اور اپنی اپنی سمجھ یعنی اپنی اپنی شرعۃ و منہاج کے رکھنے کا اختیار دیا جا رہا ہے، اور آنحضرت صلعم کو بتایا جا رہا ہے کہ "اختلاف فکر و عمل طبیعت انسانی کا قدرتی خاصہ ہے"، لیکن پوری

لہ آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے "اور لوگ خدا کو چھوڑ کر جن دوسرے معبودوں کو پوجتے ہیں، اون کو برا نہ کہو" امام طبری وغیرہ تمام اہل تفسیر نے متفقاً یہی کہا ہے اور یہی اس آیت پاک کا واحد منشا ہے (سید ریاست علی)

آیت کے محض لفظی ترجمہ پر بامعان نظر ڈالنے سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ قوسین میں اس فقرہ کا اضافہ برمحل نہیں ہے، بلکہ اوس کے برخلاف جیسا کہ مفسرین کا عام اتفاق ہے آنحضرت صلعم کے ملول ہونے پر اونھیں طمانیت و سکون رکھنے کی ہدایت فرمائی جارہی ہے، اور آخر میں کہا جارہا ہے کہ ویجعل الرجس علی الذین لا یعقلون اگر اس آیت میں اپنی اپنی راہ رکھنے کی اجازت دیجاتی یا اوس سے چشم پوشی کرنے کی ہدایت ہوتی، تو اس "رجس" کی لعنت اور "عذاب" کی وعید کیوں نازل ہوتی، کہ اختلاف فکر و عمل تو طبیعت انسانی کا قدرتی خاصہ ہے، پھر اس "قدرتی خاصہ" کی پاداش میں عذاب کیوں ہو،

اس سے زیادہ تعجب انگیز دوسری آیت سے استشہاد ہے، یہ آیت بھی اپنے سیاق و سباق کے ساتھ درج ذیل ہے،

وقد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر	تم کو پہنچ چکیں سوجھ کی باتیں تمھارے رب کی طرف سے
فلنفسہ ومن عمی فعلیہا وما انا	تو جس نے (اون کو) دیکھا سو اپنے واسطے اور جو اندھا رہا
علیکم بحفیظ۔ وکذلک نصرف	تو (اوس کا وبال) اوسی کے اوپر ہے، اور (کہو) میں
الآیٰت ولیقولوا درست ولنبینہ	تمھارا کوئی نگہبان نہیں، اور اسی طرح ہم آیتیں پھیر پھیر کر
لقوم یعلمون، اتبع ما اوحی الیک	سمجھاتے ہیں تاکہ وہ قائل ہوں کہ تو نے اون کو (قرآن)
من ربک لا الٰہ الا ہو واعرض	پڑھایا اور ہم واضح کرتے ہیں، اسکو سمجھ والوں کے لئے
عن المشرکین ولو شاء اللہ ما اشرکوا	تو چل اوس پر جو وحی آئے تجھکو تیرے پروردگار کی طرف
وما جعلناک علیہم حفیظا وما	سے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اور مشرکوں سے کنارہ کش
انت علیہم بوکیل۔ ولا تسبوا الذین	رہ اور اگر خدا چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے، اور تجھکو ہم نے اونکا
یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ	نگہبان نہیں بنایا اور نہ تو اون پر وکیل ہے، اور تم لوگ
عدوا بغیر علم کذلک زینا لکل	برا نہ کہو اون کو جنکو وہ پکارتے ہیں، اللہ کے سوا کہ وہ
امۃ عملہم ثم الی ربہم مرجعہم	اللہ کو بے ادبی سے بے سمجھی سے برا کہہ بیٹھیں، اسی طرح ہم نے
فینبئہم بما کانوا یعملون (الانعام ع ۱۳)	ہر فرقہ کو اونکا کام بھلا دکھایا ہے، پھر اون کو اپنے رب کے

[illegible] کرتے تھے

اس موقع پر یہود و نصاریٰ کا بھی ذکر نہیں، بلکہ مشرکین عرب سے خطاب ہے، اور صاف صاف کہا جا رہا ہے، کہ تمھارے پاس دین محمدی (بصائر) آچکا، جو اس کا اتباع کرے گا، وہ خود فلاح و سعادت پائے گا، اور جو روگردانی کرے گا، وہ روشنیوں اور بصیرتوں کے دیکھنے سے اندھا رہے گا، اس لئے اب آنحضرت صلعم کا کام یہ ہے کہ پیغام رسانی کے بعد اب وہ مشرکین سے کنارہ کش ہو جائیں، یہاں تک کہ اون کے اینٹ پتھر اور مٹی کے بتوں کو بھی برا بھلا نہ کہیں، ورنہ وہ جاہل ہیں ہی، خدا پر سب و شتم کرنے لگیں گے، اس کے بعد فرمایا بہرحال وہ بصائر کے دیکھنے سے اندھے رہیں، اور اعمال شر میں گرفتار رہیں، تو رہنے دو، ہر گروہ اپنا اپنا کام کر رہا ہے، تم خدا پرستی کرو، انھیں بت پرستی کرنے دو، انھیں کبھی نہ کبھی تو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے، آئیں گے اور اپنی بداعمالیوں کے نتائج دیکھ لیں گے،

نہیں معلوم جب اعرض عن المشرکین سے یعملون تک کا بیان بطور ذم اور فہمائش کے ہے، تو اس سے یہ نتیجہ کیونکر نکالا جا سکتا ہے کہ

"پس اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس بارہ میں رواداری اور وسعت نظر پیدا کرو"

"رواداری اور وسعت نظر" کا تخیل اوس وقت زیب دیتا جب اونھیں ان بداعمالیوں کے نتائج بھگتنے کی فہمائش نہ کیجاتی پوری آیت کا سیاق بتا رہا ہے، کہ یہ اعراض اور کنارہ کشی رواداری اور وسعت نظر کے لئے نہیں، بلکہ "لا اقتاء شرہ" یعنی اون کے جہل، جمود اور شر سے محفوظ رہنے کیلئے اور اونکے ہدایت یاب ہونے سے مایوس ہو جانیکے باعث ہوا اور نکو راہ راست پر لانیکی کوشش کرنے کو روک کر اونکے شریعت محمدی کے اتباع کر لینے اور ہدایت یاب ہو جانیکی ذمہ داری خود انھی پر عائد کیجاہی ہو کہ وہ اپنے کئے کے خود ذمہ دار ہوں گے،

مصنف نے انھی دونوں آیتوں سے اپنے مسلک پر استشہاد کیا ہے، تعجب ہے، کہ ان حالات میں ان دونوں آیتوں پر موجودہ زمانہ میں شرعۃ و منہاج کے جدا جدا قائم رکھنے اور اس سے دین میں کوئی رخنہ نہ پڑنے کا نظریہ قائم کر کے اتنی وسیع عمارت کیونکر قائم کیجا سکتی ہے،

حقیقت یہ ہو کہ قرآن نے شرعۃ و منہاج کو نظر انداز کرنے کے لئے یہود و نصاریٰ سے اسوقت کہا جب اونھوں نے شریعت محمدی پر یہ اعتراض کیا تھا، کہ اونکے عبادت کے طریقہ قبلہ کی سمت اور اعمال شر کے انسداد کے وہ طریقے اختیار نہیں کئے جن کو وہ تسلیم کرتے تھے، یا اون سے کہیں کہیں مختلف ہیں، اسی موقع پر قرآن نے اونھیں بتایا کہ تم ان فروع پر کیوں جھگڑتے ہو، یہ تو

جزئیات ہیں، اصل دین اللہ، ملائکہ، کتب الٰہی، رسل و انبیاء اور یوم آخرت پر ایمان لانا اور اعمال صالحہ کو بجالانا ہے، اس لئے شرعۃ و منہاج سے یہاں مقصود جزئیات شریعت ہیں نہ کہ کلیات دین، اور آج بھی ہم یہود کو اس بات پر ملزم نہیں گردانتے کہ وہ کعبہ کی طرف منہ کیوں نہیں کرتے ہیں، اور اونٹ کا گوشت کیوں نہیں کھاتے، بلکہ اس بات کا ملزم قرار دیتے ہیں کہ وہ نبیوں کا انکار اور ان کے لائے ہوئے پیغاموں کی تکذیب کیوں کرتے ہیں، اور نہ نصاریٰ پر اسکا الزام قائم کرتے ہیں، کہ وہ کھانے کی احتیاط کیوں نہیں کرتے، بلکہ یہ الزام دیتے ہیں کہ ۳ ایک کو تین کیوں بناتے ہیں، اور دنیا کے آخری رسول اور اوس کے سچے پیغام کو کیوں نہیں مانتے لیکن جب کوئی اس آخری پیغمبر اسلام کو اور اوس کے سچے پیغام کو مانے گا، جو تمام تر "الاسلام" اور "الدین" ہی تو ظاہر ہے کہ جزئیات احکام میں بھی اوسی کی پیروی کریگا، ورنہ اس ماننے کے کوئی معنی نہیں ہیں جسمیں ذاتی اہوا کو بھی دخل ہے،

اصل یہ ہے کہ قرآن سے پہلے جس قدر شریعتیں تھیں وہ نزول قرآن کے وقت تک منسخ ہو چکی تھیں اور جب کبھی کسی صاحب شریعت نبی کے بعد کوئی دوسرا شارع آیا تو اوسی وقت آیا جب پہلے صاحب شریعت کا صحیفہ وحی انسانی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکا، چنانچہ صحیفہ ابراہیم کی گم شدگی کے بعد صحیفہ موسیٰ نازل ہوا، اوس کے اختلافات کو دور کرنے کے لئے زبور آیا، اور اوسکی تکمیل انجیل نے کر کی، اور جب انجیل بھی انسانی تصرفات سے محفوظ نہ رہ سکی، تو قرآن کے نازل فرمانے کی ضرورت پیش آئی، اور چونکہ یہ دنیا کے لئے سب سے آخری صحیفہ ربانی تھا، اس لئے ازل ہی سے اوس کی حفاظت کا اہتمام ہوا اور فرمایا لہ لحافظون کہہ کر اوس کی دائمی حفاظت کی خوشخبری سنائی گئی،

اس لئے یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے، کہ اسلام کی شریعۃ و منہاج کے اتباع سے کوئی انسان بری الذمہ کیا جا سکتا ہے، جبکہ آخری طور پر اسی شریعت کی منجانب اللہ تصدیق ہوتی ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب اسلام میں کعبہ کو قبلہ بنانے اور خانہ کعبہ کے حج کرنے کا حکم آیا، اور یہود نے اس پر اعتراض کیا، تو گو اون سے یہی کہا گیا کہ یہ شرعۃ و منہاج و نسک اصل نہیں، فرع ہیں، یہ مقصود نہیں ذرائع ہیں،

ولکل وجھۃ ھو موليھا فاستبقوا الخیرات. (بقرہ ۱۸) اور ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے، جدھر وہ رخ کرتا ہے سو تم نیکیوں کی طرف سبقت کرو،

اور نیکیوں کے متعلق بتایا،

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق — نیکی یہ نہیں ہے کہ تم پورب یا پچھم کی طرف رخ کرو،
والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ الایہ (بقرہ ۲۲) — بلکہ نیکی یہ ہے کہ ایمان لائے (اور دوسرے نیک کام کرے)

اس لئے اون کا یہ سمجھنا کہ نیکی کا انحصار اسی میں ہے کہ بیت المقدس کی طرف رخ کیا جائے، صحیح نہیں، اس لئے ان جزئیات کے باعث اسلام کی ممانعت کرنا مناسب نہیں، ان جزئیات کے اوپر سے نکلو اور ان کی مخالفت کرکے نیکی بجائے اصل دین کو قبول کرلو، لیکن اس آخری پیغام کے قبول کرنے والوں سے بھی کہا گیا، کہ

ومن حیث خرجت فول وجھک شطر المسجد الحرام — اور جہاں بھی تو جائے اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر

اسی طرح حج کے متعلق فرمایا،

لکل امۃ جعلنا منسکا ھم ناسکوہ — ہر قوم کے لئے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ بنایا کہ
فلا ینازعنک فی الامر وادع الی ربک — اوس قوم کے لوگ اسطرح بندگی ادا کرتے رہیں، تو اس
انک لعلی ھدی مستقیم وان جادلوک — بات میں وہ تجھ سے جھگڑا نہ کریں، تو اپنے رب کی طرف
فقل اللہ اعلم بما تعملون. — بلائے جا، تو بیشک سو جھ کی سیدھی راہ پر ہے اور
(حج ۶۷) — اگر وہ تجھ سے جھگڑتے ہی رہیں تو کہدے کہ اللہ بہتر

اس آیت میں اسلامی شریعت و منہاج و منسک کی تمام و کمال تائید کی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے، کہ ہر قوم کے لئے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ بنایا ہے، یعنی جس طرح پچھلی تعلیموں میں پچھلی امتوں کے لئے عبادت کا ایک طریقہ تھا، اسیطرح اس جدید تعلیم کے نزول کے بعد اس امت کے لئے بھی ایک عبادت کا ایک طریقہ ہے، پھر اہل کتاب کا ذکر کرکے کہا جاتا ہے کہ وہ اس امر میں تجھ سے جھگڑا نہ کریں (فلا ینازعنک فی الامر) تو اپنی اسی شرعۃ و منہاج و منسک کو قائم رکھ کر اوغیر دعوت الی الخیر دئے جا، تو راہ حق پر ہے، تیرے اصل دین کی حقیقت، تیرا منسک، اور تیری شریعت و منہاج "ہدی مستقیم" یعنی سیدھی اور سوجھ بوجھ کی راہ پر ہے، لیکن اس کے باوجود اگر وہ محض تیرے منسک و منہاج و شرعۃ یعنی کعبہ کو قبلہ بنانے

اور کبھی کاج کرنے وغیرہ کے باعث تجھ سے تنازع کرتے ہیں، تو کہہ دے، اللہ بہتر جانتا ہے، اور جو تم ان فروع کو آڑ بنا کر اصل دعوت سے گریز کر رہے ہو اس حقیقت سے آگاہ ہے،

اہل کتاب کا تو عہد نبوی میں یہ حال تھا، کہ ایک طرف وہ اسلام سے روگردانی کر کے شرائع و مناسک و قوانین میں قرآن کے احکام کی پرواہ نہ کرتے تھے، دوسری طرف وہ جن کتابوں پر اپنا ایمان لانا بتاتے تھے، خود انہوں کی مقرر کی ہوئی شریعتوں اور قانونوں کی خلاف ورزی کرتے تھے، چنانچہ انہوں سے بہ سبیل تنزل یہاں تک کہا گیا کہ اگر وہ قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو کم از کم انجیل ہی کے بموجب اپنے معاملات میں فیصلے صادر کریں، ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللہ فیہ اور چاہیے کہ انجیل والے اوس کا حکم دیں جو اللہ نے اوس میں اوتارا تھا، لیکن وہ اس پر بھی کب عمل پیرا ہونے کیلئے تیار تھے، اور وہ جو تحریفات انجیل میں کر چکے تھے، اور اپنے ہوا و ہوس سے اپنی شریعت و منہاج میں جو تبدیلیاں کر چکے تھے، اور جو معنی پہنائے تھے، انہیں اوس اصل کے مطابق کب لانے والے تھے، جو صحیح طور پر اللہ نے پہلے اوسمیں اوتارا تھا (بما انزل اللہ فیہ) اس لئے آنحضرت صلعم کو مخاطب کر کے مختتم طور پر یہ فیصلہ سنا دیا گیا:-

وانزلنا الیک الکتاب بالحق	اور ہم نے تیری طرف یہ کتاب سچائی کے ساتھ اوتاری
مصدقا لما بین یدیہ من الکتاب	جو اپنے پہلے کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے، اور امانت
مھیمنا علیہ فاحکم بینھم بما انزل	کے ساتھ اوس پر شامل ہے، سو تو ان کا (یعنی اہل کتاب)
اللہ ولا تتبع اھوائھم عما جاءک	کے درمیان اوس کے مطابق فیصلہ کر جو خدا نے اوتارا
من الحق:-	ہے (تجھ پر یعنی قرآن) اور تیرے پاس جو سچائی آئی ہے"

(اس آیت کے ٹکڑوں کی جو جو معنی کی گئی ہیں وہ بریکٹ میں درج کر دی گئی ہیں)

قرآن مجید کی یہی وہ آیت ہے، جو اس باب میں قول مختتم ہے، اس میں صاف صاف کہہ دیا گیا کہ قرآن جس شریعت اور جس قانون کو نافذ کر رہا ہے، جو منہاج تیار رہا ہے، آخری طور پر اسی کا نفاذ رہے گا کہ قرآن توراۃ و انجیل کا مصدق ہو اور نہ صرف ان کتب الٰہی کی تعلیمات میں سے اصل دین کا حامل ہے، بلکہ شرعۃ و منہاج و مناسک کو بھی اوس نے امانت کے ساتھ لے کر اپنے اندر شامل کر چکا ہے، اس لئے ضرور ہے کہ شرائع و قوانین کا بھی نسخ ہو جائے، اس لئے اب یہی شریعت اور یہی

قانون نافذ العمل رہیگا، اون لوگون نے اپنی اپنی شریعتون اور اپنے اپنے قانونون مین اپنے ہوا و ہوس (اہوائہم) اور اپنی باطل آرزوؤن (امانیہم) کی آمیزش کرلی ہے، اب اونکا اتباع نہ کر، اب قابل اتباع شریعت نہ صرف تیرے لئے بلکہ سب کے لئے (انہیم) وہی ہے جو قرآن مین تیرے پاس سچائی کے ساتھ اوتاری جارہی ہے، فویل للذین یکتبون الکتٰب بایدیہم ثم یقولون ھذا من عند اللہ، اس لئے مصنف کی وہ تفسیر جو آیت یاایہا الذین آمنوا کلوا من طیبٰت کے ضمن مین کیگئی ہے محل نظر ہے، وہ فرماتے ہین:-

"دین حق کی اس اصل عظیم کا اعلان کہ سعادت و نجات کی راہ یہ نہین ہے کہ عبادت کی کوئی خاص شکل یا کھانے پینے کی کوئی خاص پابندی یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات اختیار کرلیجائے، بلکہ وہ سچی خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی سے حاصل ہوتی ہے، دراصل شئی دل کی پاکی اور عمل کی نیکی ہے، شریعت کے ظاہری احکام و رسوم بھی اسی لئے ہین تاکہ یہ مقصود حاصل ہو... پس جہانتک دین کا تعلق ہے، ساری طلب مقاصد کی ہونی چاہئے نہ کہ وسائل کی (ص ۲۲۹)

اسمین شبہ نہین جیسا کہ مصنف کا اسی ضمن مین بیان ہے، کہ

"نزول قرآن کے وقت دنیا کی عالمگیر مذہبی گمراہی یہ تھی، کہ لوگ سمجھتے تھے، دین سے مقصود محض ظاہری شریعت کے ظواہر و رسوم ہیں اور انھی کے کرنے نہ کرنے پر انسان کی نجات و سعادت موقوف ہے لیکن قرآن کہتا ہے، کہ اصل دین خدا پرستی اور نیک عملی ہے، اور شریعت کے ظاہری رسوم و اعمال بھی اسی لئے ہین کہ یہ مقصود حاصل ہو"

لیکن مصنف نے قرآن کے اوس بیان سے جو نتیجہ نکالا ہے اور جو تلقین کی ہے وہ صحیح نہین ہے کہ

"ساری طلب مقاصد کی ہونی چاہئے، نہ کہ وسائل کی"

کیونکہ جب دوسرے مذاہب کے پیرو قرآن کی اوس دعوت کو قبول کرلین، جو اوس نے دین کو سمجھاتے ہوئے دی ہے، تو اونھون نے اپنے اوس عقیدہ کو ترک کردیا، جو وہ اپنے مذہب کے رو سے دین کو سمجھتے تھے، اور پھر اونھون نے اسطرح قرآن کی حقانیت تسلیم کرلی، تو پھر یہ بھی تسلیم کرین گے، کہ اصل مقصود کے حصول کے لئے شریعت کے ظاہری احکام و رسوم بھی جو اصلی مقاصد کے ذرائع ہین، ضروری ہین، کیونکہ کہا جاچکا ہے، کہ "شریعت کے یہ ظاہری احکام و رسوم بھی اسی لئے ہین کہ اصل مقصود حاصل ہوجائے" اس لئے جب طریق طلب یہی "وسائل" ہین تو طلب مقاصد کیلئے ان "وسائل" کا اختیار کرنا بھی ضروری ہے،

صرف اتنی بات صحیح ہے، کہ وسائل کو مقاصد سمجھکر صرف وسائل کے کر لینے کو نجات وسعادت کیلئے کافی نہ سمجھ لیا جائے بلکہ ان وسائل کے ذریعہ اصل مقاصد کو پانے کی کوشش کیجائے،

اس سلسلۂ بحث مین سورۂ اعراف کی حسب ذیل آیت کو دیکھنا چاہیئے،:-

ورحمتی وسعت کل شی فسأکتبها للذین یتقون ویوتون الزکوٰۃ والذین هم بآیاتنا یومنون. الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونه مکتوبًا عندهم فی التوراۃ والانجیل. یامرهم بالمعروف وینهٰهم عن المنکر ویحل لهم الطیبٰت ویحرم علیهم الخبٰئث ویضع عنهم اصرهم والاغلال التی کانت علیهم. فالذین آمنوا به وعزروه ونصروه واتبعوا النور الذی انزل معه اولٰئک هم المفلحون. قل یاایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعا الذی له ملک السمٰوٰت والارض لا الٰه الا هو یحیی ویمیت فاٰمنوا بالله ورسوله النبی الامی الذی یومن بالله وکلمٰته واتبعوه لعلکم تهتدون (اعراف ۱۹)

اور میری رحمت ہر چیز کو سمائے ہوئے ہے، پھر اس رحمت کو اون کے لئے لکھ دون گا، جو پرہیزگار ہین، اور زکوٰۃ دیتے ہین، اور جو ہمارے حکمون کو مانتے ہین، جو اس ان پڑھ فرشتہ پیغمبر کی پیروی کرتے ہین، جسکو وہ اپنے ہان توراۃ و انجیل مین لکھا پاتے ہین، جو اون کو نیکی کا حکم دیتا ہے، اور برائی سے باز رکھتا ہے اور اچھی چیزون کو اون کیلئے حلال کرتا ہے، اور بری چیزون کو حرام کرتا ہے، اور ان کے بند ھن اور اون زنجیرون کو جو اون پر پڑی تھین، اتارتا ہے، تو جنھون نے اس پیغمبر کو مانا، اور اوسکی تائید کی، اور اس کی مدد کی، اور اوس روشنی کے پیچھے جو اوس کے ساتھ اوتری، وہی کامیاب ہین (کہدے اے پیغمبر) کہ اے انسانو: مین تم سب کی طرف اس خدا کا رسول ہون، جسکی آسمانون اور زمین کی شہنشاہی ہے اوسکے سوا کوئی خدا نہین وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے، سو اللہ اور اوس کے اوس ان پڑھ پیغام رسان پر ایمان لاؤ، جو اللہ پر اور اوسکی باتون پر ایمان رکھتا ہے اور اس

اس آیت مین رسول کی پیروی کرنے والون کی جو علامتین بتائی گئی ہین وہ ہر زمانہ مین ہر رسول کے پیرو کی علامتین ہین

ایمن روز مین یکے تمام انسانون کو مخاطب کرکے کہا جاتا ہے مین تم تمام انسانون کی طرف رسول بن کر آیا ہون یعنی وہی نبی امی جسکا تذکرہ تورات و انجیل مین آیا ہے جو اوامر و منہیات بتاتا ہے، جو کھانے پینے کی چیزون مین پاک چیزون کو حلال اور پلید چیزون کو حرام بناتا ہے، اور پچھلی شریعتون مین حلال و حرام مین جو جو سختیان ہو گئی تھین، اون کی بندشین ڈھیلی کرتا ہے، پس اسی رسول کی پیروی کرو اور انھی چیزون کو حلال سمجھو جنکو وہ حلال بتاتا ہے، اور انھی چیزون کو حرام سمجھو جن کو وہ حرام کہتا ہے، مناسک و عبادات و اخلاق مین، اور انھی چیزون کو کرو جن کے کرنے کا حکم دیتا ہے، اور (اعمال شر) مین اور انھی چیزون سے بچو جن سے وہ روکتا ہے، کیا مسلک و منہاج و شریعت کی حقیقت ان امور سے کچھ جداگانہ ہے، ؟

"الاسلام" کے معنی سمجھنے مین ہم سے اصولی غلطی یہ ہوتی ہے۔ کہ ہم اسلام کے اس اصول پر کہ تمام ادیان و مذاہب سچے ہین، یہ سمجھ لیتے ہین کہ اسلام موجودہ یہودیت اور نصرانیت کی تصدیق کر رہا ہے، حالانکہ اسلام نے "یہودیت" اور "نصرانیت" کی تصدیق کے بجائے "دین موسیٰ" اور "دین عیسیٰ" کی تصدیق کی ہے، اسی لئے وہ ہمیشہ کہتا رہا، مصدقا لما بین یدیہ" ورنہ اسلام نے موجودہ مذاہب کے تمام پیرووں کو شدید گمراہیون مین مبتلا بتایا اور انھین کھول کھول کر بیان کیا، یہودیون کو اوس نے کہا کہ وہ رسولون اور نبیون کی تکذیب کرتے آئے ہین، اور انھین قتل کرتے رہے ہین حسب ضرورت دین مین آسانیان پیدا کرتے رہے ہین نصاری کو اوس نے کہا کہ خدا کی پرستش کے بجائے حضرت عیسیٰ حضرت مریم اور اپنے ولیون اور شہیدون اور اون کی یادگارون کی پرستش مین مبتلا ہو گئے، اس لئے "الاسلام" کا مصداق اور اسلام کا مصدق یہودیت و نصرانیت نہین جو اپنی گمراہیون اور ضلالتون مین لپٹی رہی اور ہے، بلکہ حضرت موسیٰ کا اصل دین اور حضرت عیسیٰ کی اصل تعلیم ہے، ورنہ یہودیت و نصرانیت تو بموجب اسلام، الدین اور الاسلام سے بمراحل دور ہے، اب اگر رواداری برتنی اور وسعت نظر پیدا کرنی ہے، تو دین موسیٰ اور دین عیسیٰ اور اصل توراۃ اور اصل انجیل کی تعلیمات کو صحیح باور کرنے کے متعلق، نہ کہ نبیون کے قاتل اور رسولون کے مکذب یہود اور توحید کو چھوڑ کر تثلیث کے پوجنے والے اور خدا کی حرام کی ہوئی چیزون کو حلال کرنے والے نصاریٰ کے ساتھ،

اگر یہود و نصاریٰ کے ساتھ یہی وسعت نظر اور مذہبی رواداری اسلام کی تعلیم ہوتی، تو قرآن پاک مین جابجا اونکو

قبول اسلام کو تصدیق قرآن اور ایمان رسول کی دعوت کیوں دیجاتی، اور یہ کیوں کہا جاتا، کہ

"اگر وہ ایمان لے آئے تو انھوں نے ہدایت تامہ (صراط مستقیم) حاصل کرلی" (فان اسلموا فقد

اھتدوا۔ آل عمران ۲۵، فان آمنوا بمثل ما امنتم بہ فقد اھتدوا۔ بقرہ ۱۰)

اور اسی کو سورۂ بقرہ میں یوں فرمایا گیا ہے:۔

والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل	جو اسکو جو تیری طرف (اے پیغمبر) اترا اور تجھ سے پہلے
من قبلک وبالآخرۃ ھم یوقنون اولئک	اترا، دونوں کو مانتے ہیں، اور پچھلی زندگی پر یقین رکھتے
علی ھدی من ربھم واولئک ھم المفلحون (بقرہ ۱)	ہیں، وہی اپنے پروردگار کی ہدایت پر ہیں، اور وہی

اور اسی طرح سورۂ اعراف میں کہا گیا واتبعوہ لعلکم تھتدون" اور اوس رسول کی پیروی کرو، کہ سیدھی راہ پاؤ"

پھر ذیل کی دو آیتوں میں بیان فرمایا:۔

ان الدین عند اللہ الاسلام وما اختلف	بیشک دین خدا کے نزدیک اسلام ہے، اور جن کو
الذین اوتوا الکتب الا من بعد ما جاءھم العلم	کتاب دیگئی، اونھوں نے علم آنے کے بعد اسمیں آپس کی
بغیا بینھم ومن یکفر بآیت اللہ فان	ضد کی وجہ سے اختلاف کیا، اور جو اللہ کی آیتوں کا انکار کریگا
اللہ سریع الحساب فان حاجوک	تو اللہ جلد حساب لینے والا ہے، تو اگر آپکے پاس یہ تجھ سے پھر
فقل اسلمت وجھی للہ ومن اتبعن	کج بحثی کریں، تو کہدے کہ میں نے اور میرے پیرووں نے تو اپنے
(آل عمران ۲)	کو خدا کا تابع فرمان (مسلم) کردیا،

"الاسلام" کے عقائد میں یہ دو چیزیں داخل ہیں، خدا کی توحید اور رسولوں کی تصدیق، یہود دوسری دفعہ میں اور نصاریٰ پہلی اور دوسری دونوں میں ناکام ہیں، اس لئے ہدایت سے محروم اور نجات وسعادت کی راہ سے کوسوں دور ہیں، قرآن کہتا ہے

افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من	کیا وہ دین الٰہی کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں، حالانکہ جو
فی السموٰت والارض طوعا وکرھا والیہ یرجعون	بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ خوشی سے یا مجبوراً

قل آمنّا وما انزل علینا. وما انزل علی
ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق و
یعقوب والاسباط وما اوتی موسٰی
وعیسٰی والنبیون من ربھم لا
نفرق بین احد منھم ونحن لہ
مسلمون. ومن یبتغ غیر الاسلام
دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ
من الخاسرین.

خدا کا مسلم یا فرمانبردار ہے، اے پیغمبر کہدو کہ ہم اللہ پر اور جو
اوسنے ہم پر اتارا اور جو ابراہیم پر اسمٰعیل پر اور اسحاق پر اور
یعقوب اور اون کی اولاد پر اترا، اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ
اور سب پیغمبرون کو اون کے رب کی طرف سے ملا، ہم سب
کی صداقت کو تسلیم کرتے ہین، اون مین سے کسی مین کوئی
فرق نہین کرتے، اور ہم اوسی خدا کے مسلم یعنی فرمانبردار
ہین، اور اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہیگا تو وہ اوس سے
قبول نہ ہوگا، اور آخرت مین وہ نقصان اٹھانے
والون مین سے ہوگا

یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ الاسلام کی حقیقت کیا ہے اور یہ بھی اعلان کردیا کہ جو دین اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین قبول کریگا، وہ مقبول نہ ہوگا، اور آخرت مین وہ نقصان اٹھانے والون مین ہوگا، اور خاص اہل کتاب کو خطاب کرکے یہ بھی تصریح فرمائی

فآمنوا باللہ ورسولہ النبی الامی.
فان آمنوا بمثل ما آمنتم بہ فقد اھتدوا.

تو اللہ اور اوس کے اس ان پڑھ پیغام رسان رسول پر ایمان لاؤ،
اگر وہ ایمان لے آئے اوسی طرح جس طرح تم ایمان لائے تو وہ بھی راہ یاب ہوئے

سورۂ حدید ع ۴ مین رسولون کے مبعوث کرنیکے عمومی ذکر کے بعد حضرت نوحؑ و ابراہیمؑ اور اونکے خاندانون کے انبیا کا تذکرہ کرکے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کا ذکر آتا ہے اور پھر اون کے متبعین کی نیکیان اور گمراہیان بتاکر رسالت محمدیؐ اور اوسکے اتباع کا یون ذکر آیا ہے،

وقفینا بعیسی ابن مریم وآتینٰہ الانجیل
وجعلنا فی قلوب الذین اتبعوہ رافۃ و
رحمۃ ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبنٰھا
علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا
حق رعایتھا فآتینا الذین آمنوا منھم اجرھم

اور ان کے پیچھے ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا اور اوسکو انجیل
دی، اور جو لوگ اوسکے پیرو ہوئے اونکے دلون مین نرمی اور
رحم ڈال دیا، اور ایک دنیا چھوڑنا اونھون نے نیا نکالا ہم نے نہین
لکھا تھا یہ اون پر مگر اللہ کی رضامندی چاہنی، پھر نباہا اوسکو
جیسا چاہئے نباہنا، پھر دیا ہم نے اون کو جو ان مین ایمان لائے تھے

وکثیر منھم فاسقون۔ یاایھا الذین آمنوا	اونکا اجر، اور ان میں سے اکثر نافرمان ہوے اے ایمان والو اللہ
اتقوا اللہ وامنوا برسولہ یوتکم کفلین من رحمتہ	سے ڈرتے رہو اور ایمان لاؤ اوس کے رسول پر کہ تم کو اپنی
ویجعل لکم نورا تمشون بہ ویغفرلکم و	رحمت سے دوگنا عطا کرے اور تم کو دی تم میں ایسی روشنی جسمیں تم چلو
اللہ غفور رحیم لئلا یعلم اھل الکتاب الا	اور تم کو معاف کرے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے اور اہل
یقدرون علی شئ من فضل اللہ وان الفضل بید اللہ	کتاب یہ سمجھیں کہ تم پر اللہ کا فضل نہیں اور فضل تو اللہ کے ہاتھ
یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم	میں ہے دیتا ہے جسکو چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نصاریٰ اپنے ابتدائی عہد میں اعمال خیر انجام دیتے رہے، پھر بے راہروی اختیار کی اور اس دین کو قائم نہ رکھ سکے جسکی اونھیں تلقین کی گئی تھی، اور فسق وفجور میں مبتلا ہوگئے، اون کے اس فسق وفجور کی تشریح سورۂ مائدہ ع ۱۶ میں اس طرح تفصیل سے آئی ہے، واذ قال یعیسیٰ ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الھین من دون اللہ .... قال ..... ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ ربی وربکم وکنت علیھم شھیدا مادمت فیھم الایۃ" اور پوچھے گا اللہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا کو چھوڑ کر اپنا معبود بنالو۔ عیسیٰ کہیں گے .... میں نے اون سے کچھ نہیں کہا، بجز اسکے جو تو نے مجھے حکم دیا کہ میرے اور اپنے پروردگار اللہ کی عبادت کرو، اور جبتک میں اون کے درمیان رہا، اوس وقت تک کا میں گواہ ہوں، (کہ وہی کہتے رہے)"

ان نصاریٰ کا یہی فسق وفجور ہے، جس کو حضرت عیسیٰ کے بعد اونھوں نے اختیار کرلیا ہے، اسلئے آیت والذین ھادوا والصابئون والنصاریٰ سے دور حاضر کے نصاریٰ کیونکر مراد ہوسکتے ہیں، کہ اونھیں سورۂ حدید کی ان آیات میں اپنے فسق وفجور کو ترک کرکے رسالت محمدیؐ کے اقرار اور دین محمدی کے اتباع کی تلقین کیگئی، اور یہ بتایا گیا کہ نجات کا یہی ذریعہ ہے اور اسی لیے اس سلسلۂ بیان کی آخری آیت میں اہل کتاب کے اس تخیل کا بطلان کیا گیا کہ لئلا یعلم اھل الکتاب الایۃ" اہل کتاب یہ سمجھیں کہ دین محمدی کے متبعین پر اللہ کا فضل نہ ہوگا، بلکہ یہ فضل جو ذریعہ نجات وسعادت ہے، خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جسکو چاہتا ہے اسکے لئے چن لیتا ہے، اور وہ اسلام کے انھی متبعین کو اپنے فضل کے لئے منتخب فرماتا ہے جس سے وہ فائز المرام ہونگے۔

"نجات و سعادت کی راہ" کو عام کر دینے میں سب سے زیادہ استشہاد سورۂ مائدہ کی اس آیت سے کیا گیا ہے،

ان الذین آمنوا والذین ھادوا والصابئون والنصاریٰ من آمن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحا فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

البتہ جو مسلمان ہیں، اور جو یہود ہیں، اور صابئین اور نصاریٰ جو کوئی ایمان لاوے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور عمل کرے نیک

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نجات کے لئے محض "ایمان باللہ" "ایمان بالآخرۃ" "اور عمل صالح" شرط ہے خواہ وہ مسلمان ہو کہ یہودی، صابئی ہو کہ نصرانی،

لیکن اس آیت کی اس تفسیر میں اصولی غلطی یہ سرزد ہوتی ہے کہ اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے یہودیت، نصرانیت اور صابئیت کی تصویب اور تصدیق کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ یہودی مذہب پر ہو نصرانی مذہب پر ہو، یا صابئی مذہب پر ہو، اگر خدا پر ایمان آخرت پر ایمان اور ایمان اور عمل صالح ہو، تو نجات کے لئے کافی ہے لیکن یہ غور نہیں کیا جاتا کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ قرآن کی زبان سے یہودیت یعنی رسولوں کے انکار اور حیلہ جوئی، اور ظاہری رسوم پرستی، اور نصرانیت یعنی تثلیث و صلیب پرستی اور صابئیت یعنی ستارہ پرستی کی سچائی کا اعتراف کرایا جا رہا ہے، اور اس کے علاوہ کیا تثلیث پرستی اور ستارہ پرستی کے ساتھ ایمان باللہ کا اجتماع تضاد نہیں،

واقعہ یہ ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں کے نام مذہب کی حیثیت سے نہیں، بلکہ قومیت کی حیثیت سے ہیں، یعنی خواہ یہودی قوم سے ہو یا نصرانی قوم سے ہو یا صابئی قوم سے ہو، جو بھی ہو اگر وہ ایمان اور عمل صالح سے متصف ہے تو اس کے لئے نجات کا دروازہ کھلا ہوا ہے، جو لوگ اس آیت کے سیاق و سباق کو چھوڑ کر صرف اسی پر نظر ڈال لیتے ہیں، وہ حقیقت میں وانتم سکاری کو چھوڑ کر صرف لا تقربوا الصلاۃ کی تفسیر کرتے ہیں، اسلئے ضرورت ہے کہ اس آیت کو اسکے سیاق و سباق کیساتھ دیکھا جائے،

یہ پوری سورۂ مائدہ اہل کتاب کے ذکر میں ہے، اہل کتاب کا مسلسل تذکرہ ہونے کے بعد اون سے اولاً ایمان کا مطالبہ ان الفاظ میں کیا جاتا ہے "ولو ان اھل الکتاب آمنوا" الایۃ "اور اگر اہل کتاب (قرآن پر) ایمان لے آتے،... تو..." اس کے بعد آنحضرت صلعم کو مخاطب فرما کر کہا جاتا ہے، یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الایۃ "اے پیغمبر اون (اہل کتاب) تک جو پیغام تیرے پاس تیرے رب کی جانب سے آیا ہے وہ پہنچا" اس کے بعد پھر اہل کتاب سے یوں خطاب ہے "قل یا

الکتب لستم علی شیء حتی تقیموا التورٰۃ والانجیل وما انزل الیکم من ربکم الایۃ" "اے اہل کتاب تم کسی چیز پر نہیں ہو، جب تک کہ توراۃ و انجیل اور اوس چیز کو جو تمھارے پاس تمھارے رب کے پاس سے بھیجی گئی ہے قائم نہ کرو"، اس موقع پر "انزل الیکم من ربکم" سے مراد توراۃ و انجیل سے اور اپنے پیغام الٰہی ہے اور یہی قرآن ہے جسکی تشریح ان الفاظ میں مسلسل بیان میں اسی کے ساتھ یوں ہے، ولیزیدن کثیرا منھم ما انزل الیک من ربک طغیانا وکفرا فلا تاس علی القوم الکفرین "جو کچھ تجھ پر اوتارا گیا (یعنی قرآن) وہ بہتیروں کی سرکشی اور نافرمانی کے زیادہ ہونے کا ضرور باعث ہوگا، ان نافرمان لوگوں پر کچھ غم نہ کھا"، اس کے بعد وہی آیت مذکورۂ بالا ہے، "ان الذین آمنوا والذین ھادوا الایۃ" دیکھو کہ اوپر کی آیت میں "تنزیل محمدی" کے نہ ماننے والوں کو "کافرین" کی فہرست میں داخل کیا گیا ہے،

اب غور طلب یہ ہے، کہ جب یہود و نصاریٰ کا اس آیت سے پہلے کی آیت میں قرآن اور اوس کے رسول پر ایمان کا مطالبہ کیا گیا تو اس مطالبۂ ایمان کے ساتھ اس آیت والذین ھادوا والصابئون والنصاریٰ کا اس تفسیر کے ساتھ کیا جوڑ ہو سکتا ہے، جو نجات و سعادت کی راہ میں عموم دکھانے کے لئے بیان کیجاتی ہے، اور مزید برآں اس آیت کے بعد لقد اخذنا میثاق بنی اسرائیل وارسلنا الیھم رسلا "ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور اون کے پاس رسول بھیجے" کہکر ارسال رسل کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور اوس کے بعد بنی اسرائیل کے عادات تکذیب و قتل انبیاء کا ذکر کرکے کہا گیا، وحسبوا الا تکون فتنۃ فعموا وصموا ثم تاب اللہ علیھم ثم عموا وصموا کثیر منھم واللہ بصیر بما یعملون "اور وہ سمجھے کہ کوئی فتنہ نہ ہوگا، پس اندھے اور بہرے ہو گئے، پھر خدا نے اون کی توبہ قبول کر لی، پھر بہت سے اندھے اور بہرے ہو گئے اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اوس کو دیکھ رہا ہے"، اسمیں پہلی مرتبہ "فعموا وصموا" پس اندھے اور بہرے ہو گئے سے مراد اون کے دین نصرانیت سے انکار کرنے کے ہیں، پھر ثم تاب اللہ علیھم پھر اللہ نے اون کی توبہ قبول کی" سے مراد رسالت محمدی کا اقرار کرکے ان کے گناہوں کے دھونے کی خبر ہے، مگر پھر ثم عموا وصموا کثیر منھم کہکر بتا دیا گیا کہ ان میں سے اکثر نے رسالت محمدی کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور نور کے دیکھنے اور حق کو سننے سے انکار کر دیا، اور پھر واللہ بصیر بما تعملون کہکر بتا دیا گیا کہ اون کے رسالت محمدی کو قبول نہ کرنے میں جو کرتوت ہو رہے ہیں، اللہ انھیں دیکھ

رہا ہے، اور ایک دن وہ آنے والا ہے جب اوسکی پاداش اونھین ملے گی،

پھر یہود کے اس ذکر کے بعد اس کے آگے انفرادی طور پر نصاریٰ کا ذکر آتا ہے اور اون کے مشرکانہ عقائد لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم... ان اللہ ثالث ثلثۃ "یعنی کفر کیا ان لوگون نے جنھون نے کہا اللہ وہی مسیح ابن مریم ہے..... اللہ انھی تین مین کا تیسرا ہے،..." اور اس انفرادی ذکر کے بعد پھر یہود و نصاریٰ کے کفر و شرک کا یکجا بیان ہے، اور اسکے بعد کہا گیا ولو کانوا یومنون باللہ والنبی وما انزل الیہ ما اتخذوھم اولیاء الآیہ "اگر وہ اللہ پر اور اوس نبی پر اور اوس چیز جو اوس پر اوتاری گئی، ایمان لاتے تو وہ مشرکین کو دوست نہ بناتے،..." اور اوسکے بعد اون اہل کتاب کا ذکر آیا جنھون نے رسالت محمدی قبول کرلی، واذا سمعوا ما انزل الی الرسول ترٰی اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون ربنا آمنا فاکتبنا مع الشاھدین وما لنا لا نومن باللہ وما جاءنا من الحق ونطمع ان یدخلنا ربنا مع القوم الصالحین "اور جب وہ اوس چیز کو سنتے ہین، جو اس رسول پر اوتاری گئی تو تو دیکھتا ہے کہ اون کی آنکھون سے آنسو جاری ہوجاتے ہین کیونکہ اونھون نے حق کو پہچان لیا ہے، اور کہتے ہین کہ ہم ایمان لائے اور تصدیق کرنے والون مین ہم کو بھی لکھ لے، کیا ہی ہمارے لئے کہ ہم نہ ایمان لائین اللہ پر اور جو چیز ہمارے پاس حق کے ساتھ آئی اور طمع نہ کرین کہ اے اللہ ہمکو داخل کرے پاکبازونکے گروہ مین" (مائدہ ع ۱۱ تا ۹)

اسلئے نجات وسعادت کی راہ مین بظاہر وہ عموم دکھانے والی آیت در اصل اون یہود کے جواب مین ہے، جو مسلمانون سے کہا کرتے تھے، کہ نجات صرف یہود کے لئے مخصوص ہوچکی ہے، اور اگر اون آیات کی وہ مذکورہ بالا تشریحات صحیح نہین تو پھر ان تمام مسلسل آیات مین ربط باہمی کیا ہوسکتا ہے، اور سلسلہ بیان کو "مطالبۂ ایمان" سے شروع کرکے "ایمان لے آنے" پر ختم کرنے کے کیا معنی ہوسکتے ہین، اس کے علاوہ قرآن مجید مین ایک سے زیادہ موقعون پر اسکی شہادت موجود ہے کہ "ایمان باللہ" کی اصطلاح مین ایمان بالرسول بھی ضمناً داخل ہے،

سورۂ تغابن مین فرمایا:-

فاٰمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا	پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اوس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اوتارا ہے
واللہ بما تعملون خبیر یوم یجمعکم	اور اللہ کو تمھارے کام کی خبر ہے جب تم کو اکٹھا کریگا جمع ہونیکے
لیوم الجمع ذلک یوم التغابن ومن	دن، وہ دن ہوگا ہار جیت کا، اور جو کوئی ایمان لائے اللہ پر نیک کام

یومن باللہ ویعمل صالحا یکفر عنہ سیاتہ ویدخلہ جنت تجری من تحتہا الانہر خالدین فیہا ابدا ذالک الفوز العظیم (تغابن ع ۱)

کرے، اوس سے اوسکی برائی دور کریگا اور اوسکو ایسے باغوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور اوسمیں ہمیشہ رہینگے یہ بڑی کامیابی ہے

یہاں "ایمان باللہ" "بالرسل" اور "بالنور" کی دعوت دیگئی "نور" سے مراد قرآن ہے اور اس کے بعد یوم حشر کا ذکر کرکے صرف "ایمان باللہ" اور عمل کا ذکر ہے، تو اگر ایمان باللہ کے اندر ایمان بالرسول کا تصور نہ ہو تو اس آیت کے اول و آخر میں صریح تضاد ثابت ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ ایمان باللہ میں ایمان "بالرسل" اور "بالنور" بھی داخل ہے۔ اور یہی "نور عظیم" ہے،

سورۂ حشر میں یہود کی جلاوطنی کے ذکر میں کہا گیا،۔

ذالک بانہم شاقوا اللہ ورسولہ ومن یشاق اللہ فان اللہ شدید العقاب (حشر ع ۱)

اور یہ اسلئے کہ اونھوں نے اللہ اور اوس کے رسول کی مخالفت کی اور جو کوئی اللہ کی مخالفت کرے تو اللہ سخت عذاب دیگا

اسمیں "شاقوا اللہ ورسولہ" "اللہ اور اوس کے رسول کی مخالفت کی" کہکر بعد کو صرف "من یشاق اللہ" "اور جو اللہ کی مخالفت کرے" کہا جاتا ہے جس سے مراد اللہ اور رسول دونوں کی مخالفت ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی مخالفت میں رسول کی مخالفت بھی داخل ہے

اسی طرح سورۂ مجادلہ کے ع ۳ میں ہے،:-

لاتجد قوما یومنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا اٰباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ ویدخلھم جنت تجری من تحتہا الانہر خالدین فیہا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون

تو نہ پائیگا کوئی ایسی قوم جو ایمان رکھتی ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر پھر دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہے اللہ کے اور اوسکے رسول کے گو وا اون کے باپ ان کے بیٹے یا اونکے خاندان ہی کے لوگ ہوں یہی ہیں جنکے دلوں کے اندر خدا نے ایمان لکھ دیا ہے اور اونکی مدد کی ہے اپنے فیضان غیبی سے اور داخل کریگا اونکو باغوں میں جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ہمیشہ اونمیں رہینگے اللہ اون سے راضی ہوا اور وہ اوس سے راضی ہوئے یہی ہیں اللہ کی جماعت

یہ آیتیں اس حقیقت کو واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ جو "ایمان باللہ" اور "ایمان بالآخرۃ" رکھتا ہو وہ وہی ہے جو اس رسالت

محمدی کو بھی تسلیم کرے کہ اس آیت میں "رسولہ" سے مراد محمد رسول اللہ صلعم کی ذات مبارک ہی ہے کہ جس سے مشرکین عرب عداوت رکھتے تھے، اور جب محمد رسول اللہ صلعم کے دشمنوں کے دوست و احباب تک "ایمان باللہ" اور "ایمان بالآخر" سے متصف نہیں ہو سکتے تو پھر یہود و نصاریٰ جنکی دشمنیاں آنحضرت صلعم کے ساتھ مسلم ہیں، وہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ سے کیونکر موصوف کئے جا سکتے ہیں اس آیت میں پوری تصریح ہے کہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کے ساتھ رسالت محمدی کا انکار جمع نہیں ہو سکتا، اسی لئے پھر آگے چلکر ایمان کو انھی لوگوں کے دلوں میں محصور کر دیا گیا، جو دین محمدی کا اتباع کریں، جو حقیقت میں الاسلام اور الدین ہے، اور پھر اسی گروہ کو رضوان الٰہی کی بشارت ملی، اسکو حزب الٰہی سے موسوم کیا گیا، اور پھر اللہ کے اسی گروہ کو فلاح و سعادت اور نجات کی خوشخبری سنائی گئی، اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ،

ہمارے نزدیک ان تمام غلط فہمیوں کا منشا صرف تین باتیں ہیں،

۱- اسلام (دین جو محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ آیا) اور الاسلام یقیناً دونوں ایک ہیں لیکن الاسلام کی حقیقت میں یہ داخل ہے کہ خدا کی توحید اور تمام رسولوں کی صداقت تسلیم کیجائے پس جو دونوں میں سے کسی ایک میں بھی متشکک یا منکر ہو وہ الاسلام سے دور ہے،

۲- قرآن پاک دین موسیٰ اور دین عیسیٰ علیہما السلام اور ان کے اصل صحیفوں کو تسلیم کرتا ہے، یہودیت اور نصرانیت اور ان کی بنائی ہوئی کتابوں کو نہیں، دین موسیٰ اور یہودیت اور دین عیسیٰ اور نصرانیت یہ دونوں ایک نہیں دو چیزیں ہیں،

۳- قرآن پاک نے اہل کتاب کو سب سے پہلے اس عالمگیر صداقت کے دین کو جو الاسلام کا مرادف ہے، اور جسکو اسلام کہتے ہیں، ماننے کی دعوت دی ہے تاکہ وہ کامل ہدایت پائیں، لیکن اگر وہ اوس کو نہ مانیں تو دوسری دعوت اصل مقصد سے اونچر کر بسبیل تنزل یہ دی ہے کہ وہ اپنے ہی مذہب پر پوری طرح عمل کریں، کہ اوس سے بھی اسلام پورا نہیں تو اسلام کا قرب تو حاصل ہوگا، لیکن قرآن کے اس کہنے سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ قرآن نے یہودیت اور نصرانیت اور اون کی تحریف شدہ کتابوں کی صداقت کو تمام تر تسلیم کر لیا ہے، پس نتیجہ بحث یہ ہے،:-

وما ارسلنا الا کافۃ للناس بشیرا و	اور (اے پیغمبر) ہم نے تمکو تمام لوگوں کیلئے خوشخبری سنانیوالا
نذیرا ولکن اکثر الناس لا یعلمون (السباء ۴)	اور ہشیار کرنیوالا بنا کر بھیجا، لیکن بہت سے لوگ بے خبر ہیں،

حکیم سنائی کے سنین عمر

از

سید سلیمان ندوی،

شیخ ابوالمجد مجدود بن آدم سنائی کے متعلق اتنا بالاتفاق ثابت ہے کہ انھوں نے سلطان بہرامشاہ غزنوی (۵۱۲ھ - ۵۴۷ھ[1]) اور سلطان سنجر سلجوقی (۵۱۱ھ - ۵۵۲ھ) کا زمانہ پایا ہے، لیکن انکی عمر کے سنین میں بیحد اختلافات ہیں، نظامی عروضی جس نے تقریباً ۵۵۰ھ میں اپنی کتاب چہار مقالہ لکھی ہے، اُسنے سنائی کا نام غزنوی سلاطین (آل ناصر) کے شعراء میں سب سے آخر میں لیا ہے، (ص ۲۸ گب) عوفی نے لباب الالباب (۶۱۸ھ) میں حسب دستور کوئی تاریخ وسنہ درج نہیں کیا ہے، حمداللہ قزوینی نے گزیدہ میں جو ۷۳۰ھ میں لکھی گئی ہے، دو جگہ ان کا ذکر کیا ہے، ایک مشائخ کے سلسلہ میں اور دوسرے شعراء کے ضمن میں، پہلے موقع پر لکھا ہے:-

"معاصر شیخ ابوسعید ابوالخیر بود" (ص ۷۸۴، گب)

شیخ ابوسعید ابوالخیر کی وفات ۴۴۰ھ میں ہوئی ہے، اس بنا پر سنائی کی تاریخ زندگی بھی اسی کے پس و پیش ہونی چاہئے، لیکن دوسری جگہ اس میں لکھا ہے:-

"تا زمان سلطان بہرامشاہ (غزنوی) در حیات بود" (ص ۷۲۱، گب)

بہرامشاہ غزنوی کی سلطنت کا زمانہ ۵۱۲ھ سے ۵۴۷ھ تک ہے، اس لحاظ سے ان کی تاریخ وفات اسی عہد

[1] بہرامشاہ کی وفات کا سال گزیدہ میں ۵۴۲ھ ہے، طبقات ناصری میں ۵۵۲ھ ہے، بدایونی میں ۵۴۷ھ ہے، برٹش میوزیم لائبریری کی فہرست مخطوطات (ص ۵۴۹ ج ۲) میں ۵۴۸ھ ہے، مگر زیادہ تر مورخین ۵۴۷ھ ہی لکھتے ہیں،

کے درمیان ہونی چاہئے،

مولنا جامی نے نفحات مین نقل کیا ہے کہ سنائی نے سلطان محمود کی مدح مین قصیدہ لکھا تھا، سلطان محمود نے ۴۲۱ھ مین وفات پائی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنائی کی ولادت چوتھی صدی کے اواخر مین ہوئی ہوگی، اور پانچوین صدی کے شروع مین اس قابل ہونگے کہ سلاطین کے لیے مدحیہ قصیدے کہہ سکین، مگر خود اسی نفحات مین مولنا نے ان کا ایک ہی سال وفات (گو بقول بعض) لکھ کر نقل کیا ہے، اور وہ ۵۲۵ھ ہے، اور یہ دونون باتین صحیح نہین ہوسکتین، ورنہ ان کی عمر شاید سوا سو برس سے زیادہ کی ماننی پڑیگی،

حکیم موصوف کے سال وفات مین بھی اختلافات ہین جنکی تفصیل آگے آئیگی، ان مشکلات کے حل کی صورت یہ ہو کہ پہلے سنائی کی مشہور مثنوی حدیقہ کی تصنیف کی تاریخ متعین کیجائے،

حدیقہ کا سال تصنیف

حکیم سنائی نے اپنی مثنوی حدیقہ کے آخر مین اپنی اس کتاب کی تصنیف کا سال لکھا ہے، مگر عجیب تر یہ ہو کہ اس کے قلمی اور مطبوعہ دونون قسم کے نسخون مین یہ تاریخی شعر کئی طرح پر ہے، اکثر نسخون مین تو یہ ہو:-

پانصد و بست و چار رفتہ ز عام　　پانصد و بست و پنج گشتہ تمام

اس سے تصنیف کی تاریخ ۵۲۴ھ سے ۵۲۵ھ تک معلوم ہوتی ہے، لیکن یہی شعر لکھنو کے شاہی کتبخانہ کے ایک نسخہ مین (دیکھو اسپرنگر کی فہرست) اور نیز شرح حدیقہ کے قلمی نسخہ (انڈیا آفس لائبریری) مین اور بعض دوسرے قلمی نسخون مین اس طرح ہے:

پانصد و سی و چار رفتہ ز عام　　پانصد و سی و پنج گشت تمام

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ۵۳۴ھ مین شروع اور ۵۳۵ھ مین تمام ہوئی،

لیکن نولکشور لکھنو کے مطبوعہ نسخہ مین اور ایک دو قلمی نسخون مین (دیکھو فہرست میونک یونیورسٹی لائبریری) یہ شعر ہے:

پانصد و بست و چار رفتہ ز عام　　پانصد و سی و پنج گشت تمام

یہ شعر بتاتا ہے کہ حدیقہ ۵۲۴ھ مین شروع اور ۵۳۵ھ مین تمام ہوئی، یعنی دس برس مین،

میونک یونیورسٹی کے ایک نسخہ مین اس آخری قرأت کی ایک اور تصحیف ہے،

ماہ بست و چہار رفتہ ز عام پانصد و بست و پنج گشتہ تمام

بوڈلین کے ایک نسخہ مین حسب معمول "پانصد و بست و چہار" اور پانصد و بست و پنج" ہے لیکن دوسرے مین (۵۳۴ھ) ایک اور تغیر ہے

پانصد و بست و چار رفتہ ز عام پانصد سی و چار گشتہ تمام

اس مین ۵۲۴ھ مین آغاز اور ۵۳۴ھ مین انجام بیان ہوا ہے،

بہرحال ان مین سے کوئی سا نسخہ بھی اختیار کیا جاے، اتنا تو بے شبہہ ثابت ہو کہ حکیم موصوف کا زمانہ پانچوین صدی کے اواخر سے لیکر چھٹی صدی کے اواسط تک ہے، اور اسکے خلاف کی سب روایتین قطعاً غلط ہین،

اب یہ سوال ہو کہ ان مختلف نسخون مین سے کون صحیح ہے، تو اس کے جواب مین حسب ذیل مراتب طے کرنے ہین،

۱- اکثر نسخون مین ۵۲۴ھ - ۵۲۵ھ ہے،

۲- متعدد نسخون مین ۵۳۴ھ - ۵۳۵ھ ہے،

۳- ایک دو نسخون مین ۵۲۴ھ - ۵۳۵ھ ہے،

۴- ایک مین ۵۲۴ھ - ۵۳۴ھ ہے،

پہلے اور دوسرے نسخون کی بنا پر تصنیف کی مدت ایک سال ہوتی ہے، اور تیسرے چوتھے کی بنا پر دس سال، یہ دس سال کی مدت تصنیف حسب ذیل وجوہ سے ناقابل قبول ہے،

۱- یہ اکثر معتبر و مستند نسخون کے خلاف ہے،

۲- سنائی نے ۵۲۰ھ مین اپنی مثنوی طریق التحقیق لکھی ہے، جیسا کہ اس مثنوی کے آخر مین ہے، (فہرست انڈیا آفس لائبریری)

پانصد و بست و ہشت ز آخر سال بود کین نظم نغز یافت کمال

ظاہر ہے کہ پہلی مثنوی کے تمام ہونے کے بعد ہی سنائی نے یہ دوسری مثنوی شروع کی ہوگی، تصانیف اور خصوصاً نظمیہ اور وہ بھی ہم مضمون نظمیات کے ظاہر حال کے یہ خلاف ہے کہ ایک کو ناتمام چھوڑکر دوسری کو

شروع کر دیا جائے، کہ ایک ہی قسم کے دو وقیات اور ایک ہی قسم کے وزن مین تغیر اور تبدل کی ضرورت قرائن کے خلاف ہے،

۳۔ اس شعر کے اوپر ایک اور شعر سب نسخون مین ہے جسمین مہینون کا ذکر ہے، ان دونون شعرون کو ملاکر پڑھنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسکی تصنیف مین ایک سال صرف ہوا ہے، وہ شعر یہ ہین،

شد تمام این کتاب در مه دی — که در آذر فکندم این را پی

پانصد و بست و چار رفته زعام — پانصد و بست و پنج گشته تمام

آغاز و انجام کے مہینون کا یہ حساب اسی وقت پیش کیا جاتا ہے، جب حساب سال کے اندر یا سال کے قریب ہو، اس قرینہ سے اُس قرات کی تصدیق ہوتی ہے جس سے تصنیف کی مدت ایک سال ثابت ہوتی ہے، ایک سال کے آذر سے لیکر دوسرے سال کے دی تک ٹھیک ایک سال ہوتا ہے، اس سے اکثر نسخون کے مطابق یہ تصریح بکلی ہے کہ ماہ آذر ۵۲۴ھ سے شروع ہوکر ماہ دی ۵۲۵ھ مین تمام ہوئی، اور بعض نسخون کے مطابق یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ماہ آذر ۵۳۴ھ سے تصنیف کا آغاز اور ماہ دی ۵۳۵ھ مین اسکا انجام ہوا،

اگر مدت دس گیارہ برس ہوتی (۵۲۴ھ سے ۵۳۵ھ یا ۵۳۴ھ تک) تو آغاز و انجام کے مہینون کا پیش کرنا بیسود ہوا جاتا ہے،

۴۔ شعرا اس قسم کی تاریخ کا اظہار فخریہ کرتے ہین، ایک سال مین (یعنی ۵۲۴ھ سے ۵۲۵ھ یا ۵۳۴ھ سے ۵۳۵ھ) اس کتاب کا تصنیف پانا تو وجہ افتخار بن سکتا ہے، مگر دس گیارہ برس کی محنت شاقہ مین اس کا تصنیف پانا سنائی کیا کسی معمولی شاعر کے لیے بھی افتخار کی وجہ نہین ہو سکتی،

ان قرائن کی بنا پر ۵۲۴ھ سے ۵۳۵ھ کا نسخہ ناقابل اعتبار ہو جاتا ہے، اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صحیح وہی نسخہ ہے، جس سے اسکی تصنیف کی مدت ایک سال ثابت ہو، اب اگر ۵۲۴ھ سے ۵۲۵ھ کا نسخہ صحیح ہے تو ثابت ہوگا کہ حدیقہ پہلے، اور طریق التحقیق ۵۲۸ھ مین بعد کو لکھی گئی، اور اگر دوسرا نسخہ ۵۳۴ھ سے ۵۳۵ھ صحیح ہو تو معلوم ہوگا کہ طریق التحقیق ۵۳۰ھ

لہ وسیع النظر پروفیسر شیرانی کا تنقید شعر العجم ذکر سنائی مین "بست و چار دی و پنج" کے نسخہ کو ملا دلیل تسلیم کرکے یہ نتیجہ نکالنا کہ سنائی حدیقہ کی تصنیف مین دس برس مصروف رہے، (یعنی ۵۲۴ھ سے ۵۳۴ھ تک یا ۵۳۵ھ تک) درست نہین معلوم ہوتا، شاید ان کے پیش نظر صرف نول کشوری نسخہ رہا، "س"

مین پہلے اور حدیقہ ۵۳۴ھ سے ۵۳۵ھ مین بعد کو نظم ہوئی،

اب ان دو نسخون مین سے جنمین سے ایک مین "بست چہار دست و پنج" اور دوسرے مین "سی و چار دسی و پنج" ہی پہلا نسخہ میرے خیال مین صحیح تر ہے، کیونکہ حدیقہ کے اکثر و بیشتر نسخون مین بست و چار و بست و پنج ہی مذکور ہے،

چنانچہ ہندوستان اور یورپ کے جن کتبخانون کے نسخون کا حال معلوم ہوسکا ہے، ان مین علی العموم یہی تاریخ ہے، بمبئی کے نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۹ء مین جو ایرانیون نے چھاپا ہے یہی ہے، حاجی خلیفہ چلپی کے سامنے جو نسخہ تھا اس مین بھی یہی تھا، کشف الظنون مین ہے:-

"فرغ من نظمه سنة اربع وعشرين وخمسمائة"

مولنا جامی کے پیش نظر نسخہ مین بھی یہی تھا، نفحات مین ہے:-

"تاریخ تمامی حدیقہ چنانچہ خود بنظم آورده سنة خمس وعشرين وخمسمائة بوده است"

اس بنا پر اسی نسخہ "بست و چار و بست و پنج" کو صحیح تر ماننا چاہئے، اور یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ سنائی نے حدیقہ ماہ آذر ۵۲۴ھ مین شروع کی اور ایک سال مین ماہ دی ۵۲۵ھ مین تمام کی،

تاریخ ولادت حکیم سنائی کی تاریخ ولادت عموماً اگلے تذکرون مین مذکور نہین، مگر بعض متاخرین نے ۴۳۶ھ ان کی ولادت کی تاریخ لکھی ہے، چنانچہ ریو نے تذکرۃ الافکار کے حوالہ سے یہی تاریخ نقل کی ہے (فہرست مخطوطات فارسی برٹش میوزیم ج ۲ صفحہ ۵۴۹) شیر خان لودی نے صاحب مجمل فصیحی کی روایت سے اپنے تذکرہ مرآۃ الخیال (صفحہ ۴۲ طبع کلکتہ) مین اور آزاد بلگرامی نے یہ بیضا مین بھی یہی تاریخ ولادت درج کی ہے، مگر میرے نزدیک یہ قطعاً غلط ہے، یہ معلوم ہوچکا ہے کہ حدیقہ اکثر و بیشتر نسخون کے مطابق ۵۲۴ھ سے ۵۲۵ھ مین لکھی گئی ہے، اور بعض دوسرے نسخون کا اعتبار کیا جائے تو ۵۳۴ھ سے ۵۳۵ھ مین تالیف ہوئی، حدیقہ کے تقریباً وسط مین ہے،

پای بر پای آمد از غم شصت — لاجرم دست می زنم بر دست

(با با الضعف والشیب)

عمر دادم بجملگی برباد — بر من آمد زشصت صد بیداد

(فی تبدیل الحال)

ان دونون شعرون سے ثابت ہے کہ حدیقہ کی تصنیف کے وقت سنائی کی عمر ساٹھ سال کی تھی، اب اگر ۵۲۴ھ کو وقت تصنیف مانا جائے تو ولادت کا سال ۴۶۴ھ نکلے گا، اور اگر ۵۳۴ھ مانا جائے تو ۴۷۴ھ ہوگا،

تاریخ وفات سنائی کے سالِ وفات کے متعلق چار روایتین ہین،

۱- شیر خان لودی نے مجمل فصیحی کی روایت سے لکھا ہے کہ سنائی ۴۷۳ھ مین پیدا ہوے اور باسٹھ برس کی عمر پائی، اس حساب (۴۷۳ + ۶۲ = ۴۹۹) سے ۴۹۹ھ مین وفات واقع ہوتی ہے جو سرتاپا غلط ہے کہ یہ حدیقہ وطریق الحقیقت کی تصنیف سے اور بہرامشاہ وسنجر کی تخت نشینی سے پہلے کا واقعہ ہوگا، جو طرح شاہ بہ صحت سے خالی ہے،

۲- مولانا جامی نے نفحات الانس مین بعض کا قول نقل کیا ہے کہ ۵۲۵ھ مین جس سال حدیقہ کی تصنیف ختم ہوئی، مصنف کی زندگی کا بھی خاتمہ ہوا،

بعد کے اکثر لوگون نے اس بعض کے قول کی بے تحقیق تقلید کی ہے،

۳- تقی الدین کاشانی نے اپنے تذکرہ خلاصۃ الاشعار وزبدۃ الافکار مین جو ۹۷۹ھ ۹۹۲ھ کی تالیف ہے، اور جس کے ابواب کا خلاصہ ڈاکٹر اسپرنگر نے اپنی فہرست کتبخانۂ شاہ اودھ مین دیدیا ہے، سنائی کی وفات کا سال ۵۴۵ھ نقل کیا ہے (فہرست مذکورہ ص۵۵۵)

۴- دولت شاہ سمرقندی نے تذکرہ مین اپنی مشہور بے احتیاطی کیساتھ سنائی کی وفات کا سال ۵۷۶ھ لکھا ہے،

اگرچہ ان مین سے کوئی بھی قدیم ترین اور قریب ترین شہادت نہین ہے، تاہم محققین حال نے متعدد وجوہ کی بنا پر تقی کاشانی کی روایت یعنی ۵۴۵ھ کے سالِ وفات کو معتبر قرار دیا ہے،

میرے نزدیک تو دولت شاہ کی ۵۷۶ھ والی روایت اس لیے قبول کے قابل نہین کہ جب ۴۶۴ھ مین ان کی ولادت ہوئی اور ۵۲۵ھ مین حدیقہ کی تصنیف کے وقت وہ ساٹھ سال کے تھے تو ۵۷۶ھ مین انکی عمر اکیاسی گیارہ برس کی قرار پاتی ہے، اور یہ طول عمر ثبوت کا محتاج ہے، اور اسلیے بھی اس قدر متاخر تاریخ نہین مانی جاسکتی، کہ سنائی کی تصنیفات مین صرف بہرامشاہ اور سنجر دو بادشاہون کے نام آتے ہین، اور جیسا کہ معلوم ہوچکا ہے کہ بہرامشاہ غزنوی نے ۵۴۷ھ مین

اور سنجر سلجوقی نے ۵۵۲ھ مین وفات پائی ہے، اور ان کے بعد دوسرے سلاطین دونون خانوادون مین تخت نشین ہوئے ہین، اگر وہ دوسرون کا زمانہ بھی پاتے تو ان کے نام کے قصائد بھی سنائی کے کلام مین مل سکتے،

حکیم کے کلیات مین غزنویہ اور سلجوقیہ کے صرف ایک ایک بادشاہ کے نام کے قصیدے ہین، غزنویہ مین سلطان بہرامشاہ کے نام کے اور سلجوقیہ مین سنجر کے،

سلطان ہمہ مشرق بہرام شہ آنکو بہرام سپہرش نسپرد بندۂ دربر

خسروِ خسرونشان بہرام شہ سلطانِ حق آنکہ بہرام فلک در سطوتش حیران بماند

آفتابِ داد و دین سنجر کہ اورا ہر زمان اوّل القاب نوشروانِ ثانی آمدہ است

ان دونون بادشاہون کے زمانے بہت لمبے ہوئے ہین، بہرامشاہ کا عہد ۵۱۲ھ سے ۵۴۷ھ تک اور سنجر کا ۵۱۱ھ سے ۵۵۲ھ تک، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنائی نے اول تو دربارون تک دیر مین رسائی پائی ہے اور پھر ایک بادشاہ سے زیادہ اپنا مربی نہین پایا،

پھر یہ بھی قابلِ غور ہے کہ سنائی نے ۵۷۶ھ کی وفات کی صورت مین اپنے مربی و محسن بہرامشاہ کو ۵۴۷ھ مین اور سنجر کو ۵۵۲ھ مین مرتے ہوئے سنا لیکن اُن کے اس سانحہ پر غم و حسرت کے دو قطرے بھی نہ بہائے، یہ تعجب خیز ہے درآنحالیکہ معزّی شاعر کے سنجر کے ہاتھ سے اتفاقیہ مارے جانے پر وہ آنسو کے چند قطرے گراتے ہین، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت ان بادشاہون کی وفات کے وقت شاعر زندہ ہی نہ تھا،

۵۲۵ھ کی تاریخ وفات بھی کئی وجوہ سے ناقابلِ اعتبار ہے،

۱- سنائی نے اپنی دوسری مثنوی طریق التحقیق جسکا ذکر اوپر گذر چکا ہے ۵۲۸ھ مین لکھی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ ۵۲۸ھ تک تو یقیناً زندہ تھے،

۲- حدیقہ کے بعض نسخون مین اس کا سنہ ۵۲۴ھ سے لیکر ۵۳۵ھ تک اور بعض کے رو سے ۵۳۴ھ سے ۵۳۵ھ تک تصنیف ہونا پایا جاتا ہے،

۳- سنائی نے امیر معزی شاعر کے مرثیہ مین جس نے ۵۴۲ھ مین سلطان سنجر سلجوقی کے اتفاقی تیر سے زخم کھا کر وفات پائی ہے[1]، چند قطعے لکھے ہین، جنمین ایک کو آذر نے اپنے آتشکدہ مین درج کیا ہے، (ص ۳۵۱ بمبئی)

گر زہرہ بچرخ دوم آید نہ شگفت است — در مأتم طبع طرب افزاے معزی

از حسرت درہاے یتیمش چو یتیمان — بنشست عطارد بعزاے معزی

اور دوسرے کو مرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے حواشی چہار مقالہ مین نقل کیا ہے[2]،

تا چند معزاے معزی کہ خدایش — زینجا بفلک برد و قبائی ملکی داد

چو تیر فلک بود قرینش سرہ آورد — پیکان ملک برد، بہ تیر فلکی داد

اس سے معلوم ہوا کہ ۵۴۲ھ تک سنائی کی وفات نہین ہوئی تھی، اور ۵۴۷ھ مین وہ وفات پا چکے تھے اور نہ اپنے محسن و مربی بہرامشاہ کا مرثیہ ضرور کہتے، اب ان دونون تاریخون کے بیچ مین انکی وفات کا سال ہوگا، اور یہ وہی ۵۴۵ھ ہے، جس مین کاشانی نے انکی وفات بیان کی ہے،

ان تفصیلات کا نتیجہ یہ ہے کہ حکیم سنائی کی ولادت کا سال ۴۶۴ھ یا ۴۶۵ھ اور وفات کا سال ۵۴۵ھ قبول کیا جائے، اس حساب سے انکی پوری عمر اسّی اکاسی برس کی ہوگی، اور اگر ۵۳۵ھ کو حدیقہ کا سال تصنیف مانا جائے، تو دس گیارہ برس عمر اور کم ہو جائیگی،

اس تفصیل سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مستوفی قزوینی صاحب گزیدہ کا انکو سلطان ابوسعید ابوالخیر المتوفی ۴۴۰ھ کا معاصر بتانا قطعاً غلط ہے نیز حضرت جامی کا یہ فرمانا کہ انھون نے سلطان محمود المتوفی ۴۲۱ھ کی مدح لکھی تھی درست نہین، اسی لیے دولتشاہ نے اپنے تذکرہ مین اس مدح مذکور کا سلطان محمود کے بجاے سلطان ابو اسحاق ابراہیم غزنوی (۴۵۰ھ - ۴۹۲ھ) کی شان مین ہونا ظاہر کیا ہے، جو قرین قیاس ہو سکتا ہے، مگر اس نام کا کوئی قصیدہ شاعر کے مطبوعہ بمبئی کلیات مین مجھے نظر نہین آیا، لیکن چونکہ یہ شاید منتخب ہے اس لیے پورے استناد سے نہین کہا جا سکتا،

---

[1] لباب الالباب عوفی جلد ۲ ص ۴۰ گب و آتشکدہ آذر ص ۳۵۱ بمبئی، فہرست مخطوطات انڈیا آفس (حدیقہ سنائی ص ۵۱۰)

[2] حواشی چہار مقالہ ص ۱۵۱ گب،

فلسفۂ فقرار

یعنی

سائنس اور تصوّف

از

جناب ڈاکٹر نواب سر امین جنگ بہادر کے سی آئی ای ایس آئی ایم اے ال ال ڈی حیدرآباد دکن

(۲)

۶- جان و بیجان

۱- پروفیسر سر جگدیش بوس پکے ویدانتی ہین جن کا مشہور و معروف انسٹیٹیوٹ (دار التجربہ) ویدانتی اصول پر قائم ہے، اون کے اختراعات، ایجادات و تصانیف نے سائنس کی دنیا مین ہندکے علم و ہنر کا سکہ دوبارہ رائج کردیا، اونھون نے صوفیا کے بعض دعوون کو نطقی یا لفظی طور سے ثابت کرنے پر اکتفا نہ کرکے، خود اون کا مشاہدہ بروز روشن کرادیا ہے، مثلاً اونھون نے اعلیٰحضرت خلداللہ ملکہٗ کو کلکتہ مین ایک ایسا آلہ بتایا جس سے ہم سب کو نظر آیا کہ درخت بھی مانند انسانون کے سوتے جاگتے خوش اور رنجور ہوتے ہین، گویا اون مین بھی ایسی جان ہے جس کی نوعیت مین اور ہماری جان کی نوعیت مین کچھ فرق نہین، البتہ درجہ کا فرق تو ضرور ہے، سر جگدیش نے بہت سال قبل یہ بھی اپنے ایجادی آلات سے بتادیا کہ پتھرون مین علی العموم جمادات مین جنکو ہم بے جان سمجھتے رہے ایک درجہ کی جان ہے، جس سے وہ خاص خاص ہیجات کے عجیب ہوتے ہین یعنی چند خاص خارجی حرکتون کا جواب دیتے ہین، جو حیات کی علامت ہے، اگرچہ تیرہ سو سال کی ترقی علم و ہنر کے بعد بھی سائنس "روح کیا ہے" بیان نہین کرسکتا، اگرچہ آج بھی (قل الروح من امر ربی) کے

بغیر گریز نہین لیکن روح کی موجودگی کے نشانات جو اُس وقت ظاہر تھے، اب بھی ہین، اور ہمیشہ رہین گے، ایسی نشانیون مین کسی فرد کا ایک جگہ سے دوسری جگہ خود بخود منتقل ہونا گویا یہان سے وہان تک چل کر جانا اوس فرد مین روح ہونے کی نشانی نہین ہوسکتا، عضویہ (ORGANISM صاحب عضو ہونا کوئی ایسی نشانی نہین ہی، موٹر کار بھی گھوڑے کی طرح عضویہ، عضو دار ہے، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی ہے لیکن موٹر کار جاندار نہین کہی جاتی، گھوڑا جاندار کہا جاتا ہے، اسکی کیا وجہ ہے، ؟ گھوڑے مین اور موٹر مین بالا امتیاز جان جو ہے، اوسکی نشانی گھوڑے مین کیا ہی، جو موٹر مین نہین، ؟ اہل سائنس اور نیز صوفیون کے نزدیک دو نشانیان ہین،

۲ - ایک نشانی (الف) حفاظت جسم کی ہے، دوسری نشانی (ب) حفاظت جان کی ہی،

الف - موٹر کار کا کوئی کل پرزہ ٹوٹ جائے یا گھس جائے تو موٹر کار خود بخود اوسکی مرمت نہین کرسکتی، شوفر یا میکانک ہی اوسکو درست کرسکتا ہے، لیکن اگر گھوڑے کو کوئی چوٹ لگے، یا اوسکی کوئی ہڈی ٹوٹ جائے، تو اوس کے جسم مین کوئی ایسی شے ہے، جو ایک قسم کا لعاب خون سے نکال کر زخم کو مندمل اور ہڈی کو جوڑ دیتی ہے، موٹر کا میکانک ٹوٹے ہوئے اسکرو کو نکال کر دوسرا اسکرو ڈالتا ہے لیکن گھوڑے کا طبیب ٹوٹی ہوئی ہڈی کو نکال کر دوسری ہڈی نہین ڈال سکتا، فقط اوسکو جوڑ کر گھوڑے کی طبیعت (یعنی جان) پر بھروسہ کرتا ہے، کہ وہ جڑ جائے گی، چند سال قبل لندن کے ایک مشہور معروف ڈاکٹر نے اپنے لکچر مین کہا تھا کہ کوئی حکیم جہان جان نہین وہان اپنی دوا یا علاج سے جان نہین ڈال سکتا، فقط یہی کرتا ہے، کہ جہان جان ہو، اوس کی مٹھی اپنی دوا سے ٹھوک ٹھاک کر دوا کے ذریعہ اوسکو شاباشی دیکر یا اپنے علاج سے اوسکی بجا جت کرکے اوسکو اپنی آپ جلد حفاظت کرنے یا شفا جلد دے دینے کے کام پر لگا دیتا ہی، غرض گھوڑے مین جان ہونے کی ایک نشانی یہ ہے، کہ وہ گھوڑے کا جسم آپ ہی آپ اچھا رکھتی ہی، اپنا زخم خود آپ چنگا کرلیتی ہی، ٹوٹے ہوئے عضو کو خود آپ درست کرتی ہے، اگرچہ اسمین حکیم کے علاج کی مدد ہوتی ہی لیکن اگر خود طبیعت مین مدد لینے کا رجحان یا مادہ نہ ہو تو علاج کارگر نہین ہوتا،

ب - علیٰ ہذا القیاس دوسری نشانی حیات کی یہ ہے کہ موٹر کار کے راستہ مین اگر دفعتہً کوئی گڑھا سامنے آجائے

تا وقتیکہ شوفر اوس کو بریک ڈال کر نہ روکے موٹر کار خود بخود نہین رک سکتی بخلاف اس کے اگر گھوڑے کے سامنے اچانک کوئی غار آجائے تو وہ خود بخود جھجک کر رک جاتا ہی، سوار جسکو غار نظر نہ آتا ہو، وہ اوسکو اگر بڑھانا چاہے، تو بھی گھوڑا الوٹ کر بھاگ جانے کی کوشش کرتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ موٹر کار مین اپنے آپ کو خطرہ سے روکنے کا اختیار نہین ہے لیکن گھوڑے مین ایسا اقتدار موجود ہے یہی دونشانیان حفاظت خود اختیاری کی جانداروں مین ہین، اون کو اور ایسے دوسرے چند معمولی امور مثلاً چلنے پھرنے سونے جاگنے وغیرہ وغیرہ کو پروفیسر آئین اپنے (نظریہ تناسب) کے لئے واقعات زمان و مکان کہتے ہین، صوفی اپنے تصوف کے اغراض کے لئے حادثات جسم وجان کہتے ہین،

الغرض ظواہر = واقعات زمان و مکان = حادثات یا حوادث جسم وجان سے مراد ہے،:-

(۱) شئی مثلاً پتھر شجر بشر (۲) حالات شئی مثلاً گرمی سردی بخار و درد سرا ور (۳) باہمی تعلقات اشیاء پس روزمرہ کی گفتگو کی زبان مین (۱) کو ذات فرض کرکے (۲) اور (۳) اوس کے صفات سمجھے جاتے ہین لیکن ذات کیا چیز ہے بیان کرنا دشوار بلکہ غیر ممکن ہی (دیکھو فصل ۹ دفعہ ۳)

۷۔ واقعاتِ زمان و مکان

(۱)۔ (عرصہ) مرور زمانہ یعنی وقت کس قدر گذرا، اوسکی پیمایش گھڑی سے ہوتی ہی جب ڈائل کی مدور سطح پر گھڑی کی بڑی سوئی ایک چکر لگاتی ہے، تو اوس کو ایک گھنٹہ کہتے ہین، جب اوسکی چھوٹی سوئی ایک چکر ڈائل کی سطح پر لگاتی ہے، تو اوس چکر کو آدھا روز کہتے ہین، ڈائل کی مدور سطح دراصل مسافت یا مکان ہے، اس مکان مین چکر لگانے والی سوئیان بتاتی ہین، کہ وقت کسقدر گذرا، پس وقت TIME کا اندازہ زمانہ کی پیمایش سطح ڈائل SPACE سے ہوتی ہے ایسا ہی مسافت DISTANCE ایک مقام یا مکان سے دوسرے مقام یا مکان تک کتنی دوری ہے، اوسکا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک گھنٹے مین کتنے میل طے کئے گئے، مسافت کی پیمایش وقت سے ہوتی ہے، چنانچہ مسافت یا مکان کی پیمایش زمان سے ہوتی ہے، اور زمان کی پیمایش مکان سے ہوتی ہی، زمان و

مکان سے ایک دوسرے کے لازم و ملزوم گویا توام ہین، ایک دوسرے سے جدا نہین ہوسکتے، ان دنون بعض اہل سائنس زمان کو ایک ہی عرصہ duration کے دو پہلو تصور کرتے ہین، پاریس یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر برگسان جنکی کتاب creative Evolution نے بیسوین صدی کی فلسفی دنیا مین ایک ہل چل پیدا کردی تھی، اونھونے اپنی تصانیف مین محض عرصہ کو حقیقت ثابت کرنے کی کوشش کی ہی، (فصل ۹ دفعہ ۲)

۲- ماہرین طبعیات کے نزدیک تمام ظواہر Phenomena کے بھی دو پہلو زمان و مکان time andspace ہین، جن سے ظواہر کا خارج مین موجود ہونا ہم کو محسوس ہوتا ہے، لیکن دراصل ظواہر کیا ہین ہم کو معلوم نہین، پروفیسر آئین سٹین نے ظواہر کا نام "واقعات زمان و مکان" رکھا ہی، اور انھین سے اپنا ایک نظریہ یون قایم کیا ہے، کہ ان واقعات زمان و مکان کی پیایش کے لئے فقط تین مساحات طول، عرض عمق کافی نہین، بلکہ ایک چوتھا مساحہ وقت لازماً اون مین شریک ہو اور رہنا چاہیے، اسکا دوسرا مشہور نظریہ تناسب RELATIVITY ہنسی مذاق کے قابل ہوتا، اگر وہ اوسکو مہندسی MATHEMATICAL اور نیز اختباری OBSERVATIONAL طور سے ثابت نہ کئے ہوتے، وہ نظریہ یہ ہے کہ زید اگر سیدھا کھڑا رہے، تو اوس کے قامت کی درازی اوس کے اس قامت کی درازی سے کم ہوتی ہے، جب وہ بچھونے پر چت لیٹا ہو، اسی طرح ایک ہی لاٹھی جب وہ نیچے پڑی رہے، جتنی لانبی ہوتی ہی، اوتنی لانبی نہین ہوتی، جب کہ وہ سیدھی کھڑی رہے، (!!) اس نظریہ کا نام آئین سٹین نے (محدود تناسب) رکھا ہی، اور نظریہ موسوم بہ (عام تناسب) جداگانہ ہے جسکا صرف حوالہ ذیل مین بیان کیا جاتا ہی،

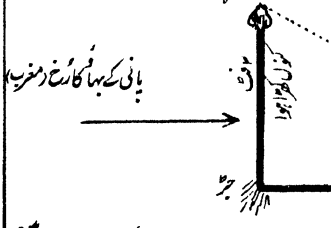
۲- طبعیات کے (محدود تناسب) کی صراحت تین لحاظ سے ہوتی ہی،

(الف) پہلا لحاظ تو یہی کہ زمان و مکان توام ہین، ہمارے ادراک و علم مین ایک دوسرے سے جدا نہین ہوسکتے بلکہ ادراک کیلئے لازم و ملزوم ہین،

(ب) دوسرا مفروضہ اتیمر ہے، جسطرح سمندرون کا پانی کرۂ زمین کو لپٹا ہوا ہے، اسی طرح ہوا بھی کرۂ زمین کو لپٹی ہوئی ہی، ہوا سطح زمین سے اوپر چھ سات میل تک ہی ہے، اوس سے اوپر کیا ہی؟ خلا ہی؟ نہین، کیونکہ خالص

خلا محال ہے، میرے منہ سے آواز جو نکلتی ہے، اوس کو آپ کے کان تک پہنچانے کا ذریعہ جیسی ہوا ہے، ویسی ہی سورج[1] اور تارون سے روشنی جو نکلتی ہے، اوسکو آپ کی آنکھ تک پہنچانے کا ذریعہ ایتھر ہے، جو ایک موہوم و لطیف ترین شئی ہے، جو تمام عالم کے ہر جسم و ہر جرم مین ساری و طاری ہے گویا ایتھر کے بہتے ہوئے بحیرہ مین ہم سب اور ہماری ساری دنیا بسی ہوئی ہے

(ج) تیسرا ہندسی ثبوت ہے، جس کا خلاصہ سرسری طور پر ایک مثال سے یون بتایا جا سکتا ہے، گرمی سے سوکھی ہوئی ندی مین ایک جگہ پانی کا چشمہ بن گیا ہے، اسمین ایک کنول کا پھول سیدھا کھڑا ہے، جسکا ڈنٹھل جڑ سے سرتے تک تین فٹ لانبا ہے، فرض کر لیا جائے کہ ڈنٹھل ربڑ کے مانند کھینچا جا سکتا ہے، لیکن اوسکی جڑ زمین مین ایسی مضبوط گڑی ہے کہ اکھاڑی نہین جا سکتی، اوس ندی مین دفعتہً طغیانی ہوئی، پانی فی گھنٹہ چند میل بہتا ہوا ایکدم اس زور سے آیا کہ کھڑے ہوئے کنول کو سلا دیا، لیکن اوسکی جڑ کو کھینچ کر بہا نہ سکا، اقلیدس کی شکل عروسی (مقالہ اول شکل ۴۸) کے موافق کوئی مہندس حساب لگا کر آپ کو بتا دیگا کہ پانی کے بہاؤ کے وقت تین فٹ کا کھڑا ہوا ڈنٹھل کھینچکر چار فٹ لانبا ہوا تھا، پانی کا بہاؤ موقوف ہونے کے بعد ڈنٹھل ربڑ کے مانند سکڑ کر پھر تین فٹ کا ہو گیا، بلکہ پھر ڈھکا ہوا اوسکی شکل مہندسی ایسی ہوئی تھی



۴ - الغرض (تناسب محدودہ) کا نظریہ اسی قدر ہے کہ ہم سب تمام اجسام و اجرام، ایتھر کی بہتی ہوئی ندی مین رہتے ہین جس کے بہاؤ کا زور ایسا ہے کہ جب ہم لیٹ جاتے ہین، تو کھچکر لانبے ہو جاتے ہین، اگر کوئی لڑکا کھڑا ہو تو تین فٹ لانبا ہے، تو جب وہ لیٹ جاتا ہے تو ایتھر کے بہاؤ کے زور سے کھچکر چار فٹ لانبا ہو جاتا ہے، لیکن خود اوسکو یا دوسرون کو اوس کا کھچنا اور بڑھنا اور گھٹ جانا محسوس نہین ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے، اس لئے کہ جس تین فٹ کے گز سے ہم اوس لڑکے کو ناپتے ہین، وہ خود پڑے رہتے وقت کھچا جا کر لڑکے کی ناپ کے برابر چار فٹ کا گز ہو جاتا ہے، ہم کو ایتھر کا بہاؤ بھی محسوس نہین ہو سکتا، کیونکہ ہم مین سے ہر ایک کی پیدائش سے اب تک اوس کا بہاؤ کبھی نہین رکا تاکہ وہ ہم کو محسوس ہو سکے

[1] شمس یا آفتاب کی جگہ لفظ سورج یہان اسلئے استعمال کیا گیا ہے کہ ہر تارا بجائے خود اپنے عالم کے لئے آفتاب ہے،

آئین سٹین کا (عام تناسب) ایتھر کے مفروضہ کو بھی غیر ضروری بتاتا ہے لیکن اوس کے بیان کی یہاں گنجایش نہیں،

۵ - آئین سٹین نے اپنے نظریہ سے جو نتائج طبعیات میں تجم، وزن، کشش ثقل، GRAVITATION یا تجاذب کے بارہ میں نکالے ہیں، اون کی صراحت کی یہاں ضرورت نہیں حتی کہ اوس نظریہ کے تذکرہ کی بھی چنداں ضرورت نہ ہوتی، اگر اسی کے مانند صوفیون کا نظریہ تناسب نہ ہوتا، آئین سٹین نے جس طور سے اپنے نظریہ کو ثابت کیا ہے اوس کا ایک شمہ یہاں اس لئے بیان کیا گیا تاکہ قیاس کیا جاسکے کہ اہل تصوف بھی کچھ اسی طرح اپنے نظریہ کو سینہ بسینہ ارشادات سے ثابت کرتے ہوں گے، اگلے زمانہ کے صوفی اکثر اوقات طریقہ، تحقیقات یا طرز ثبوت کا بیان ترک کرکے فقط اپنی تحقیقات کے نتیجہ سے کام لیا کرتے تھے، اور اون کے شاگرد اپنے استاذ کا نام لیتے ہی اوس نتیجہ کا کافی ثبوت تصور کر لیتے تھے، اس لئے تصوف کے فلسفہ کی بہت سی باتون کی صراحت یا ثبوت کا ریکارڈ اخلاف کے واسطے رہ نہ سکا،

۶ - قبل اس کے کہ صوفیون کا نظریہ تناسب بیان کیا جائے، یہ کہنا بے موقع نہ ہوگا کہ ایک اہم نتیجہ جو آئین سٹین نے اپنے (عام تناسب) کے نظریہ سے نکالا ہے، وہ صوفیون کے نظریہ کے ایک اہم نتیجہ کے موافق ہے اگرچہ اون کا نظریہ زیادہ تر حیاتیات و روحانیات سے تعلق رکھتا ہے، اور آئین سٹین کا نظریہ بالکلیہ طبعیات سے متعلق ہے، پروفیسر موصوف نے ثابت کیا ہے، کہ اگرچہ ہمارا عالم بہت ہی وسیع بلکہ لامتناہی پایا جاتا ہے، لیکن دراصل (لاحدلہ) لامحدود نہیں ہے، جب سمندر کے وسیع رقبہ پر کسی بہت اونچے مقام سے (مثلاً بہت اوپر اڑتے ہوئے ایروپلین سے) نظر ڈالی جائے، تو وہ محدب اوبھرا ہوا گول ہوتا نظر آئے گا، ایسا ہی مکان و زمان میں جس قدر زیادہ وسعت ہوتی ہے اوسی قدر زیادہ وہ اپنے آپ پر لپٹ کر اپنی شکل ایک قسم کی کروی بنا لیتا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف ایک عالم نہیں ہے، بلکہ کروڑہا عالم ہیں، کیونکہ خدائے تعالی (رب العالم) ہی نہیں ہے بلکہ (رب العالمین) ہے، اور جس عالم کے ذرے ہم ہیں، وہ ایسا وسیع ہے جسمیں آفتاب سیارے اور ستارے ایک دوسرے سے اس قدر فاصلہ پر ہیں کہ ہر ستارے کی روشنی جو ہمکو نظر آتی ہے، وہ اُس سے نکلکر ہماری آنکھون تک پہنچنے کے لئے لاکھوں ارب سال کا زمانہ گذر جاتا ہے، مسافت و وسعت کی پیمایش اندنون میں شمسی سال کو چھوڑ کر "نوری سال" LIGHT سے کرتے ہیں، ایسا بڑا عالم بھی غیر محدود نہیں ہے، اس کے سوا دوسرے عالم بھی موجود ہیں،

حضرت شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی

از مولینا سید ابو ظفر صاحب ندوی سابق مدرس عربی و فارسی رہاڈیا احمد آباد

اس مضمون کے گذشتہ نمبر (ص ۱۱۲ سطر ۴) میں "عرش اسلام، قبلۂ مقبل" میں ۱۰۱۸ھ کے بجائے ۱۰۱۰ھ تاریخ نکلنے پر کسی حرف کے چھوٹ جانے کا خیال ظاہر کیا گیا ہے، نواب صدیار جنگ مولینا شروانی رقم فرماتے ہیں کہ اگر "و" بڑھا دیا جائے تو تاریخ ۱۰۱۸ھ درست ہو جائیگی اور صحیح مصرعہ یوں ہوگا ع: - عرش اسلام قبلۂ مقبل (قبلہ کے نون میں ہے جیسے کہ ہو گئے)

جاگیر و مدرسہ شاہان گجرات نے آپ کے خاندان کو متعدد مرتبہ وجہ معاش کے لئے جاگیریں عنایت کیں، مگر قبول نہ کیا، خود جناب شاہ صاحب کے ساتھ بھی یہ معاملہ ایک مرتبہ پیش آیا، مگر آپ نے رد کر دیا، آپکے پانچ صاحبزادے تھے، (۱) شاہ محمد جو برہان پور چلے گئے تھے، اور وہیں ۹۹۲ھ میں انتقال کر گئے، (۲) شاہ حامد (۳) شاہ عبد الواحد متوفی ۱۰۳۲ھ (۴) شاہ عبد الحق متوفی ۱۰۴۰ھ (۵) شاہ عبد اللہ ان کی ولادت ۹۳۰ھ میں بمقام احمد آباد ہوئی، جناب شاہ صاحب کی وفات پر اپنے باپ کی جگہ مسند نشین ہوئے، علم و تقوی میں اپنے پدر بزرگوار کے نمونہ تھے، ہمیشہ درس و تدریس اور ارشاد و ہدایت میں مشغول رہے، ۸۰ برس کی عمر میں بمقام احمد آباد ۱۰۱۸ھ میں انتقال فرمایا، اُن کے بعد جناب شاہ امداد اللہ بڑے لڑکے جانشین ہوئے، لیکن جلد انتقال فرما گئے، ۱۰۲۶ھ میں جب جہانگیر احمد آباد آیا، اوسوقت جناب شاہ موصوف کے بھائی، شاہ حیدر صاحب سجادہ تھے، جہانگیر آپ سے ملکر بہت خوش ہوا، موضع لیسوڈرا اور موضع باریجری اولاد کے معاش کے لئے بطور جاگیر عنایت کیا، اور موضع دستراں، موضع دنتالی اور موضع ہزنا، بدرسہ خانقاہ و روضہ کے اخراجات کے واسطے بطور وقف ہدیہ کیا، یہ مدرسہ اسی وقت سے ہمیشہ چلتا رہا، اور اس منبع فیض سے ہزاروں تشنگان علم برسوں سیراب ہوتے رہے، مدرسہ کب بند ہوا، اوسکے متعلق کوئی صحیح اور یقینی تاریخ معلوم کرنے کا میرے پاس

لہ اقبال نامہ جہانگیری سفر گجرات احمد آباد

کوئی ذریعہ اس وقت نہیں ہے، اس سلسلہ کے جو لوگ جو اس وقت موجود ہیں، وہ بھی اندازاً کچھ کہہ دیتے ہیں، اتفاقاً چند دن ہوئے کہ دو دستاویزیں میری نظر سے گذریں، ان میں سے ایک کے محرر جناب سید فیض اللہ بن سید اسد اللہ بن سید رحمت اللہ بن سید حسین بن سید عبد العلی بن سید اسد اللہ بن سید شاہ عبد اللہ بن حضرت شاہ وجیہ الدین ہیں، سید فیض اللہ صاحب نے اس دستاویز کے ذریعہ اپنی تمام جائداد اور عہدہ وغیرہ کا متولی اپنے لڑکے سید محمد شجاع الدین صاحب کو بنایا ہے، اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے، "تولیت نامہ بمصدر مغفرت مرتبت حسن محمد خان معروف بعلی محمد خان مرحوم دیوان صوبہ سابق و بہ مصدر غلام حسین خان صدر مغفور" اور آخر میں تاریخ تحریر ۱۶ شوال ۱۱۸۵ھ ہے، اور اس عہد کے مفتی سید بدر الدین کی جو مہر ہے اس پر ۱۱۹۵ھ کندہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اصل تحریر تو ۱۱۸۵ھ کی ہے، اور اوسکی نقل مفتی موصوف کے عہد ۱۱۹۵ھ میں اس وقت لی گئی جب سید فیض اللہ صاحب متوفی ۱۱۸۹ھ کے بعد کسی تنازعہ کے سبب ضرورت پڑی ہوگی، اور اسی سبب سے غالباً "دیوان صوبہ علی محمد خان اور غلام حسین خان صدر کو مرحوم اور مغفور لکھا ہے، کیونکہ مفتی صاحب کے عہد سے پہلے یہ وفات پا چکے ہوں گے، میرا گریہ قیاس صحیح ہے تو اسکے معنی یہ ہوئے کہ علی محمد خان ۱۱۸۵ھ میں بقید حیات تھے، اور گو سرکاری اعتبار سے وہ دیوان نہ تھے مگر لوگوں میں سابق دیوان کہلاتے تھے، اور کاروبار میں ابھی تک لوگ اون کی مہر اور دستخط سے کام نکالتے تھے، مرآۃ احمدی کے مصنف کا نام بھی علی محمد خان محمد حسن ہے، اون کی مہر پر ۱۱۶۴ھ کندہ ہے، وہ اسی عہد میں احمد آباد کے دیوان تھے، اپنی تاریخ گجرات میں ۱۱۷۸ھ تک کے حالات درج کئے ہیں، اور اسی کتاب کے خاتمہ سے ۱۱۷۶ھ تک ان کا زندہ رہنا معلوم ہوتا ہے، اس کے بعد سے پھر اون کی زندگی کا کوئی ثبوت دستیاب نہیں ہوا، اسلئے یہ قیاس کر لیا گیا کہ شاید ۱۱۷۶ھ یا ۱۱۷۷ھ میں وفات پا گئے، یہ تولیت نامہ اون کے آخری تحریر کردہ ۱۱۷۶ھ کے نو برس بعد کا ہے، اس لئے بہت ممکن ہے کہ اونہیں کے عہد کا تحریر کردہ ہو، اور وہ اس وقت تک بقید حیات تھے، مرآۃ احمدی میں ان کا نام "محمد حسن" ہے، اور اس تولیت نامہ میں "حسن محمد خان" ہے،

اس محمد کے تقدم و تاخر کے متعلق میرا خیال ہے کہ یا تو کاتب کے جدہ نویسی کا نتیجہ ہے، یا ممکن ہو کہ مصنف ہی کے دونوں نام ہوں کیونکہ یہ بالتحقیق معلوم ہے کہ اس عہد میں اور کوئی دوسرا دیوان مقرر نہیں ہوا تھا، کیونکہ

سنہ ۱۱۷۱ھ مین صوبہ دار مومن خان کے چلے جانے کے بعد مرہٹون کا قبضہ ہوگیا، افسوس ہے کہ نقل لیتے وقت اصل مین سے تمام مہرون اور دستخطون کی نقل چھوڑ دی، اگر ان کی بھی نقل ہوتی تو بڑی آسانی سے اس کا فیصلہ ہوسکتا تھا، اس تولیت نامہ مین جاگیر کے ضمن مین موضع بہرتنکہ (علاقہ منگلور) اور نصف گاؤن "دنتالی" (علاقہ دہ کروی) مذکور ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ۱۵۹ برس مین تمام جائداد سے صرف اسی قدر باقی رہ گئے، سید فیض اللہ صاحب علوی کا انتقال سنہ ۱۱۸۹ھ مین ہوا،

دوسرا کاغذ بھی تولیت نامہ ہے، محرر کا نام سید شجاع الدین بن سید فیض اللہ ہے، سید شجاع الدین صاحب کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی، ایک لڑکی مسماۃ بو (بوبو، یا بی بی) تھی، اوس کا لڑکا یعنی سید شجاع الدین کے نواسہ "عبداللہ بابا" کے نام یہ تولیت ہے، جس کے ذریعہ سید موصوف نے اپنی تمام جائداد اور عہدہ اپنے نواسہ کے حوالہ کردیا ہے، اس تولیت نامہ کی ابتدا ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے، تولیت نامہ بمصراین خادم شرع شریف وبمصر امارت و وزارت مرتبت شفیع محمد خان الخاطب بہ علی محمد خان دیوان صوبہ وبہ مصر میو فیاض الدین صدر" خادم شرع شریف قاضی شیخ الاسلام خان کی مہر پر سنہ ۱۲۱۰ھ کندہ ہے اور آخر تحریر مین تاریخ ۱۱ رمضان سنہ ۱۲۱۹ھ ہے،

معلوم ہوتا ہے کہ اس تولیت نامہ کے لکھتے ہی وقت اسکی نقل اصل سے لے لی گئی ہے، اس پر تمام علما وصوفیہ قاضی، صدر الصدور، دیوان صوبہ کے مہرون اور دستخطون کی نقل موجود ہے، خود سید شجاع الدین علوی کے مہر مین ہے: "از وجیہا الحق مدخواہد شجاع" جاگیر کے متعلق صرف موضع بہرتنکہ کا ذکر ہے، سید شجاع الدین صاحب اپنے والد سید فیض اللہ صاحب کے بعد اس تحریر کے وقت تک تیس برس متولی رہے، اس قلیل مدت مین موضع "دنتالی" کا نصف حصہ ہاتھ سے نکل چکا تھا، بہرحال، ان دونون تحریرون کے پیش کرنے کا اصل منشا یہ ہے، کہ ہر دو تحریر مین مسجد، مدرسہ، خانقاہ کا ذکر ہے، اور انھین کی تولیت ان کے سپرد کی گئی تھی، اگرچہ یہ تحریر سنہ ۱۲۱۹ھ کی ہے لیکن سید شجاع صاحب کی وفات سنہ ۱۲۳۶ھ مین ہوئی ہے، اس لئے یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ مدرسہ سنہ ۱۲۳۶ھ تک قائم تھا اور غالباً سید شجاع الدین صاحب

آخری عالم ہین جن سے مدرسہ کو رونق رہی،

کتبخانۂ مدرسہ جناب شاہ صاحب کا کتبخانہ بہت بڑا تھا، اور شاید ہی کوئی فن ایسا ہو جس کے متعلق کوئی کتاب یہان نہ ہو، زمانۂ حال کے لوگ راوی ہین کہ اون کے بزرگ فرماتے تھے کہ مین نے اپنی آنکھون سے کتبخانہ کو دیکھا ہے، دو بڑے کمرون مین از فرش تا سقف بے ترتیبی اور بے احتیاطی کے ساتھ کتابین بھری تھین، راقم الحروف بھی جب ۱۹۲۱ء مین اس کتب خانہ کو دیکھنے گیا، تو متعدد بڑے بڑے صندوقون مین کتابین بے ترتیبی سے پڑی تھین، چند دن کی بیہم کوشش کے بعد مین نے ان کتابون کے اوراق منتشر کو مجتمع کرکے باترتیب رکھوا دیا تھا لیکن اب ۱۹۳۱ء مین وہان کیا ہے کچھ کتابین تو احباب کی نذر ہوئین، کچھ عزلی کتابون کو مجاورنے قرآن سمجھا، اور کمال دانائی سے بغرض ثواب ان کرم خوردہ کتابون کو قد آدم زمین کھود کر دفن کر دیا، باقی کرم خوردہ کتابین دریائے سابرمتی کی نذر ہوئین، کچھ تھوڑی سی کتابین جناب سید پیر حسینی صاحب مصنف تذکرۃ الوحیہ اور جناب بڑا میان صاحب موجودہ متولی درگاہ کے پاس ہین،

شاہ صاحب کی تصنیفات آج ہم یقینی طور پر کچھ نہین کہہ سکتے کہ آپ کی تصنیفات کل کتنی تھین لیکن عام طور پر مشہور ہے کہ ان کی تعداد تقریباً تین سو ہے ان مین سے ایک بڑی تعداد تو ضائع ہو چکی ہے اور دست برد زمانہ سے جو رہ گئی ہین، شاید ہی کوئی ان مین سے طبع ہوئی ہو، تلاش اور تفحص سے مندرجۂ ذیل کتابین دستیاب ہوئی ہین، جو اسوقت کتبخانہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد مین موجود ہین،

(۱) حاشیہ علی التلویح، (۲) حاشیہ علی شرح المواقف (۳) شرح جام جہان نما (تصوف) (۴) حاشیہ شرح مختصر التلخیص (۵) الوسیلۃ المسماۃ بالانسکزیہ (مباحث ما اذا قلت) (۶) رشاد شرح الارشاد (نحو) (۷) حاشیہ علی العضدی جناب شیخ محمد غوث گوالیاری (قس) کی کتاب "کلید مخازن" پر مختلف شرحین لکھی گئی ہین، جناب شاہ صاحب نے بھی ایک شرح لکھی ہے، کتبخانۂ مذکور مین مختلف شرحین موجود ہین جن مین سے ایک شرح ایسی ہے، کہ جسکے متعلق متعدد وجوہ کے بنا پر میرا خیال ہے کہ وہ جناب شاہ صاحب ہی کی تصنیف ہے،

توضیح تلویح اصول فقہ مین مشہور درسی کتاب ہے، مختلف علماء نے اپنے نقطۂ نظر سے اوسکی شرح اور حواشی

تحریر کئے ہین، جناب شاہ صاحب نے بھی ایک حاشیہ لکھا ہے،

حاشیہ علی التلویح، یہ کتاب ابتدا سے آخر تک خط نسخ مین ہے، ۱۴۰ تقطیع ہے، ابتدائی چار صفحے خوشخط اور باریک حرفون مین ہین، باقی معمولی تصنیف سے تقریبًا سوا سو برس بعد ۱۱۲۰ھ مین اس کی کتابت ہوئی ہے، اسکی ابتدا ان جملون سے ہوتی ہے:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم رب یسّر وتمم بالخیر الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین. اور اختتامی جملہ یہ ہے، ھذا آخر الکتاب بعون الملک الوھاب والحمد للہ علی اتمامہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق. جہان جہان اصل کتاب کا حوالہ ہے وہان سرخی سے "قولہ" لکھدیا ہے، مختلف مقامات کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ ہر جگہ تشریح کرتے وقت طلبہ کے ذہن نشین کرانے کی بے حد کوشش کی گئی ہے، مثلاً حقیقت ومجاز کی بحث مین ایک جگہ صاحب تلویح نے لکھا ہے "ففیہ نظر" اس نظر کے پیچیدہ مطالب کو جناب شاہ صاحب نے "حاصل النظر" کے عنوان سے بہت سہل عبارت مین تحریر فرمایا ہے، تاکہ طالب کے دماغ پر زیادہ بار نہ پڑے، پھر اس نظر کا جو جواب دیا جاتا ہے، اوسکو تحریر فرما کر "حاصل الجواب" کے عنوان سے اس کی تشریح فرماتے ہین، سید شریف جرجانی کا اس پر اعتراض نقل کرکے پھر خود اپنا جواب تحریر فرماتے ہین، اس مثال سے آپ خود سمجھ سکتے ہین، کہ جناب شاہ صاحب کا اس طرز تحریر سے اصل منشا کیا تھا، اور کس طرح اپنے مقصد مین کامیاب ہوئے ہین، زیر تنقید نسخہ مصنف کے خود نوشتہ نسخہ سے منقول ہے اور حاشیہ پر ہر جگہ تصحیح کی گئی ہے،

حاشیہ علی المواقف اس مشہور کتاب کے مصنف قاضی عضدالدین عبدالرحمن ہین، جسکی شرح علامہ سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ نے کی ہے، پھر متعدد علما نے اس پر حواشی لکھے، ہند مین زیادہ تر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا حاشیہ رائج ہے، آج سے پچیس ۲۵ برس قبل مصر سے جو نسخہ شایع ہوا تھا، اس مین ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے ساتھ ملا حسن چلپی کا بھی حاشیہ ہے، موجودہ زیر تنقید نسخہ افسوس ہے کہ آخر سے ناقص ہے اور بڑا حصہ کتاب کا ضایع گیا ہے، ۱۴۰ تقطیع پر معمولی خط نسخ مین ہے اسکی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:- بسم اللہ الرحمن الرحیم وبہ نستعین رب وفقت فتمم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین سبحان بجمالہ عن سمۃ الحدوث، اور آخری فقرہ یہ ہے، وذالک لاعتبار، یعنی ان الاحوال یتکلف، یہ غیر مختتم جملہ نصف صفحہ پر ختم ہوگیا جس سے اس قدر معلوم ہوتا ہے، کہ یا تو یہ کتاب اسی قدر اصل نسخہ سے نقل کی گئی ہے، یا بقیہ اجزا ضایع گئے، خدا جانے اس کا کوئی دوسرا نسخہ کسی جگہ ہے بھی یا ہمیشہ کے لئے معدوم ہوگیا، مطبوعہ کتاب کے مقابلہ سے معلوم ہوا کہ "المرصد الرابع فی اثبات العلوم الضروریہ" تک ہے،

اس بات سے تو ہر اہل علم واقف ہے کہ یہ کتاب علم کلام کی معرکۃ الآرا کتابوں میں سے ہے، اور اسی لئے اسکی متعدد شرحیں اور حواشی لکھے گئے، جناب شاہ صاحب کا طریقہ بیان اس کتاب سے بھی واضح ہے، ہر جگہ حاصل الکلام وحاصل الجواب وغیرہ کے عنوان سے مطالب کی تشریح کی ہے، اور پیچیدہ عبارت کو آسان اور سہل طریقہ سے سمجھانیکی کوشش کی ہے، لیکن جہاں کہیں ذات واجب الوجود کے متعلق کوئی تذکرہ آجاتا ہے، تو الفاظ شاندار اور معانی خیال بہت بلند ہوجاتے ہیں، اور صاف معلوم ہوتا ہے، کہ کسی کا ذوق وشوق رہبری کر رہا ہے، مثلاً کتاب کے ابتدا میں ہے:-

سبحات جمالہ عن سمۃ الحدوث

وتنزھت سرادقات جمالہ عن وسمۃ

التغیر والانتقال۔

افسوس ہے کہ اس کتاب میں نہ تو کاتب کا نام ہے اور نہ سنہ ہی تحریر ہے، کہ جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ کب کی تحریر ہے،

شرح جام جہان نما، جام جہان نما تصوف میں مشہور متن ہے اسکے مصنف محمد بن عز الدین بن عادل بن یوسف مغربی مشہور بہ سیرین ہیں، ۸۵۰ھ کی تصنیف ہے، عام صوفیوں میں یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ اوسکی مختلف شرحیں لکھی گئیں جناب شاہ صاحب نے بھی ایک شرح تحریر فرمائی ہے اس کے دو نسخے اس کتاب خانہ میں موجود ہیں، پہلا

نسخہ کتابی صورت میں ۱۲ تقطیع پر ہے، سرخ جدول سے محدود ہے، جہاں متن کی اصل عبارت ہے، وہاں سرخ خط کشیدہ ہے، یہ کتاب مختلف اہل علم کے ہاتھوں میں رہی ہے، کیونکہ مختلف اشخاص کے حواشی موجود ہیں، سب سے زیادہ حاشیہ ملا احمد بن سلیمان کا ہے، جو اس عصر کے مشہور علما میں سے ہیں، اسکی تصحیح اور بعض حواشی ملا علی بیرو کے ہیں، مولوی عبدالعزیز جناب شاہ صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، کہیں کہیں ان کے بھی حواشی ہیں، اگرچہ یہ نسخہ کامل ہے مگر آخری اوراق کرم خوردہ ہونے سے معلوم نہ ہو سکا کہ کس سنہ کا ہے اور کس نے لکھا ہے، خط صاف خوشخط اور نسخ میں ہے، حاشیہ پر ملا احمد بن سلیمان کا جو خط ہے اس سے بہت مشابہ ہے اسلئے اغلب ہے کہ ملا احمد ہی کا لکھا ہوا ہو،

دوسرا نسخہ ۱۵ تقطیع پر ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے بطور مسودہ نقل کیا ہے، یہ بھی کامل نسخہ ہے اور جگہ جگہ سے تصحیح شدہ ہے، یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم وبہ نستعین رب یسر وتمم بالخیر" پھر متن کی عبارت منقول ہے، جسکی ابتدا یوں ہوتی ہے "حمد بے حد وشکر بے عد سزائے ذاتی کہ وحدتش منشا احدیت و واحدیت شد" اس کے بعد اسکی شرح اس جملے سے ہوتی ہے "یعنی وحدت کہ اصل قابلیات جمیع اشیا است احدیت و واحدیت ازو ناشی است" اس کتاب کا اختتام اس فقرہ پر ہوتا ہے "کہ ترک قیل وقال واستغراق در حق است صفات حق ذاتہ، ذاتہ، صفاتہ، صفاتہ، افعالہ، افعالہ، درپیش است تمام شد" اس کتاب کا موضوع علم التوحید ہے، اور اسکے ابواب کی تقسیم مندرجۂ ذیل طریقہ سے کیگئی ہے،

کتاب کے دو حصے ہیں، ہر حصہ کا نام دائرہ ہے، اور ہر دائرہ میں دو قوس اور ایک خط ہے، دائرۂ اوّل میں مندرجہ ذیل مضامین ہیں:-

احدیت، واحدیت، وحدت، اعتبار، وجود، علم، شہود، نور، تعین، یا تجلی اوّل،

دائرۂ دوم کے مضامین حسب ذیل ہیں:-

ظاہر وجود (باصطلاح فلاسفہ واجب الوجود) ظاہر علم (باصطلاح فلسفی ممکن الوجود) برزخیت (باصطلاح مذکور حقیقت انسانی یا روح) تعین یا تجلی ثانی،

افسوس ہے کہ جو شرح جناب شاہ صاحب نے لکھی ہے اوسکی ابتدا مین کوئی مقدمہ تحریر نہین فرمایا جیسا کہ ابراہیم شطاری جنت آبادی نے لکھا ہے، جس کے سبب سے اس شرح سے صرف وہی فائدہ اُٹھا سکتا ہے جو اس فن سے کامل آگاہ ہو، مضامین کے تنوع اور اوسکے غوامض سے ناظرین خود آگاہ ہین، اسلئے بعض مقامات سے صرف اقتباس دیتا ہون جس سے جناب شاہ صاحب کے طرز تحریر کا آپ خود اندازہ کرلین گے، مثلاً ایک مقام مین متن کی عبارت یہ ہے، کہ "واعال کہ شامل ظاہر وجود است کہ وجوب وصف خاص اوست وشامل علم ظاہر است کہ امکان از لوازم اوست وشامل حقیقت انسان است کہ برزخ است بین الامکان والوجوب"، اس عبارت کی تشریح مین جناب شاہ صاحب نے انسان کو خلیفہ الٰہی بہت مختصر اور جامع طریقہ سے ثابت کیا ہے،

اب اصل مسئلہ سمجھنے سے پہلے چند باتین ذہن نشین ہوجائین، تو سمجھنے مین آسانی ہوگی، صوفیون کے نزدیک وجود مطلق کا نام حق ہے، اور اسی کو حقیقۃ الحقائق اور احدیت بھی کہتے ہین، وجود مطلق جب تنزلات کے مرتبہ مین آئے تو اوسکو "ظہور" کہا جاتا ہے اور یہ ظہورات تعین ذاتی کے اعتبار سے شیون کہلاتے ہین، جو بے حساب اور بے شمار ہین، اسی کو قرآن پاک نے یون ادا کیا ہے "کل یوم ہو فی شان" اور شیون کی مثال محسوسات کے ذریعہ ٹھیک تخم شجر کی ہے، جسمین عظیم الشان شجر بننے کی قابلیت موجود ہے، اور حقیقت وجود بہ شرط شی جو اسماء صفات ہین، اون کو مرتبہ واحدیت والوہیت کہتے ہین، اور حقیقت وجود بہ شرط لاشی کا نام احدیت رکھتے ہین، اور حقیقت وجود نہ بشرط شی اور نہ بہ شرط لاشی ہو ایسی مساوی اطرفین ذات کو باصطلاح صوفیہ تجلی اول یا تعین اول کہتے ہین اور فلاسفہ علم یا عقل اول اور یہ تجلی اول جب کسی تعین جزئی کے ساتھ مخصوص ہو تو اوسکو صفت کہتے ہین، عام اس سے کہ یہ صفت وجودی ہو، جیسے علیم، قدیم وغیرہ یا سلبی ہو جیسے قدوس، سلام وغیرہ، پھر تجلی اول نے بہ تعین مخصوص علیم

مرید، قدرت، بصیر، سمیع، متکلم، حی کی صورت اختیار کی تو ان صفات سبعہ کو "امہات صفات" کہتے ہیں پس وجود مطلق جب ان امہات صفات کے ساتھ تنزلات کا مرتبہ اختیار کرے، تو پانچ مرتبوں کا ظہور ہوتا ہے،

(۱) مرتبہ احدیت (۲) مرتبہ ارواح مجردہ (یا عالم جبروت) (۳) نفوس عالمہ (جیسے عالم مثال) (۴) مرتبہ شہادت وحس (جیسے عالم ملک) (۵) مرتبہ کون جامع یعنی انسان کامل جو محل مجموع تنزلات ہے"

اس قدر سمجھ لینے کے بعد اب جناب شاہ صاحب کی تشریح ملاحظہ ہو، وحدت، کثرت، وجوب، وغیرہ کی مختصر بحث کے بعد تیسرے جملہ کی تشریح یوں فرماتے ہیں، کہ ان صوفیوں کے نزدیک مرتبہ وجوب وجود اسمائے الٰہی کلی سے مراد ہے، جو ۲۸ ہیں، جیسے بدیع، باعث وغیرہ، اور امکان وجود سے مراد "اسمار کونی" ہیں، جو وہ بھی ۲۸ ہیں، جیسے عقل کل طبیعت کل وغیرہ اور وجوب وامکان کے درمیان جو مرتبہ وسط ہے، اوسکو "برزخ" کہتے ہیں، اور یہی حقیقت انسان ہے، کیونکہ انسان تمام حقائق ملک وملکوت وجبروت کو شامل ہے، اور چونکہ انسان اس حیثیت سے کہ وہ کامل تمام مراتب الٰہی اور جامع تمام تنزلات کونی کا ہے اسی سبب سے وہ نائب اور خلیفۃ اللہ ہے اور یہی معنی خلافت الٰہی کے ہیں"، اسی طرح آگے چل کر صفحہ ۹ پر حقیقت محمدیہ بیان فرماتے ہوئے فکان قاب قوسین کی جو تشریح قوس احدیت اور قوس واحدیت کے ضمن میں کی ہے، وہ بے انتہا لطیف ہے، اور اہل ذوق کے لئے باعث حظ، جسے ہم بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں،

رسالہ انسکزیہ اس رسالہ کا نام رسالہ انسکزیہ فی اجوبۃ الطفقہیہ مولانا علی قوشجی علی بحث ما انا قلت فی المطول ہے، جو صرف ۱۵ اوراق کا بہت لطیف رسالہ ہے، معانی وبیان پر تلخیص المفتاح جلال الدین محمد بن عبد الرحمٰن قزوینی متوفی ۷۳۹ھ کی ایک مشہور کتاب ہے، مولینا علی قوشجی نے بحث ما انا قلت پر چند اعتراضات کئے تھے، یہ رسالہ ان کے جواب میں ہے، میر ہاشم صاحب جو خود بھی بڑے عالم تھے، انھوں نے بھی اس مبحث پر ایک رسالہ لکھا ہے، اس کتاب پر جا بجا ان کے حاشیے بھی ہیں، کاتب کا نام محمد یوسف ہے، اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے،

بسم اللہ الرحمن الرحیم. قال صاحب الایضاح ویقدم المسند لیفید التقدیم تخصیصہ بالحکم الفعلی. اور اختتام ان جملون پر ہے، ھذا ما تیسر لی ھو المیسر لکل عسیر وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب.." یہ رسالہ ۹ مبحث پر منقسم ہے، جن مین سے بعض بہت ہی مختصر اور بعض طویل ہین، طریقہ یہ ہے کہ پہلے نفس تلخیص کے اصل مسئلہ کو لکھا ہے، پھر سید شریف جرجانی کا اعتراض نقل کرکے علامہ قوشجی کا نظریہ بیان فرمایا ہے، اور آخر مین اپنا جواب تحریر کیا ہے، جہان علامہ قوشجی کا اعتراض شروع ہوا ہے وہان سرخی سے "قولہ" ہے، اور جس جگہ سے جواب دیا ہے، اوسکی ابتدا "اقول" سے ہوتی ہے، اس مبحث پر تین اور رسالے اسی کے ساتھ مجلد ہین، رسالہ مولانا علی قوشجی رسالہ ملا عبد الغفور رسالہ میر ہاشم. افسوس ہے کہ ان مین سے کسی پر سنہ تحریر نہین ہے، اور بدقسمتی سے یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ اس رسالہ کا نام "انسکریہ" کیون رکھا، اور کس مناسبت سے؟ میرا ذاتی خیال ہے، کہ جناب شاہ صاحب کا ایک دوسرا رسالہ "انکریہ" ہے، جو غالباً "انکار" سے ہے، جس مین ایک کفر کے فتوی کی تردید کی ہے، کاتب نے اسی لفظ کو "انسکریہ" سے تبدیل کردیا، ضرورت ہے کہ یہ لآلی شاہوار جلد تر شائع ہوجائین، تاکہ کم از کم ضایع ہونے سے محفوظ رہین،

حاشیہ علی المختصر المعانی

یہ کتاب بھی "تقطیع پر ہے، اوسکی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے، بسم اللہ الرحمن الرحیم. قولہ ادا الحوادث شیئ متما یجب علیہ. اور اختتام یون ہے، قولہ کانۃ قنا ابن الھجا، القنا جمع قناۃ وھی الرمح. والفیلق الجیش قد وقع من تحشیۃ سلطان المحققین افضل المدققین اشرف المتورعین ملجا السالکین. الشیخ وجیہ الحق والدین. کاتب کا نام نہین ہے، تاریخ بھی نہین ہے، فقط اس قدر لکھا ہے. فی شھر رمضان سنہ من الھجریۃ النبویۃ حاشیہ پر جابجا اس کی تصحیح بھی کی گئی ہے، جہان اصل کتاب سے نقل کیا ہے، اوسکو سرخی سے "قولہ" کے لفظ سے ممتاز کردیا ہے. چونکہ مختصر المعانی مصنفہ سعد الدین تفتازانی مشہور کتاب ہے، جو تلخیص المفتاح کی شرح ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، اور عموماً متوسط درجہ کے طلبہ اسکو پڑھتے ہین، اس لئے اس حاشیہ مین طلبہ کے لئے سہولت بہم پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے، معانی کا بیان مغلق

الفاظ کی تشریح مطالب کی توضیح کا خاص خیال رکھا ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات بھی صاف معلوم ہوتی ہے، کہ دسویں اور گیارہویں صدی کا طریقۂ تعلیم کیا تھا، اس عہد میں نفس فن پر بہت کم لوگ توجہ کرتے تھے، متون کی شرحیں، شرحوں کے حواشی، اور حواشی پر حاشیہ اس عہد کا بہترین کارنامہ ہے، متن پر اعتراض، شرح پر اعتراض، اور اوس کا جواب پھر اس جواب پر اعتراض اور اس کا جواب کہیں کہیں نظر آتا ہے، کسی جگہ فاضل کی تشریح کو اصل کا رنامہ سمجھا جاتا تھا، زمانہ کے اثر سے جناب شاہ صاحب بھی بہت متاثر نظر آتے ہیں، اور جگہ جگہ اوسکو کھول کر طلبہ کے فہم کے مطابق بیان فرماتے ہیں، قطب الدین رازی، سعد الدین تفتازانی، میر سید شریف جرجانی نے جو روش اختیار کی اسکے بعد کے تمام علما متاخرین قدم بہ قدم اوسکی پیروی کرتے آئے،

رشاد و شرح الارشاد نحو میں الارشاد نام ایک کتاب قاضی شہاب الدین بن شمس الدین بن عمر زاولی دولت آبادی کی ۸۶۰ھ کی تصنیف ہے جناب شاہ صاحب نے اس کی شرح لکھی ہے، اور اس کا نام "رشاد" رکھا ہے، اور مشہور ہے کہ جناب شاہ صاحب کی یہ پہلی تصنیف ہے[1]، یہ کتاب میری نظر سے نہیں گذری، البتہ شاہ صاحب کی شرح "یعنی رشاد" پیر ملک احمد بن ملک پیر محمد صاحب کا حاشیہ متوسط تقطیع پر ۱۵۰ صفحے کا ہے، اس سے میں اندازہ کرتا ہوں کہ غالباً شرح اس سے زیادہ ضخیم یا کم از کم اسکے قریب ہوگی اور عام فہم ہوگی،

حاشیہ علی العضدی یہ کتاب متوسط تقطیع پر خط نسخ میں ہے، صفحات ۱۳۱ ہیں اسکی ابتدا "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے نستعین الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ سیدنا الخلق والانبیاء والمرسلین قولہ وبھذا الاعتبار یندرج فی الادلۃ السمعیۃ سے ہوتی ہے، اور اختتام ان فقروں پر ہے، فیرجح الظن بالتصدیق بان ھذا احد لا ان نفس الحد ظنی. تمت

یہ کتاب جب ۱۰۱۱ھ کی لکھی ہوئی ہے، یعنی شاہ صاحب کی وفات کے ۱۲ سال بعد کی ہے، کاتب کا نام "کبیر محمد بن شاہ محمد" ہے، لیکن کتاب کے اندر خط دو قسم کے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ اصل کتاب سے کچھ

---

[1] مجموعہ حالات شاہ وجیہ الدین مصنفہ عبد المنعم مطبوعہ شہابی بمبئی، صفحہ ۔

ضائع ہوجانیکے بعد دوبارہ تحریر کرایا گیا ہے، ابتدا مین اور چند دوسری جگہون مین خوشخط ہے، اور آخری صفحات مین معمولی، اور یہی معمولی کبیر محمد صاحب کا تحریر کردہ ہے، سطرین عموماً ۲۰، اور ۲۲ ہین، کاغذ باریک چکنا غالباً احمد آبادی ہے، "عضدیہ" چند صفحے کا ایک چھوٹا رسالہ فن مناظرہ مین ہے جس کے مصنف عضد الدین احمد الایجی متوفی ۷۵۶ھ ہین، یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی، کہ متعدد علما نے اس کی شرحین اور پھر شرحون کی شرحین لکھین مابعد کے علما نے پھر ان پر حواشی کا اضافہ کیا، متعدد شروح وحواشی اس کتب خانہ مین موجود ہین حنفیہ شرح عضدیہ شرح عضدیہ مصنفہ مولینا عصام الدین حاشیہ علی الحنیفہ مولفہ میر ابو الفتح، بلخیہ حاشیہ علی حنفیہ مولفہ مولانا باقر بلخی فریدیہ حاشیہ عضدیہ مصنفہ مولانا فرید الدین، حاشیہ عضدیہ مولفہ جناب شاہ وجیہ الدین صاحب وغیرہ،

حاشیہ بیضاوی یہ حاشیہ بے حد مقبول ہوا، دسوین اور گیارہوین صدی مین عرب وشام مین عام طور پر زیر درس تھا، لیکن فی الحال نایاب ہے، روضۃ الاولیا کے صہ مین درج ہے، کہ یہ کتاب مدراس مین محمد عبد اللہ بن ناصر الدین عبد القادر کے پاس موجود ہے" مین جب مدراس مین تھا، تو جد وجہد کے باوجود بھی یہ معلوم نہ ہوسکا کہ عبد اللہ کون ہین اور کس جگہ ان کا مقام ہے، اب خیال آتا ہے کہ شاید یہ عبید اللہ" عبید اللہ صاحب سابق قاضی شہر مرحوم مغفور تو نہین ہین، قاضی صاحب موصوف کے صاحبزادے ہی اس عقدہ کو حل کرسکتے ہین، جو خود بھی صاحب ذوق صاحب علم اور متقی بزرگ ہین، اور مدراس مین کافی اثر رکھتے ہین،

بہر حال اس وقت کتب خانہ مین بیضاوی پر جو حاشیہ ہے وہ مظہر الدین محمد گاذرونی کا ہے، اور اور شاہ صاحب نے بدست خود اوسکو نقل فرمایا ہے، آخری عبارت یہ ہے، "کتب الحواشی الموسومۃ علی تفسیر البیضاوی للمولی المحقق مظہر الدین محمد گاذرونی. اضعف عباد اللہ وجیہہ الدین نصر اللہ بن عماد الدین العلوی وکان الاتمام بدار السلطنۃ احمد آباد وقت الاشراق" اس طرح سے جناب شاہ صاحب کی تحریر کا اصلی نمونہ بھی موجود ہے، ایک اور چھوٹا سا رسالہ "تقطیع" کا میری نظر سے گذرا، اس مین کل بیس صفحے ہین، جناب سید محمد غوث گوالیاری پر جو اعتراضات کئے گئے تھے، اوسکے جواب مین ہے، اسکے

علاوہ اور چند منتشر اوراق بھی ہیں جنمیں سے بعض شرح ملا کا حاشیہ ہے، کچھ اوراق پر شرح وقایہ کا حاشیہ ہے، شرح ہدایۃ الحکمۃ پر جو حاشیہ تھا، کچھ حصہ اوسکا بھی موجود ہے، فن عروض پر کوئی کتاب تھی، چند اوراق اوس کے بھی محفوظ رہ گئے ہیں، ایک مجموعہ اوراق فن منطق میں ہے اور دوسرا نحو میں بعض خطوط بھی ہیں، لیکن سب نامکمل، چند دیگر رسائل بھی قابل ذکر ہیں،

(۱) شرح البسیط للعلوی۔ فرائض میں ہے، اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے، بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی الافضل من بعثہ محمد والہ وصحبہ اجمعین۔ الحمد للہ افتتح الکتاب چوب قلم اور خط نستعلیق ہے، خوش قسمتی سے یہ نسخہ مکمل ہے آخر کے الفاظ یہ ہیں، قد وقع الفراغ من تحریر شرح البسیط لمولانا السلطان العارفین برہان الموحدین حجۃ العاشقین شاہ وجیہ الحق والملۃ والدین قدس سرہ العزیز۔ کہیں کہیں حاشیہ عبد الرحیم صاحب کا بھی ہے تقطیع ۱۲/۱۲،

(۲) حاشیۃ العلوی علی شرح النخبہ اصول حدیث میں ہے نسخہ کامل ہے، خط اوس کا نستعلیق ہے ابتدا میں ہے، بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ حمد ایوافی نعمہ ویکافی مزیدہ۔ اللھم صل علی محمد کلما ذکرہ الذاکرون۔ وغفل عن ذکرہ الغافلون قال الشیخ الامام والحمد للہ الذی وفقنا وھدانا لھذا وما کنا لنوفق۔ ولھدی لولا ان لوفقنا،

اس کا ایک نسخہ ناقص از آخر کتب خانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد میں بھی موجود ہے،

(۳) حاشیۃ التلویح للعلوی، یہ ضخیم کتاب ہے، گو کامل ہے مگر بوسیدہ بخط نسخ، اسکی ابتدا اسطرح کی گئی ہے، رب یسر وتمم بالخیر وبہ یستعین کل سقیم۔ الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ علی خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ اجمعین قولہ احکم بکتابہ اصولہ الشرائعیۃ اور آخر میں ہے، ھذا آخر الکتاب بعون اللہ الملک الوھاب والحمد للہ علی اتمامہ انہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔ مندرجۂ بالا کتب جامع مسجد بئی کے کتبخانہ میں ہیں،

(۴) حاشیہ علی شرح جامی للعلوی۔ ابتدا مین ایک صفحہ کا مقدمہ ہے، اور پھر اصل کتاب اس طرح شروع ہوتی ہے، قولہ الحمد لولیہ والصلوٰۃ علی نبیہ۔ اختلف علماء اتھم فی تعریف الحمد ل ۴۸ صفحے ہین متوسط تقطیع، اور آخر مین ہے، کہ قد تم ھذہ الحاشیۃ الشریفۃ ملولانا..... وجیہ الدین علی شرح مولانا عبد الرحمن جامی للکافیہ فی التاریخ السابع والعشرین (الواحد والعشرین) من شعبان المعظم فی شھور سنہ الواحد والثمانین والف علی ید احقر عباد اللہ محمد عنایت اللہ بن عبید اللہ الغزنوی عفی عنہ

(۵) رسالہ ترتیب ارکان الصلوٰۃ للعلوی، چند اوراق عربی زبان مین ہین، کتاب کا منشاء نام سے ظاہر ہے، یہ دونون کتابین بمبئی کے مشہور کوئی فاضل جناب یوسف کھٹکھٹے صاحب بی اے کے ذاتی کتبخانہ مین ہین، اور آخر الذکر کا دوسرا نسخہ بھروچ مین جناب قاضی نور الدین صاحب کے کتبخانہ مین بھی ہے، مگر آخر سے ناقص ہے،

(۶) وافیہ شرح کافیہ للعلوی۔ ناقص از ابتدا، دوسط، قاضی صاحب مذکور کے کتب خانہ مین ہے تقطیع متوسط اور کرم خوردہ ہے، اس کے آخر مین لکھا ہے کاتبہ واللہ حامد بن شاہ وجیہ الدین علوی

(۷) رسالہ توشیح فی الھیئۃ فارسی اس کتاب پر حضرت شاہ علوی کا حاشیہ ہے، مختلف نقشے بھی ہیئت کے ہین، بالکل بوسیدہ اور کرم خوردہ ہے، بس تبرک ہی تبرک ہے یہ بھی قاضی صاحب موصوف کے حصہ مین آیا ہے،

(۸) حواشی علی المنھل للعلوی، اسکے ابتدا مین ہے، بسم اللہ الرحمن الرحیم قولہ مورد ھا ومصدرھا، اور اوسکے آخر مین ہے، ولیس ھذا یفید الجمع وانما ھو بیان لاطلاق المحاطلاق الجمع، کل صفحے ۹ ہین، خط نسخ ہے تقطیع ۱۲ فی صفحہ، اسطرین ہین، پٹن کے مشہور خاندان جمال الدین قطب و محمد سعید قطب کے ذاتی کتبخانہ مین یہ موجود ہے،

(۹) حاشیہ علی شرح وقایہ للعلوی:۔ ضخیم کتاب ہے، متوسط تقطیع خط نستعلیق خوشخط ہے تقریباً چھ سو صفحات ہونگے، درگاہ حضرت پیر محمد شاہ کے کتب خانہ مین یہ کتاب ہے اول آخر سے ناقص ہے،

(۱۰) شرح شواھد المنھل ناقص از اول،

تلخیص و تبصرہ

"ترکی اور مصر میں تعلیم جدید کی تحریک"

رسالہ "مسلم ورلڈ" امریکہ کے تازہ نمبر میں ایک مقالہ مذکورۂ بالا عنوان سے نکلا ہے جو ہم مسلمانوں کے لئے خور کے لائق ہے، اسکی تلخیص حسب ذیل ہے:

"عربی تمدن کو از سر نو زندہ کرنے اور اُسے زمانۂ حال کے مطابق بنانے کی خواہش نیز اُن قریب تر تعلقات نے جو ممالک اسلامیہ اور مغربی معاشرت و خیالات کے درمیان قائم ہو گئے ہیں تمام مشرق قریب کے اسلامی نظام تعلیم میں اہم تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں، مصر اور ترکی اس جدید تحریک میں پیش پیش ہیں، لیکن شام، فلسطین، اور عراق پر بھی اس کا گہرا اثر پڑا ہے، اگرچہ یہ اثر مصر اور ترکی کے اثر سے کسیقدر مختلف ہے، تعجب یہ ہے کہ مغربی تمدن کی خواہش کے ساتھ ساتھ مصر اور ترکی میں دول عظمیٰ کی جانب سے کشیدگی اور بے اعتمادی بھی بڑھتی جاتی ہے اس امر میں ترکی اور مصر کے کسی قدر مختلف طرز عمل کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ ترکی نے ایک جمہوری سلطنت قائم کر لی ہے اور اب وہ ہر چیز کو خالص قومی رکھنا چاہتی ہے، علاوہ بریں وہ حقیقۃً یا بہ خیال خود جنگ عظیم کے بعد سے مغربی حکومتوں پر اعتماد نہ کرنے کا ایک مزید سبب بھی رکھتی ہے، برخلاف اس کے مصر برطانوی اثر اور ایک بہتر حکومت سے سالوں مستفید ہو چکا ہے جس کا اعتراف کامل آزادی کے موجودہ مطالبہ کے باوجود مشاہیر اہل مصر بھی کرتے ہیں۔

مصر اور ترکی کے تعلیمی نظام میں ایک اور اہم فرق یہ ہے کہ مصر میں تعلیم کی مذہبی بنیاد کو قائم رکھنا چاہتے ہیں،

البتہ اس مین زمانۂ حال کی ضروریات کا بھی لحاظ رکھنا چاہتے ہین اور ساتھ ساتھ یہ بھی چاہتے ہین کہ دول اسلامیہ مین مصر سب سے آگے ہو اور اس کی مذہبی حیثیت اور تمام حیثیات سے زیادہ نمایان ہو لیکن ترکی مین قومیت زیادہ فروغ حاصل کر رہی ہے اور اسلام وہان دوسرے درجہ پر ہے، مصر کی طرح وہان بھی ہر جدید اور سائنٹفک شے کے حصول کی زبردست خواہش ہے لیکن اُسے ترکی ہونا چاہئے، عربی زبان یا عربی لٹریچر پر اب بہت کم توجہ کیجاتی ہے اگرچہ نصاب تعلیم مین علوم دنیوی کی حیثیت زیادہ نمایان ہے تاہم جمہوریہ کے بچون کے لیے دینیات کا بھی ایک باقاعدہ نصاب ہے، اور مختلف درجون کے لیے درسی کتابین شائع کیجاتی ہین، ذیل مین چند اقتباسات ان کتابون کے درج ہین جو ابتدائی مدارس کے تیسرے درجہ کے لیے جون ۱۹۲۸ء مین سررشتۂ تعلیم کے تعلیمی کمیشن نے منظور کی ہین:-

"اسلام مین مذہب عیسوی کے پادریون کی طرح مخصوص مقرر شدہ پیشوا نہین ہین، ہر شخص برابر ہے، ہر مسلمان جو امام کے فرائض ادا کر سکتا ہے نماز پڑھا سکتا ہے۔ عیسائیت مین ایسا نہین ہے، اگر کوئی پادری نہ ہو تو عیسائی عبادت نہین کر سکتے"

مذہبی اور قومی ایمان کی تعریف یون کیگئی ہے:-

"مذہب اسلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور ہمارے پیغمبر صلعم پر ایمان لایا جائے، جنھون نے ہمکو اسلام کی تعلیم دی، ہم اللہ تعالیٰ اور پیغمبر صلعم پر عقیدہ رکھنے کو ایمان کہتے ہین، اللہ تعالیٰ جس نے کائنات کو اور ہمکو پیدا کیا قدیر ہے ہم پورے طور سے یہ نہین جانتے کہ اللہ تعالیٰ کیا ہے یا کیونکر ہے، وہ بہت بڑا ہے، . . . . بچو تم دیکھتے ہو کہ ایمان لوگون مین اتحاد پیدا کرتا ہے اور اُن کو قوت اور مسرت بخشتا ہے، اللہ تعالیٰ پیغمبر صلعم، اور مذہب اسلام پر عقیدہ رکھنا مذہبی ایمان ہے،

ہمارا ایک قومی ایمان بھی ہے، ہم ترک ہین، ترک تہذیب یافتہ اور متمدن ہین، ہمارا ملک ہمیشہ ترقی کرتا جائیگا، اور ہمیشہ دشمنون پر فتحیاب ہوگا، جسوقت ترک کا نام لیا جاتا ہے میرا سینہ فخر سے پھول جاتا ہے، اور میرا سر بلند ہو جاتا ہے، مین اُن لوگون سے محبت کرتا ہون جو میری قوم اور میرے ملک کے لیے مفید ہین، جو میرے محبوب ملک کو

نقصان پہنچاتے ہیں، اُن سے مجھے مطلق محبت نہیں ہے۔"

مذہب کی تعریف ان الفاظ میں کیگئی ہے:-

"ذیل کے دو جملوں سے مذہب اسلام کی حقیقت معلوم ہوتی ہے، اسلام کے معنی ہیں، خدا ایک ہے، خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے اور محمد صلعم خدا کے پیغمبر ہیں، جو لوگ ان الفاظ کے معنی پر ایمان رکھتے ہیں وہ مسلمان ہیں، بچو تم دیکھتے ہو کہ اسلام سب سے زیادہ آسان اور سب سے زیادہ سچا مذہب ہے، مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن ہے، اس کتاب میں اللہ تعالیٰ کے احکام لکھے ہوئے ہیں، ہم قرآن کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں، یہ وہ مقدس کتاب ہے جو ہمکو اخلاق کی تمام خوبیاں سکھاتی ہے۔"

مصر میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ اسلامی تعلیم کی قدیم اور جدید شکلوں کی کشمکش ہے، کیونکہ یہاں جیسا کہ اسلامی تعلیم کی تاریخ میں ہمیشہ رہا ہے مذہبی عنصر غالب ہے، قدیم نظام تعلیم میں قرآن کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی تعلیم قرآن کے ساتھ فقہ بھی شامل تھی جسکی بنیاد زیادہ تر قرآن اور حدیث پر ہے، اس کے علاوہ نصاب میں عربی ادب کی ناقدانہ تعلیم بھی داخل تھی، وقتاً فوقتاً اصلاح کی کوششیں ہوتی رہی ہیں، جیسا کہ سید رشید رضا اور دوسروں کی سعی سے معلوم ہوتا ہے لیکن اس وقت تک قدامت پرست حلقوں کی طرف سے بنیادی تبدیلیوں کی سختی سے مخالفت جاری ہے اس قسم کی مذہبی بنیاد کی موجودگی میں کوئی تعجب نہیں کہ قرآن اور حدیث کے جدید ناقدانہ مطالعہ نے کسی قدر حیرت خیز انقلابات پیدا کر دیئے ہیں، جدید تنقیدات کے علاوہ اور اسباب بھی کارفرما تھے، جامع ازہر کے فارغ التحصیل طلبہ کو ان طلبہ کے مقابلہ میں جو مصر کی سرکاری یونیورسٹی یا یورپ کے ملکوں میں تعلیم حاصل کرتے تھے ملازمتیں نہیں ملتی تھیں، یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ اصلاح کا موجودہ مطالبہ خود طلبائے ازہر کی جانب سے ہوا ہے، حالانکہ جب یہ اصلاحات محمد عبدہ اور اُنکی جماعت نے پیش کی تھیں تو انھیں طلبہ نے خصوصیت کیساتھ انکی مخالفت کی تھی،

جامع ازہر کی تعمیر ۹۷۰ء میں چوتھے فاطمی خلیفہ کے دور حکومت میں ہوئی تھی، اس میں ایک عام کتبخانہ ہے جو "مرکزی کتبخانہ ازہر" کے نام سے مشہور ہے، یہ ۱۸۹۷ء میں قائم ہوا تھا اور اس میں (۵۰۹۷) مطبوعہ اور قلمی کتابیں

ہین، اس مرکزی کتبخانہ کے علاوہ چھوٹے چھوٹے کتبخانے اور بھی ہین، علاوہ برین (۶۰۰) سے زیادہ کتابون کا ایک ترکی ذخیرہ ہے، شام اور شمالی مصر کے بھی دو ذخیرے ہین جنمین سے شمالی مصر کی کتابون مین زیادہ تر قدیم مخطوطات ہین، اساتذہ کی تعداد دو اور تین سو کے درمیان ہے اور طلبہ کا شمار دس اور بارہ ہزار کے درمیان، ان مین زیادہ تعداد مصریون کی ہے، باقی شام، ترکی، افریقہ، افغانستان، عراق، بورنیو، ہندوستان، جاوا، ایران، اور دوسری چھوٹی چھوٹی اسلامی جماعتون سے آئے ہین، جامعہ کا ایک شیخ اور ایک مددگار شیخ ہے، ان کے علاوہ بارہ اراکین کی ایک مجلس انتظامیہ بھی ہے جس کا صدر شیخ الجامعہ ہوتا ہے، ازہر کے علاوہ اسی قسم کے تعلیمی ادارے اسکندریہ، طنطا، اسیوط، دمیاط اور زقازق مین بھی ہین، مسجدون مین جو مدرسے ہین انکی تعداد نہایت کثیر ہے اور ایسے مدرسے صرف شہرون ہی مین نہین ہین بلکہ اکثر دیہاتون مین بھی ہین،

دوسرا بڑا تعلیمی نظام مصری حکومت کا ہے، اس مین وزارت تعلیم کے ماتحت جدید طرز کے حسب ذیل ادارے شامل ہین، مردون اور عورتون کے لیے ابتدائی ٹریننگ کالج، لڑکون اور لڑکیون کے لیے ابتدائی اور ثانوی مدارس، مدرسۂ قانون۔ مدارس زراعت، تجارت، انجینیرنگ، طب و دواسازی، مردون اور عورتون کے لیے ایک بڑا ٹریننگ کالج، شیوخ کی تعلیم کے لیے ایک دارالعلوم، ان کے علاوہ قاہرہ، اسکندریہ اور دوسرے بڑے شہرون مین صنعتی، حرفتی، اور تجارتی مدارس بھی ہین،

غرض مصر مین دو نظام تعلیم قدیم اور جدید ساتھ ساتھ جاری ہین، مغربی اثر کی روز افزون ترقی کے ساتھ ممکن نہ تھا کہ یہ صورت حال ہمیشہ قائم رہتی اور بالآخر جامع ازہر کے طلبہ نے اصلاحات کا مطالبہ کیا، انھون نے حکومت کے سامنے اپنے معاملات کو پیش کرنے کے لیے متعدد وفود بھیجے، افسران حکومت کی طرف سے کوئی مخالفت نہ ہوئی بلکہ انھون نے طلبہ کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا، محمد خالد حسنین بے نے جو محکمۂ اوقات مذہبی سے تعلق رکھتے ہین ۱۹۲۵ء مین نہایت احتیاط کے ساتھ اصلاح کا کام شروع کیا، انھون نے شروع ہی مین تعلیم کے مذہبی پہلو مین مداخلت نہین کی، وہ صرف جامعہ کے طرز معاشرت مین ضروری اصلاحات کرنا، نصاب کے سائنٹفک حصہ کو

تقویت دینا، اور جامع ازہر کے نصاب تعلیم کو سرکاری مدرسوں کے نصاب کے برابر کر دینا چاہتے تھے،

اگست اور ستمبر ۱۹۲۸ء میں جامع ازہر کی اصلاحات پر غور کرنے کے لیے جو کمیٹی قاہرہ میں بیٹھی تھی اسکی متفقہ رائے تھی کہ اس کے معیار کو مذہبی اور علمی دونوں حیثیتوں سے زیادہ بلند کرنا چاہیئے، تاکہ نہ صرف مصر بلکہ تمام دنیائے اسلام میں اس کا اثر وسیع تر ہو جائے، اس مقصد کے حصول کے لیے کمیٹی نے شرائط ذیل کا پورا ہونا ضروری قرار دیا،

اصول و قوانین مذہب کی تحصیل اُسی طریقہ سے کیجائے جسطرح اسلام کے عہد زرین میں کی جاتی تھی،

عربی زبان اور اس کے قواعد کی تعلیم میں جو قدیم طریقے مستعمل ہیں وہ اگر بالکل چھوڑ نہ دیئے جائیں، تو کم سے کم ان میں بنیادی ترمیم ضرور کر دیجائے اور اُن کے بجائے ایک جدید طریقہ سائنٹفک اصول پر رائج کیا جائے،

نصاب میں دینیات اور عربی زبان کی تعلیم پر سب سے زیادہ توجہ ہونی چاہیئے لیکن وہ مضامین بھی داخل کر دیئے جائیں جو وزارت تعلیم نے تمام ملک کے ابتدائی اور ثانوی مدارس کے لیے تجویز کیے ہیں، اگر ایسے نصاب پر عمل کیا گیا تو جامع ازہر کے طلبہ کی منفرد اور جداگانہ حیثیت باقی نہ رہیگی جیسا کہ اتنی مدت تک رہی ہے بلکہ وہ آزادی کے ساتھ مصر کے تعلیم یافتہ طبقہ میں شامل ہو سکیں گے، اور جدید عالم اسلامی کے مذہب اور تمدن کی مدد میں بیش قیمت حصہ لے سکیں گے، مسجدوں میں جو مدرسے ہیں اُن کا نصاب بھی بالکل سرکاری مدرسوں کے نصاب کے مطابق ہونا چاہیئے، البتہ اس میں دینیات اور عربی زبان کی مزید تعلیم بھی شامل ہو،

لیکن جامع ازہر کی موجودہ تحریک کے خلاف اب بھی مصر میں بہت کافی مخالفت ہو رہی ہے دونوں طرف سے کتابیں اور رسالے شائع کیے جا رہے ہیں اور ہفتہ وار اور روزانہ اخباروں میں مضامین نکلتے رہتے ہیں،

مختصر نویسی کی مختصر تاریخ

مختصر نویسی کا ذکر اول اول ۱۰۰ قبل مسیح میں رومن شاعر کوئنٹس اینیس کے سلسلہ میں آتا ہے جس نے زود نویسی کیلئے گیارہ سو علامتوں کا ایک جدید طریقہ تحریر ایجاد کیا تھا حضرت عیسیٰ سے کئی سو برس پہلے عبرانیوں نے تیرا عبرانیوں میں الفاظ کو مختصر

کرنیکا کوئی طریقہ رائج تھا لیکن اس بات کی کوئی شہادت موجود نہین کہ مختصر نویسی کیلئے خاص حرف یا دوسری مخصوص علامتین استعمال کی جاتی تھین،

مختصر نویسی کے استعمال کی پہلی متعین اور یقینی شہادت پلوٹارک کے بیان سے ہوتی ہے وہ لکھتا ہی کہ کیٹیلائنا کی سازش پر جو مباحثہ رومن سینٹ مین ۶۳ ق م مین ہوا تھا اسمین سسرو کی مشہور تقریر مختصر نویسی ہی کے ذریعہ قلمبند کیگئی تھی،

مختصر نویسی کے طریقہ کا موجد سسرو کا آزاد کردہ غلام ٹائرو تھا، اس زمانہ کے بہترے غلامون کی طرح وہ اعلی تعلیم یافتہ تھا، آزادی حاصل کرنیکے بعد وہ سسرو کا سکریٹری اور معتمد ہوگیا، ان فنون مختصر نویسی کیلئے چھوٹی چھوٹی تختیان استعمال کیجاتی تھین جن پر موم کی ایک تہ ہوتی تھی، ان موی تختیون کے حاشیے اٹھے ہوتے تھے، (جیسے سلیٹ کا چوکھٹا ہوتا ہی) تاکہ بند کرنے پر تحریر کو نقصان نہ پہنچ سکے، یہ تختیان گوشون پر تمار کے ذریعہ سے ایک دوسرے سے بندھی ہوتی تھین، اور بیس بیس تختیان اس طرح باندھی جاسکتی تھین جس کتاب مین دو ہی تختیان ہوتی تھین اوسے ڈپلوما (DIPLOMA) کہتے تھے، سرکاری ملازمتون پر تقرر کا پروانہ اسی شکل مین دیا جاتا تھا، لکھنے کیلئے جو قلم استعمال کیا جاتا تھا اوسکی نوک ہاتھی دانت یا لوہے کی ہوتی تھی اور دوسرا سرا چپٹا ہوتا تھا تاکہ اگر اوس تختی پر دوبارہ لکھنے کی ضرورت ہو تو حروف مٹاکر موم پھر برابر کر دی جائے،

مختصر نویسی کا ذکر سسرو، ہوریس، لیوی، اوویڈ، مارشل، پلینی، ٹیسیٹس، اور سوٹونیس کی تصانیف مین ملتا ہی، سسرو خود ایک مختصر نویس تھا، جیساکہ وہ اٹیکس کو لکھتا ہی:-

"میرا خیال ہے کہ جو کچھ مین نے ان دس نائبون کے متعلق تمکو لکھا تھا، اوسے تم نے سمجھا نہین کیونکہ مین نے تمھین مختصر نویسی مین لکھا تھا، جو لیس سیزر بھی مختصر نویس تھا، شاعر اوویڈ اس کے متعلق لکھتا ہی کہ اُن علامات کے ذریعہ سے راز کی باتین سمندر پار دور دراز مقامات پر پہنچتی تھین"

قدیم مسیحی کلیسا کے عروج کے ساتھ ساتھ ٹائرو کے قواعد مختصر نویسی مین بھی بہت کچھ ترقی ہوئی، یہ فن "اہل ایمان" کے لئے بہت زیادہ مفید ثابت ہوا، لیکن اوسکو سیکھنا اب کہین زیادہ مشکل ہوگیا، حال کے بعض مورخین نے ثابت کیا ہی کہ حضرت عیسیٰ نے جو خطبہ کوہ زیتون پر دیا تھا، اوسے لوقا نے مختصر نویسی مین قلمبند کیا تھا، اور پولوس نے کلسیون کو جو خطوط بھیجے تھے وہ

مختصر نویسوں کو لکھا دیتے تھے، اغستائین دس مختصر نویسوں سے کام لیتا تھا،

سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں مختصر نویسی کا رواج کثرت سے تھا، اور اس فن کی ضرورت عام طور پر محسوس کیجاتی تھی چنانچہ اغستائین کا بیان ہے کہ ایک بار رومہ کے مختصر نویسوں نے اسٹرائک کردی اور بالآخر اپنے مطالبات کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے لیکن جب سلطنت رومہ کا زوال شروع ہوا تو اس فن کی مقبولیت بھی کم ہونے لگی، چنانچہ شہنشاہ جسٹینین نے سرکاری کاغذات کے لئے اس طریقہ تحریر کو ممنوع کردیا، بعد میں فریڈیک ثانی نے مختصر نویسی کے تمام حروف کو ساحرانہ اور شیطانی قرار دیکر نیست و نابود کردینے کا حکم نافذ کیا، پھر قرون مظلمہ کا دور آیا اور قریباً ایک ہزار سال تک تمام علوم و فنون دنیا (عیسائی دنیا) سے غائب رہے اسکے بعد نشاۃ جدیدہ کا زمانہ آیا اور مختصر نویسی کے احیا کا اظہار اول اول اٹلی کے مشہور مصلح سیونارولا کی تقریروں سے ہوا، جن کو ایک قسم کے مختصر طرز تحریر میں لارنزو دایولا نے قلم بند کیا تھا،

دور جدید میں مختصر نویسی کو سب سے پہلے ڈاکٹر ٹوتھی برائٹ نے رائج کیا، ۱۵۸۸ء میں اونھوں نے اس موضوع پر ایک کتاب لندن میں شائع کی جس کا عنوان تھا "کیرکٹری، مختصر تیز، اور مخفی تحریر کا فن" فن مختصر نویسی کے بہت سے نام رکھے گئے "کیرکٹری" مقبول نہیں ہوا، بجائے اوسکے برانچیگرفی (BRANCHYGRAPHY) ٹچیگرفی (TUCHYGRAPHY) سٹینوگرفی اور بہت سے دوسرے نام بدلے گئے،

برائٹ کا طریقہ تحریر بالکل بے قاعدہ تھا، اسمیں صرف علامتوں کی تفصیل تھی، جو الفاظ کے بجائے استعمال کیجاتی تھیں، حروف تہجی کے ساتھ سب سے پہلے جان ولس نے مختصر نویسی کا ایک طریقہ ۱۶۶۸ء میں شائع کیا، اسکے بعد سے اس فن میں مسلسل ترقی ہوتی رہی، اور آیندہ ڈیڑھ صدی میں اسکے دو سو سے زیادہ طریقے شائع ہوگئے، ۱۸۳۶ء میں آئزک پٹمین نے سٹینوگرافک ساؤنڈ ہینڈ (STENOGRAPHIC SOUND HAND) کے نام سے ایک طریقہ شائع کیا، جو ۱۸۴۰ء میں تجدید کے بعد فونوگرفی کے عنوان سے چھپا، ۱۸۸۸ء میں جان رابرٹ گریگ نے لائٹ لائن فونوگرفی LIGHTLINEPHONOGRAPHY شائع کی، اور اسمیں آواز کا اصول اختیار کیا، اگرچہ مختصر نویسی کے فن میں ۱۸۸۸ء کے بعد سے کچھ ترقی ہوئی ہے تاہم اس کے خاص خاص اصول بدستور قائم ہیں،

"ہٹیٹسین" "ع ز"

ادبیات

ترانۂ شعراء

از جناب استد طالقانی بی اے

عاشقی کا فسانہ ہین ہم لوگ — زندگی کا ترانہ ہین ہم لوگ
روح کے سازِ غیرفانی کا — نغمۂ عاشقانہ ہین ہم لوگ
حُسن کے نورِ جاودانی کا — جلوۂ دلبرانہ ہین ہم لوگ
بولنا چاہتے ہین عشق اور حُسن — گفتگو کا بہانہ ہین ہم لوگ
طور کا واقعہ سُنا ہوگا — اُسکا اک شاخسانہ ہین ہم لوگ
روحِ خوابیدہ کے جگانے کو — غیب کا تازیانہ ہین ہم لوگ
زلفِ جان کو سنوارنے کیلئے — دستِ قدرت مین شانہ ہین ہم لوگ
نور اپنا ہے دوسرون کیلئے — شمعِ بیرونِ خانہ ہین ہم لوگ
چل رہے ہین مگر نہین معلوم — کس طرف کو روانہ ہین ہم لوگ
مست رہ کر بھی رنگِ عالم کو — دیکھتے عارفانہ ہین ہم لوگ
ہوش افراط و بیخودی تفریط — حالتِ درمیانہ ہین ہم لوگ
آگہی ہے ہماری بے خبری — معرفت کا خزانہ ہین ہم لوگ

روحِ اسرارِ دین و ایمان کی — صورتِ کافرانہ ہین ہم لوگ
دیکھ لو اس مین صورتین اپنی — ایک آئینہ خانہ ہین ہم لوگ
اس لیے ہم شکار ہوتے ہین — واقفِ دام و دانہ ہین ہم لوگ
تیر کیسا؟ کہان کا تیر انداز؟ — آپ اپنا نشانہ ہین ہم لوگ
سب سے بیگانہ اور سب کے دوست — اس روش مین یگانہ ہین ہم لوگ
جانتے جبۂ فقیری کو — خلعتِ خسروانہ ہین ہم لوگ
کبھی پیرانِ پارسا کیساتھ — شاملِ پنجگانہ ہین ہم لوگ
کبھی خوبانِ خوشنوا کیساتھ — محوِ چنگ و چغانہ ہین ہم لوگ
باوجودِ کمالِ رسوائی — نازشِ ہر زمانہ ہین ہم لوگ
برقِ حسرت سے دیکھتی ہے ہمین — کہکشانِ آشیانہ ہین ہم لوگ
کیون نہ سجدے کرے جبینِ خیال — آسمان آستانہ ہین ہم لوگ

کون اسدؔ ہم کو بھول سکتا ہے؟
"یادگارِ زمانہ ہین ہم لوگ"

راحت کدہ

از جناب آثرؔ صہبائی، بی اے ال ال بی،

جناب آثرؔ نے راحت کدہ کے عنوان سے پر اثر نظمون کا ایک مجموعہ ترتیب دینا چاہا ہے، جو حقیقت مین راحت کدہ کے بجائے غمکدہ ہے، راحت، شاعر کی رفیقۂ حیات کا نام تھا جس نے افسوس کہ داغِ مفارقت دیا، شاعر کے اسی المناک ترانۂ غم کا نام راحت کدہ ہے، انھین مسلسل

آنسوؤن کے دو قطرے، ذیل کی یہ دو نظمین ہین،

"اڈیٹر"

۱

لب پر آئے ترے نہین نہ کہین ٹوٹ جائے دلِ حزین نہ کہین
چارۂ دردِ زندگی نہ ہوا اک خلش سی رہی کہین نہ کہین
آشنا ہو کے آستان سے ترے پھر کبھی جھک سکی جبین نہ کہین
ڈر رہا ہون کہ اس کی باتون پر دل کو آجائے پھر یقین نہ کہین

اے اثر میرے رختِ ہستی کو!
پھونک دے آہِ آتشین نہ کہین

۲

یہ سلسلۂ حیات کیا ہے! یہ غم کی طویل رات کیا ہے!
آغوشِ فنا مین ہے ہر اک شے یہ محفلِ بے ثبات کیا ہے!
دل بیٹھ نہ جائے بارِ غم سے بیچارے کی کائنات کیا ہے!

ہے چپ سی لگی ہوئی اثر کو،
معلوم نہین کہ بات کیا ہے!

لغات جدیدہ

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، قیمت:- عہ "منیجر"

مطبوعاتِ جدیدہ

خاتم النبیین، (حصہ دوم) از جناب صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے، ناشر منیجر بکڈپو، تالیف و اشاعت، قادیان، (پنجاب)، ۵۶۴ صفحات، جلد خوبصورت، قیمت درج نہین،

"خاتم النبیین" قادیان کی جماعت احمدیہ کی جانب سے آنحضرت صلعم کی سیرت مین شائع ہوئی ہے، اسکا حصہ دوم زیر نظر ہے، جس مین انکی مدنی زندگی ۱۰ھ تک پیش کیگئی ہے، کتاب کا نمایان وصف مستشرقین اور غیر مسلم مورخین کے اعتراضات کا رد ہے،

اگرچہ مؤلف نے کتاب مین اپنے کو محض ایک "مورخ" کی حیثیت سے پیش کیا ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے غیر مسلم مورخین کے جوابات دیئے ہین، تاہم بعض موقعون پر اس آزاد نگاری کے ادعا کے باوجود یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کسی خاص نوع کے جماعتی (قادیانی) اقوال و عقائد سے جکڑا ہوا ہے، اور وہ واقعات کو کھینچ تان کر اشارۃً اونہی جماعتی عقائد و خیالات پر لانا چاہتا ہے، مثلاً دورِ حاضر مین اسلامی غلامی کو بھی ناجائز بتانا، یا حضرت عائشہؓ کی اس روایت مین جسمین انھون نے اپنے نکاح اور رخصتی کے وقت کی عمر بتائی ہے، ان کے اندازہ کی غلطی بتانا، یا مثلاً حضرت زینبؓ کے "آسمان پر نکاح پڑھائے جانے" کا "امکان" تسلیم کرکے اس امکان کے وقوع پذیر ہونے کی تردید کرنا، یہ اور اس قسم کی بکثرت مثالین ہین، جنکا یہان استقصا مقصود نہین، تاہم اس مین شبہہ نہین کہ کتاب محنت اور کوشش سے لکھی گئی ہے، اس کا افسوس ہے کہ صحابۂ کرام کے نامون کے لینے مین بالعموم وہ ادب ملحوظ نہین رکھا گیا ہے، جو اسلامی طرزِ تحریر مین رائج ہے،

دی فلاسفی آف اسلام، (انگریزی) از جناب خانصاحب خواجہ خان، بی اے، نمبر ۶۹

خانجہان روڈ، رائے پیٹہ مدراس، حجم ۱۲۰ صفحے، قیمت ۱؎

یہ اسلامی تصوف کا ایک مختصر مرقع ہے، جو ۱۹۰۳ء مین اس زمانہ مین شائع ہوا تھا، جب سرسید احمد خان کے مذہبی خیالات ملک مین نشو ونما پا چکے تھے، اب اس کا دوسرا اڈیشن مصنف کی نظر ثانی کے بعد شائع ہوا ہے، مصنف نے اس مین دکھایا ہے کہ اسلامی تصوّف کو جس رنگ مین پیش کیا جاتا ہے، اور اس کے جو مظاہر نظر آتے ہین حقیقۃً انھین صحیح اسلامی تصوّف سے لگاؤ نہین، صحیح اسلامی تصوّف وہی ہے، جو کتاب وسنت مین موجود ہے، مگر وہ علم سفینہ نہین، علم سینہ ہے، جو صحبت ہی کے اثر وفیض سے حاصل ہو سکتا ہے، اور آنحضرت صلعم اسی کو اپنی مجلسون مین صحابۂ کرام تک پہنچاتے تھے، اور دلنشین انداز مین پیش فرماتے تھے، اس کے بعد مصنف نے، اصطلاحی تصوّف، صوفیہ، اور مسائلِ تصوّف کو روشناس کیا ہے، پھر روح اور نفس کی تشریح کے بعد اسلام، ایمان اور احسان کی حقیقت بتا کر اسلام کے ارکان اور اس کے تزکیۂ اخلاق کے اصول کو پیش کیا ہے، اس کے بعد تصوّف کی اجمالی سرگذشت اور اسکے تاریخی ارتقاء کو دکھایا ہے، جنمین بعض امور محل نظر معلوم ہوتے ہین، آخر مین متکلمین، فلاسفہ اسلام اور شعرائے تصوّف وغیرہ کے قولون، رایون اور کلام سے ذات وصفات وغیرہ کے مسائل کی تشریح کی کوشش کیگئی ہے، کہین کہین فضلائے مغرب کے اقوال وخیالات کو بھی مباحث کی تائید مین دکھایا گیا ہے، جو لوگ یورپ کے جدید فلسفیانہ انداز بیان مین اسلام کے متعلق کچھ دیکھنا چاہتے ہین، ان کیلئے یہ کتاب دلچسپ اور مفید ہے

بارش اور قرآن، از مولوی طیب علی عبدالرسول، شاکر، جبل پوری، ۴۰ صفحے، قیمت ۴؎

پتہ:- جناب احمد علی عبدالرسول نادر، مطبع نادری، جبل پور، (سی پی)

یورپ کے جدید علوم وفنون کی ترقیون سے مرعوب ہو کر مسلمانون مین ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا تھا، جو سائنس کے ہر مسئلہ کو قرآن سے مطابق کرنا چاہتا اور کسی نظریہ یا اکتشاف کی اشاعت کے بعد قرآنی آیات سے اس کی تطبیق دینے بیٹھ جاتا ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ادھر غور وفکر کے بعد بہ ظاہر تطبیق پیدا کی، اور ادھر علمائے سائنس خود اپنے نظریہ کی تغلیط کر بیٹھے، اسی لیے مسلمانون کے سنجیدہ حلقون مین اس گروہ کی یہ کوششین کبھی مستحسن

نہین سمجھی گئین، لیکن زیر تبصرہ رسالہ مین مصنف کی کوششون نے حیرت انگیز طور پر ہماری توجہ اپنی جانب مائل کرلی، مصنف نے اس رسالہ مین بارش کے متعلق جدید سائنٹفک تحقیقات کی قرآن مجید کی آیتون سے مطابقت دکھائی ہے، اور اولاً سائنٹفک طور پر مآن سون، بخارات اور بارش وغیرہ کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے، اس کا متن پیش کیا ہے، اور پھر اسی کے پہلو مین قرآن کی ایسی آیتون کا محض لفظی ترجمہ درج کیا ہے، جس مین بارش، ہوا، اور ابر وغیرہ کا تذکرہ آیا ہے، اور آخر مین بارش کا قرآن مجید مین مختلف موقعون پر استعمال، اور قرآن کا بارش، ابر اور ہوا وغیرہ سے ذات باری تعالیٰ پر استدلال لانا دکھایا ہے، اگرچہ ہمین کہین کہین مصنف کی رائے سے اتفاق نہین ہوا، مثلاً "سحاب مسخر" وغیرہ کی تشریح مین، تاہم رسالہ کے مباحث دیکھنے سے مصنف کے ذہن رسا کی تعریف اور اسکی کوشش کی داد دینی پڑتی ہے، امید ہے کہ وہ اسی انداز مین اپنی تحقیقات کو جاری رکھین گے، جزا اللہ خیرا،

اسلامی تعلیم - از مولوی مفتی سید محمود صاحب، ناشر جناب عزیز حسن بقائی، اڈیٹر رسالہ پیشوا، کوچۂ چیلان، دہلی، ۵۵ صفحے، کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت:- ؎

اس مین اسلام کے عقائد و عبادات وغیرہ کے مسائل سوال و جواب کے طرز پر لکھے گئے ہین، کتاب کے جوابات نظر سے گذرے، اُن مین مسائل کے جوابات کو قرین صواب پایا، تاہم ایک آدھ جگہ فقہ کے عمومی فتوی سے بعض جوابات مختلف نظر آئے مثلاً موجودہ زمانہ کی یہود یہ و نصرانیہ سے نکاح کا جائز نہ ہونا (ص ۴۴۸) وغیرہ، کتاب کے آخر مین قرآن مجید و احادیث کے مسلسل و مرتب اردو ترجمون سے اسلامی اخلاق کی تعلیمات کو پیش کیا گیا ہے، کتاب کی ترتیب متداول فقہی ابواب پر ہے،

الطریقۃ المرضیہ فی التمرینات الثمانیہ، از مولوی حکیم محمد احمد صاحب معلم مدرسۃ الاصلاح سرائمیر، اعظمگڈھ، حجم ۳۲ صفحے،

عربی خوان طلبہ کو علم نحو کی مشق کرانے کیلئے یہ مختصر رسالہ ترتیب پایا ہے، مصنف کہنہ مشق مدرس ہین، سالہا سال اس طریقۂ تعلیم کا عملی تجربہ کیا ہے، امید ہے کہ یہ رسالہ طلبہ کے لئے مفید ہوگا، اور عربی کے ابتدائی طالب العلم اس سے پورا فائدہ اٹھائینگے

" ر "

جلد ۳۱ | ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۳ء | عدد ۴

مضامین

شذرات	سید سلیمان ندوی	۲۴۲-۲۴۴
استاذ العلماء	نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی	۲۴۵-۲۶۳
"فلسفۂ فقراء"	ڈاکٹر نواب سر امین جنگ بہادر، کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایم۔ اے۔ ال ال۔ ڈی حیدرآباد دکن	۲۶۴-۲۸۸
مشاعرہ	مولانا عبد السلام صاحب ندوی	۲۸۸-۲۹۸
حاشیۂ بیضاوی شاہ وجیہ الدین صاحب	سید سلیمان ندوی	۲۹۹-۳۰۰
فلسفۂ ہند اور حیات ابدی	"ع ز"	۳۰۱-۳۰۵
جنگ کی مخالفت میں آنسٹائن کی جد و جہد	"	۳۰۶-۳۰۷
اخبار علمیہ	"	۳۰۸-۳۱۱
خونِ جگر	حضرت جگر مراد آبادی	۳۱۲
تابشِ سہیل	جناب اقبال احمد صاحب سہیل ام اے ال ال بی	۳۱۳
رنگِ حسرت	جناب جلیل قدوائی، بی اے	۳۱۴
"تاریخ مبارک شاہی"	"س"	۳۱۵-۳۱۶
مطبوعات جدیدہ	"ر"	۳۱۷-۳۲۰

شذرات

پروفیسر رشید صدیقی صاحب کی طلب اور اصرار پر اڈیٹر معارف نے ۲۰ مارچ ۱۹۳۳ء کو مسلم یونیورسٹی کی انجمن اردوے معلی مین ہندوستان مین ہندوستانی پر ایک خطبہ پڑھا، جلسہ کی صدارت نواب صدر یار جنگ مولنا شروانی نے فرمائی، گو لوگ دو روز پیشتر سے حسین رؤف بے کے استقبال و آمد اور جلسون کی بھرمار سے تھکے تھے تاہم یونین کا ہال پورا بھرا تھا، معلومات کے لحاظ سے تو یہ خطبہ چندان اہم نہ تھا لیکن اپنے اصلاحی مشورون کے لحاظ سے بہت زیادہ دلچسپی سے سنا گیا، جنمین سب سے اہم بخمین یہ تھین، قومیت کی تکوین مین زبان کا درجہ" اور "مسلم یونیورسٹی مین تعلیم کی زبان" طلبہ کی طرف سے ان دونون تجویزون کا خیر مقدم جس گرمجوشی سے کیا گیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ مسلم یونیورسٹی اپنے تعلیمی انقلاب کا اعلان کرے،

اس خطبہ مین ایک تجویز یہ بھی تھی کہ ہم کو اپنی اس زبان کی اشاعت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ آیندہ اسکو اردو کے بجاے "ہندوستانی" کے نام سے پکارین، اردو ایک نئی اصطلاح ہے جس کی عمر سو ڈیڑھ سو برس سے زیادہ نہین اور جسمین کسی قسم کی وطنی و قومی جذبہ کی جھلک نہین، اور نہ تمام ملک کی وسعت کے تعلق کا اس لفظ سے اظہار ہوتا ہے برخلاف اس کے ہندوستانی جو اسکا صحیح ترین نام ہے، ان تمام جذبات اور خیالات کو حاوی ہے،

عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس زبان کا "ہندوستانی" نام انگریزون کا بخشا ہوا ہے، خطیب نے تاریخی حوالون سے اسکو ثابت کیا کہ یہ قطعی غلط ہے، اور کم از کم دسوین صدی کی تاریخون مین انگریزون کے اثر سے بہت پہلے اس زبان کا یہ نام پڑ چکا تھا،

اس خطبہ کا ایک فقرہ جسپر اس ہال مین سب سے زیادہ پسندیدگی کا اظہار کیا گیا یہ تھا کہ "یہ درسگاہ مسلمانون کی پچاس سال امیدون کا قبلہ رہی ہو، اور اب بھی صدیون تک رہ سکتی ہو، صرف شرط اتنی ہو کہ وہ اپنا رخ مغرب سے پھیرکر مشرق کی طرف کرلے اور ہر چیز کو دوسرون کی نظر سے دیکھنے کے بجائے وہ اپنی نظر سے دیکھے"

یہ پورا خطبہ آیندہ یونیورسٹی کے میگزین مین شائع ہوگا،

علی گڈھ یونیورسٹی مین میری دوسری تقریر آفتاب ہوسٹل کے طلبہ کے سامنے ہوئی، یہ نیا ہوسٹل صاحبزادہ آفتاب احمد خان کے نام پر انکے دوستون اور عزیزون، اور کالج کے پرانے طالب علمون کے چندون سے بنا ہو، اسکی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ منتظمین نے یہ طے کیا ہو کہ علی گڈھ کے دوسرے دارالاقامون کے برخلاف اسمین ہر چیز مین سادگی اور کفایت شعاری ملحوظ رکھی جائے یہانتک کہ یہان کے کھانے کی فیس صرف چھ روپے مقرر کی ہے، بالفعل اسمین اسی لڑکون کے قریب ہین، کوشش یہ ہے کہ یہ دارالاقامہ دوسرے دارالاقامون کے مسموم اثرات سے حتی الوسع محفوظ رہے،

یہان کے طلبہ کے سامنے جو تقریر کیگئی، اسمین سادگی اور کفایت شعاری کی زندگی کیساتھ اُس جد وجہد اور جفاکشی سے بھری ہوئی زندگی کا نمونہ پیش کیا گیا جسکے بغیر مسلمان طلبہ اپنی روزمرہ کی زندگی مین ناکام رہتے ہین، اور بتایا گیا کہ مذہب کا ذکر چھوڑیئے خود علوم جدیدہ کی تحصیل وتکمیل مین اگر انگریزی زبان کو الگ کردیا جائے تو ہم نے کونسی اچھی مثال اب تک پیش کی ہے، اور ہماری یہ زندگی جو تمامتر دوسری قوم کی نقالی پر مبنی ہے، کہانتک ہمارے اندر قومی روح کی سرگرمی پیدا کرسکتی ہے؟

اسی کے بعد دوسری تقریر طبیہ کالج کے ہال مین ہوئی، اس طبی کالج کے دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا، کالج کے پرنسپل ڈاکٹر بٹ صاحب نے مہربانی فرماکر کالج کے ایک ایک شعبہ کو دکھایا، خوشی ہوئی کہ ہماری قدیم طب کو بھی اس "جدیدستان" مین زندگی کا موقع مل رہا ہے، حکومت نے جب سے جابجا دیسی طب اور ویدک کی طرف توجہ کی ہو ملک مین جابجا طبی اسکول کھل رہے ہین، جہان ایک طرف یہ خوشی کا موقع ہے، وہین دوسری طرف یہ افسوس ہو کہ ان طبی درسگاہون مین طالب علمون کے قبول کرنے کا معیار بہت ہلکا رکھا گیا ہو، یہان جو تقریر کیگئی اسمین اسلامی طب کی

تاریخ کے ساتھ عزیز طالب علموں کو یہ نصیحت کیگئی کہ آپ طبیب بننے کی کوشش کریں، ڈاکٹر بننے کی نہیں، اور بتایا گیا کہ آج دیہات سے لیکر شہروں تک ہندوستان کی صحتِ عامہ کا دارمدار ولایتی طب پر نہیں، جو طب ہونے کے ساتھ بدیسی تجارت بھی ہے، بلکہ دیسی طب پر ہے جسکی اکثر دوائیں خود ہمارے ملک کی پیداوار ہیں،

مسلمان والدین اپنے بچوں کو علوم عربیہ کی جو تعلیم دلاتے تھے اس کے وجوہ مختلف تھے، مثلاً اُن کا مذہبی ہونا اور ہماری تاریخ و ادبیات کا اُس کے اندر موجود ہونا لیکن ان مذہبی اور علمی اسباب کے علاوہ اسکی ایک تیسری وجہ یہ تھی کہ وہ معاش کا ذریعہ بھی تھی، علوم عربی پڑھنے کے بعد وہ حکومتِ وقت کے بڑے بڑے عہدے پاتے تھے، حکومت کے انقلاب نے ایک ایک کرکے ان تمام وجوہ معاش کے دروازے علوم عربی کے طالبعلموں پر بند کر دیئے اور اسی نسبت سے عربی تعلیم کی طرف توجہ بھی روز بروز کم ہوتی گئی، تاہم ابتک صرف دو دروازے کھلے تھے، ایک اسکولوں کی مدرسی اور دوسری طبابت، سو فارسی کے دبیر و فاضل کے درجوں نے پہلی چیز کا خاتمہ کر دیا، اور اب اسکولوں میں عربی کے مولوی فاضل کے بجائے فارسی کے منشی فاضل وہی استحقاق رکھتے ہیں، بلکہ فارسی تدریس کے لیے انھیں کو ترجیح دیجارہی ہے، دوسری چیز کا خاتمہ ان طبی اسکولوں کے ذریعہ ہورہا ہے جنمیں طب کی ترقی کے لیے عربی کے بجائے اردو کتابوں کے ذریعہ اردو خوانوں اور فارسی خوانوں اور نیم انگریزی دانوں کو طب کی تعلیم دیجارہی ہے، ظاہر ہے کہ اب صرف مذہب اور علم کی خاطر کتنے مسلمان اپنے بچوں کی قربانی گوارا کرسکینگے؟ یہ ہیں ہماری قوم پر وہ تعلیمی عنایات، جنکا شکریہ ادا کرنا ہماری قوم پر ہر وقت واجب ہے،

۱۵-۱۶-۱۷ اپریل ۳۳ء کو لاہور میں ادارۂ معارف اسلامیہ کا جلسہ ہے جسمیں مختلف اہل علم اسلامی علوم و فنون پر مختلف مقالات پڑھینگے، اس سلسلہ میں دارالمصنفین کے بعض رفقاء بھی لاہور جائینگے، اور جلسۂ مذکور میں اپنے مقالات پیش کرینگے، میرا مضمون "لاہور کا ایک مہندس خاندان جس نے تاج اور لال قلعہ بنایا ہوگا، مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی سلمہ کے اسلامی تمدن" پر اور مولوی سعید صاحب انصاری "عربی لغت کی تاریخ" پر مضامین پڑھینگے

مقالات

استاذ العلماء جناب مولوی محمد لطف اللہ صاحب طاب ثراہٗ

از نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی،

جب اس خاکدان سفلی مین اسلامی تمدن کی بہار آئی ہوئی تھی، اور اُس کے فیض سے ایشیا، افریقہ، اور یورپ تینون برِ اعظم رشک گلزار بنے ہوئے تھے، اُس وقت قصبات کا ایک عظیم الشان نظام ممالک اسلامیہ مین قائم تھا، یہ قصبات زندگی کے سرچشمے تھے جنسے شہر خصوصاً دارالسلطنت سیراب و شاداب رہتے، شہری آب و ہوا دو تین نسلون کے بعد دماغون کو سست اور پست کردیتی تو قصباتی اہل کمال تازہ زندگی لیکر پہنچتے اور بزم حیات کو از سرِ نو پر نور و معمور فرما دیتے، دہلی مرحوم مین شاہ صاحب کا اور لکھنؤ مین فرنگی محل کا خاندان لاکھون مین دو شالین ہین، ہمارا کول (علیگڈھ) بھی دورِ حیات مین اپنے قصبات پر نازان تھا، جلیسر (قدیم جالیسر) سے نصرت خان عہد علائی کا امیر نامور اٹھا، امیر خسرو پٹیالی سے جاکر دارالسلطنت بلکہ دنیا کا فخر بنے جلالی کی فکر سے سفرنامۂ ابن بطوطہ معمور ہے،

وطن انہی بستیون مین سے ایک بستی پلکھنہ ہے جو قصبۂ جلالی کے قریب آباد ہے، اسکی قدیم عظمت کی یادگار عہد بابری کی مسجد ہے، شیخ گھورن تاریخی ہستی ہین، اسی معدن سے وہ جوہر فرد نکلا جس کے انوار نے اس دورِ آخر مین علمی مجالس کو منور و تابان فرمادیا،

خاندان کول اور اُسکے ملحقہ قصبات و دیہات مین شیوخ کے خاندان آباد ہین جو حضرت شمس العارفین شاہ جمال کی

نسل مین ہین،

یہ بزرگ اپنے وقت کے اولیاے کرام مین تھے، ابن بطوطہ جب کول آیا تو آپ ہی کے پڑوس مین اترا تھا، اپنے سفرنامے مین حضرت کا ذکر کرتا ہے،

جو شجرہ اس خاندان مین محفوظ ہے وہ شاہد ہے کہ شیوخ جمالی حضرت امین الامۃ ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کی اولاد مین ہین اشکال یہان یہ ہے کہ امام ابن قتیبہ نے المعارف مین حضرت امین الامۃ کے ذکر مین لکھا ہے، "لا عقب لہ" مفتی محمد لطف اللہ صاحب اسی خاندان سے تھے، والد مولوی اسد اللہ فارسی خوان، کول مین وکالت کرتے تھے، اسی آمدنی سے بفراغت گزر تھی، تمناے شرافت قصبے مین املاک بھی تھی جو بھائی کے لیے چھوڑ رکھی تھی، اردو شعر کا ذوق تھا، ایک شعر یاد کرلو، ؎

لے اڑی طرزِ فغان بلبلِ نالان ہم سے گل نے سیکھی روشِ چاکِ گریبان ہم سے

منشی بنی بخش سالک اکبرآبادی نے ایک جنتری کا ذکر کیا ہے جس سے بارہ برس کی تاریخین معلوم ہوجاتی تھین، انھون نے چند اشعار لکھے جنسے جتنے سال کی تاریخین چاہو نکل آتی ہین، رحمہ مرحوم نے اپنی بڑی جنتری مین چھاپے تھے، میرے پاس بھی محفوظ ہین،

آخر عمر مین ضیق النفس مین مبتلا ہوکر خانہ نشین ہوگئے تھے، والدہ سید غلام علی حسینی النسب ساکن جلیسر کی دختر نیک اختر تھین، دو چچا تھے، بڑے منشی، ہبۃ اللہ فارسی کے ماہر بڑے شاطر، املاک کا کام کرتے تھے، شطرنج کی بہت سی چالون کے نقشے قلمبند کئے تھے جو ایک ضخیم مجلد مین خاندانی کتابخانے مین محفوظ ہین، فوائض کا ایک رسالہ بھی خود ان کے قلم کا لکھا ہوا موجود تھا، چھوٹے حکیم اکرام اللہ طبیب تھے، دیرہ دون مین ایک انگریز کا معرکہ کا علاج کیا تھا، اس نے نوکر رکھ لیا، وہین وفات پاکر مدفون ہوئے، بھتیجے نے تجہیز تکفین کا اہتمام کیا، ان دونون بھائیون کے نرینہ اولاد نہ تھی،

پیدایش، مفتی محمد لطف اللہ صاحب لکھتے ہین سنہ ۱۲۴۴ھ مین پیدا ہوئے، باپ نے تاریخ کہی "چراغم"، باپ کے سنہ ۱۲

اکلوتے بیٹے تھے، بلکہ تین گھروں کا چراغ، ناز نعمت لاڈ پیار مین پرورش ہوئی، جامع حالات صاحبزادے نے لکھا ہے کہ اسی پرورش کا اثر تھا کہ مزاج مین ایک ضد تھی جو آخر عمر تک باقی رہی،

بچپن کے ایک رفیق کا بیان ہے کہ مولوی صاحب ان کھیلون مین تو ہمارے شریک ہو جاتے جو شرفا کے لڑکے کھیلتے ہین، عامیانہ کھیلون مین شرکت نہ کرتے مثلاً گولیون کا کھیل ہم جب ایسے کھیل کھیلتے تو وہ الگ بیٹھے دیکھتے رہتے،

نماز کے بچپن سے عادی تھے،

ابتدائی تعلیم | بلکھنے مین ایک میانجی موہن لال نامی تھے جو بچون کو ابتدائی کتابین کریما مقیمان وغیرہ پڑھایا کرتے تھے، اُنھی سے پڑھنا شروع کیا، ایک روز ایک لڑکا خالق باری پڑھ رہا تھا، ع "اسو نولا ہے جان" معصوم لطف اللہ نے ایک ہم مکتب سے کہا، نولا راسو ہے تو نولا (پنبہ دانہ) براسو ہوگا، دیکھو یہی انتقال ذہن زینت درس بنا،

ابتدائی رسالے گھر پر پڑھکر جلیسر اپنی نانیہال مین گئے، وہان مولوی محمد عظیم اللہ سے فارسی پڑھی، انتہائی کتابین اپنے پھوپھا مولوی حفیظ اللہ خان سے (جنکے خاندان مین خانی کا خطاب شاہی تھا) پڑھین، یہ بڑے خطاط تھے، خاص وصف یہ تھا کہ چند روز مین شاگرد کا خط اپنے خط مین ملا دیتے تھے، مولوی صاحب فرماتے تھے کہ میرے خط کی روش پھوپھا صاحب کے خط کی روش پر ہے، مولوی عبد الغنی خانصاحب شاگرد رشید نے اوّلاً یہ روش استاد سے حاصل کی، صاحبزادے بھی عموماً اسی روش پر لکھتے ہین جو نظر فریب، اور منشیانہ پختہ ہے،

بعض فارسی کی کتابین مثلاً بہار دانش اپنے خسر سید رونق علی سے بھی پڑھین،

تعلیم علوم | فارسی سے فارغ ہو کر پندرہ برس کی عمر کے بعد اُس آستانہ پر حاضر ہوئے جہان سے سند فضیلت ملنی مقدر تھی، اوپر سُن چکے ہو کہ مولوی صاحب کے والد مولوی اسد اللہ وکالت کرتے تھے، اسی سلسلے مین مفتی عنایت احمد صاحب سے تعلقات تھے جو کول مین مفتی و منصف رہے، مفتی عنایت احمد صاحب شاگرد تھے مولوی بزرگ علی صاحب کے

مولوی بزرگ علی صاحب | مشہور مردم خیز قصبۂ مارہرہ کے کنبوہ خاندان سے تھے وہین پیدا ہوے، والد کا نام حسن علی

خواجہ حسن ملتانی کی دسویں پشت مین، آغاز شباب تک باوجود باپ کی تاکید کے علم کی تحصیل کی جانب متوجہ نہوئے عشق مجازی کے اثر سے فارسی غزل کا ذوق تھا، شوق تخلص کرتے تھے، زیادہ تاکید ہوئی تو گھر سے نکل گئے، بالآخر بانچے اپنے پیر مرشد حضرت شاہ آلِ احمد صاحب عرف اچھے میان کی خدمت مین دعا کی التجا کی، دعا فرمائی جو مستجاب تھی، تمام مشاغل چھوڑ کر تحصیل علم مین مصروف ہوگئے، اب شوق تھا تو کتاب کا، طلب تھی تو علم کی، فرماتے تھے لوگ جوانی مین زندگی کے لطف حاصل کرتے ہین ہمنے تو شباب علم کی نذر کر دیا، ابتدائً لکھنؤ اور کلکتہ مین علم حاصل کیا، وہان کے اساتذہ کے نام معلوم نہ ہوسکے، بالآخر دلی مین اس درسگاہ والا مین حاضر ہوئے جو تمام ہندوستان کی ملجا و ماوی تھی، شاہ عبدالعزیز صاحب سے علم حدیث حاصل کیا، ریاضی مولوی رفیع الدین صاحب شاہ صاحب کے بھائی سے پڑھی جو اس فن مین امام وقت تھے،

تحصیل سے فارغ ہوکر خود درس کی خدمت شروع کی، آگرہ مین پڑھایا، کلکتہ کے دارالعلوم کے مہتمم رہے، حکام کے اصرار سے (جو اکثر شاگرد تھے) کول مین منصفی کا عہدہ قبول کر لیا، اسی زمانے مین وہان کی جامع مسجد مین اس مدرسے کا احیا کیا جس کو عہد محمد شاہی مین بانی مسجد نواب نابت خان نے قائم کیا تھا، (اس کا ذکر اخبار الصنادید مین ہے) بالآخر منصفی سے استعفا دیدیا، جس کو شاگرد حکام نے تلمذ کا ادب ملحوظ رکھتے ہوے بہت تامل کے بعد منظور کیا، مستعفی ہوکر نواب وزیر الدولہ مرحوم کے اصرار پر ٹونک مین عہدۂ قاضی القضاۃ قبول کیا، آخر عمر تک وہین رہے، ۱۲۶۲ھ مین انتقال کیا، ٹونک مین دفن ہین، تاریخ نگار نے ان کے یہ اوصاف لکھے ہین، تقوی، تدبر، تواضع، تہذیب، تقریر دلنشین اور پر اثر، ایک بیٹے تھے مولوی محمد صدیق، فارغ التحصیل علم ہندسہ اور نجوم مین ماہر، نیز علم تعبیر رویا مین، ٹونک مین عہدۂ قضا پر فائز رہے، ۱۲۹۲ھ مین وہین رحلت کی،

مولوی بزرگ علی صاحب کی تصانیف مین سے دیوان فارسی قلمی میرے یہان ہے، کلام اوسط درجہ کا ہے، صاف ہے اور پر اثر، نمونہ ملاحظہ ہو ؎

گر جلوۂ او عام کند پردہ دری را در شیشہ چو مئی جوش دہد مغز پری را

زلفت بشکستِ دل و دین داد درستی — افراختہ قدرت علم فتنہ گری را
نے صبر بماند بر جا اکنون نہ تاب مارا — اے بے مروت آخر یک رہ بیاب مارا
کے صبح عید پیش صبحم فروغ یابد — چون نور بخش صبح ست آن آفتاب مارا
در دور چشم مستت میخانہا خراب ست — تنہا نہ لعل میگون دارد خراب مارا

اُس زمانے کی شدید ضرورت کی بنیاد پر متعدد کتابین فارسی زبان مین ردِ نصاریٰ مین لکھی ہین، انمین سے کتاب ردِ نصاریٰ کا ایک حصہ "بشارات" قلمی میرے یہان بھی ہے، اس کا عنوان ہے بشارات فارقلیطا، اس پر بعض عبارتین مفتی عنایت احمد صاحب کے قلم کی لکھی ہوئی ہین، ایک اور قلمی رسالہ میرے یہان ہے، یہ ایک فارسی معما کی شرح ہے جو قاضی اعتضاد النجم الدین علی خان نے تفضل حسین کے نام لکھا تھا، اور جس مین بہت سی علمی اصلاحین درج کی ہین، اس کا دیباچہ مفتی عنایت احمد صاحب نے استاد کی زندگی مین لکھا تھا، اس پر بھی مفتی صاحب کے قلم کی عبارتین ہین، یہ رسالے مفتی صاحب کے کتابخانہ سے اور کتابون کیساتھ میرے پاس آئے تھے،

مفتی عنایت احمد صاحب | اپنے وطن دیوہ ضلع بارہ بنکی مین پیدا ہوئے، ۹ شوال ۱۲۲۹ھ تاریخ ولادت ہے، تیرہ برس کی عمر مین رامپور جاکر مولوی سید محمد صاحب بریلوی سے صرف نحو اور مولوی حیدر علی صاحب ٹونکی اور مولوی نور الاسلام صاحب سے دوسری درسی کتابین پڑھین، وہان سے دلی جاکر شاہ اسحٰق صاحب سے حدیث پڑھی، دلی سے علی گڈھ آئے، مولوی بزرگ علی صاحب سے جامع مسجد مین پڑھا، فن ریاضی کی تکمیل کی، بعد فراغ یہین مدرس مقرر ہوئے، ایک سال مدرس رہکر مفتی و منصف کے عہدہ پر علی گڈھ ہی تقرر ہوگیا، اسی دور مین مولوی لطف اللہ صاحب کے تلمذ کا سلسلہ شروع ہوا، مولوی سید حسین شاہ صاحب بخاری نے بھی اسی زمانے مین پڑھا، سید صاحب صاحبِ درس فاضل ہوجانے کے بعد بھی تعجب سے فرمایا کرتے تھے کہ مفتی صاحب مجھکو ہدایہ اجلاس پر پڑھاتے مین حاضر رہتا، جب دوران مقدمہ مین فرصت ملتی اشارہ ہوتا مین پڑھنا شروع کردیتا، اسی اثنار مین پھر کام مین مصروف ہوجاتے، باوجود اس کے ایسا پڑھایا کہ ساری عمر اسکی یاد رہی،

کول سے بریلی کا تبادلہ ہوا بھیکن پور کے لئے ایک فخریہ بھی ہے کہ مفتی صاحب نے اثنائے راہ مین یہان مع مستورات کے قیام فرمایا تھا،

بریلی کے قیام مین صدر امین ہوے، وہان کے تلامذہ مین قاضی عبدالجلیل صاحب قاضی شہر اور مولوی فدا حسین منصف شامل تھے، بڑا کارنامہ نواب عبدالعزیز خان کا (باوجود ان کی آزاد منشی وصاحبزادگی کے) پڑھا دینا تھا نواب صاحب نواب رحمت خان حافظ الملک شہید مرحوم کے پوتے تھے، گزشتہ پراونشل کانفرنس کے موقع پر حافظ الملک شہید کے مزار پر فاتحہ پڑھی، مقبرہ کی محراب مین یہ جوہردار شعر لکھا ہوا ہے، ؎

سرکشتہ برنیزہ می زد نفس کہ معراج مردان ہمین است وبس

قصہ مختصر، صدر اعلائی کا پروانہ آگیا تھا کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ہوگیا، اس کے فرو ہونے پر الزام بغاوت مین انڈمان بھیجدئے گئے، یہ ۱۸۷۲ء کا واقعہ ہے، چار سال جزیرۂ مذکور مین رہے جنگل مین منگل، اکابر علما کے قدمون کی برکت سے ان دنون یہ بدنام جزیرہ دارالعلوم بن گیا تھا، علاوہ مفتی صاحب کے مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی، مفتی مظہر کریم صاحب وغیرہ علما بھی وہان تھے، اور سب کے سب باوجود مصیبت قید اور غریب الوطنی کے خدمت علم مین مصروف تھے، محقق خیرآبادی کے ذہن وقاد کے متعدد نتائج وہین وجود پذیر ہوے، مفتی مظہر کریم صاحب نے مراصد الاطلاع کا عربی سے اردو مین ترجمہ کیا، مفتی عنایت احمد صاحب نے کلام مجید حفظ کیا، تواریخ حبیب الہ سیرۃ مین تالیف کی، تاریخی نام ہے، ۱۲۷۵ھ نکلتے ہین، منشی امیراللہ تسلیم نے الفاظ تواریخ نبی سے تاریخ نکالی، یہ کتاب حکیم امیر خان کی فرمایش سے لکھی تھی، جو انڈمان مین سرکاری ڈاکٹر تھے اور جنکی غمخواری کا اعتراف دیباچہ مین فرمایا ہے، حجم سوا سو صفحے کا ہے، فی صفحہ سطر ۲۰۔ (نسخہ مطبع نظامی ۱۲۷۹ھ پیش نظر ہے) واقعات پوری تفصیل سے بقید تاریخ اور تشریح جزئیات کے ساتھ لکھے ہین، دیباچہ کی شہادت ہے کہ محض یاد سے لکھی گئی، قیاس کرو کہ اس عہد کے علما حضرت نبی کریم کے مبارک حالات کا کس قدر ذخیرہ سینے مین محفوظ رکھتے تھے، اور یہی سرمایۂ سعادت تھا، ہندوستان آکر سیرت اور حدیث کی کتابون سے مقابلہ کیا تو یاد کی صحت ثابت ہوئی،

ایک انگریز نے تقویم البلدان کے ترجمے کی فرمایش کی جو دو برس مین ختم ہوا، یہی ترجمہ رہائی کا سبب بنا، صرف کا رسالہ علم الصیغہ بھی وہین لکھا، ۱۲۷۷ھ مین رہائی پاکر کانپور آئے، وہان شاگرد رشید مولوی لطف اللہ صاحب بھی حاضر ہوئے تاریخ پیش کی، ؎

چون بفضلِ خالقِ ارض و سما — اوستادِ من شد ز قیدِ غم رہا
بہرِ تاریخِ خلاصِ آنجناب — برنوشتم انّ استادی نجا

۱۲۷۷ھ

مستقل قیام کانپور مین فرمایا۔ مدرسۂ فیض عام کی بنیاد ڈالی، خود درس دیا، پچیس یا تیس ماہوار تنخواہ لیتے تھے مسلمان تجار کانپور مصارفِ مدرسہ کے کفیل تھے۔ ان مین حافظ برخوردار زیادہ نامور تھے، اسی مدرسہ کا فیض بالآخر ندوۃ العلما کی شکل مین عیان ہوا،

دو برس کے بعد حج کا ارادہ کیا، شاگرد جمع ہوئے مولوی سید حسین شاہ صاحب واصف بخاری، مولوی لطف اللہ صاحب، نواب عبد العزیز خانصاحب، مولوی سید عزیز الدین صاحب شکارپوری، استاد کے سامنے درس بھی دیا، مفتی صاحب شاگردون کی بہارین دیکھ دیکھکر باغ باغ ہوتے تھے، بالآخر مولوی سید حسین شاہ صاحب کو مدرس اوّل اور مولوی لطف اللہ صاحب کو مدرس ثانی مقرر فرماکر حج کو روانہ ہوگئے، اس زمانے مین جہاز ہوائی تھے، جدہ کے قریب پہنچکر جہاز پہاڑ سے ٹکراکر ڈوب گیا، مفتی صاحب بحالتِ نماز احرام باندھے ہوئے غرقِ وشہید ہوئے، یہ واقعہ، شوال ۱۲۷۹ھ کا ہے، ۵۲ برس کی عمر ہوئی،

تصانیف | شرح ہدایۃ الحکمہ صدر شیرازی، تصدیقات حمد اللہ اور شرح چغمینی پر حواشی، اردو مین بہت سے مفید عام رسالے جنکے نام عموماً بے تکلف تاریخی ہین، عام مولویون کی روش کے خلاف ان رسالون کی زبان صاف اور بامحاورہ ہے، مضامین علمی اور اخلاقی ہین، اس زمانے کی مقبول عام روش مناظرہ سے بچکر پیرایۂ بیان ایسا اختیار کیا ہے جو دلنشین ہے، دلپذیر ہے، ہنگامہ آرائی سے پاک ہے، خلاصہ یہ کہ مصری کی ڈلیان بھڑون کے چھتے مین نہین رکھی ہین، ایک مختصر سا فنڈ جمع کرلیا تھا اسکی مدد سے یہ رسالے طبع ہوتے تقسیم کئے جاتے، مدرسہ فیض عام کا قیام

اور نشر علم کا یہ طریقہ مفتی صاحب کی دور اندیشی اور ضرورت کے صحیح اندازہ پر دال ہین،

ایک کتاب ہیئت جدید (فیشاغورسی) پر لکھی تھی، مسمی بہ مواقع النجوم، اسکو ہیئت کے ماہر بعض انگریزون نے پسند کیا، ایک کتاب عربی مین بے نقط لوامع العلوم واسرار المعلوم کے نام سے لکھی تھی، اس مین چالیس علوم کا خلاصہ لکھنا پیش نظر تھا، ہر علم کا نام بے نقط تھا، مثلاً تفسیر علم کلام اللہ۔ حدیث علم کلام الرسول، فقہ علم الاحکام علی ہذا القیاس تمام نہ ہوئی تھی کہ عمر تمام ہوگئی، مسودہ ساتھ غرق ہوگیا، مفتی صاحب تمام علوم کا درس پوری قوت سے دیتے تھے، ریاضی مین ممتاز تھے، ادب کا ذوق تھا، کانپور کے قیام مین روزانہ شام کو میدان مین ہوا خوری کے لئے تشریف لیجاتے، مولوی سید حسین شاہ صاحب سے ادبی وعلمی ذکر ہوتے جاتے، ایک روز کی صحبت یہ تھی کہ مفتی صاحب اردو اساتذہ کے چیدہ چیدہ اشعار پڑھتے، سید صاحب اس کا ہم مضمون فارسی شعر پڑھ دیتے،

باز خوانم قصۂ استاد خود تا در و دیوار را آرم بوجد

ابتداءً مفتی صاحب نے شاگرد جدید کو اپنے ایک شاگرد کے سپرد کیا جس نے صرف نحو پڑھائی، ابتداءً لغو شروع ہوئی تو خود پڑھانا شروع کیا، استاد کی شفقت اور شاگرد کی محنت نے یہ نتیجہ دکھایا کہ ڈیڑھ سال مین ملاحسن تک پہنچ گئے، ملاحسن کلیات خمسہ تک پڑھا کر فرمایا کہ اب سبقاً سبقاً اس کے پڑھنے کی ضرورت نہین خود مطالعہ سے پورا کرلو، جہان ضرورت ہو دریافت کرلو، فرماتے تھے کچھ دن دیکھا دریافت کی ضرورت نہ ہوئی پھر چھوڑ دیا، نورالانوار شروع ہوئی، دس پندرہ سبق پڑھا کر ارشاد ہوا اب مطالعہ کرکے ہمسبقون کو پڑھا دیا کرو چنانچہ مطالعہ اور بوقت ضرورت استفادہ کرکے ساری کتاب پڑھا دی، استاد نے خوش ہوکر اس کی جگہ قاضی مبارک شروع کرائی، اول سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھائی، جس نسخہ مین پڑھا اس پر منہیات اپنے قلم سے لکھے، یہ نسخہ کتب خانے مین محفوظ تھا، قاضی مبارک کے بعد حمداللہ کی نوبت آئی،

صبح کی نماز کے بعد مفتی صاحب تلاوت فرماتے تھے، حکم تھا کہ اس وقت حاضر رہین، دوران تلاوت

بن مشکل صیغہ آتا تو اُن کی طرف دیکھتے یہ حل کرتے حل نہ کر سکتے، تو بعد تلاوت خود حل کر کے بتاتے،

تبادلے کے وقت تک کتابین ختم نہ ہوئی تھین، لہذا استاد کے ساتھ بریلی گئے، وہان جملہ کتب درسیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے بعد فراغ مفتی صاحب نے اپنے ہی اجلاس کا سررشتہ دار مقرر کر لیا، اس خدمت پر فائز تھے کہ استاد انڈمان بھیجدیئے گئے، شاگرد بادلِ خستہ گھر چلے آئے، اس طرح چودہ برس مسلسل استاد کی خدمت سے فیضیاب رہے،

بریلی مین قیام کس وقار علمی سے رہا تھا اس کو ذیل کے واقعہ سے سمجھ لوگے ۱۳۱۳ھ مین ندوۃ العلماء کا اجلاس بریلی مین ہونے والا تھا، مخالفین اور موافقین شکست و فتح کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے، مولوی صاحب صدارت کے لیے حیدرآباد سے تشریف لانے والے تھے، اعلانون مین زبانی بیانون مین جس قدر ندوہ کے متعلق اعتراض ہوتے اسی قدر مولوی صاحب کی ذات ہدفِ اعتراض ہوتی، بالآخر صدر نشین فائز بریلی ہوئے پرانے شہر کے شرفا جب اعتراض سنتے سنتے تنگ آ گئے تو اس تردد مین پڑے کہ آخر یہ مولوی لطف اللہ ہین کون ایک تو وہ تھے جو یہان تھے اگر وہی ہین تو حیرت ہے کہ اُن کے عقائد و حالات ایسے بدل گئے،

بالآخر ملنے اور زبانی گفتگو کا فیصلہ کیا، وہ سمان میری آنکھون مین آج بھی ایسا ہے گویا کل کی بات ہے کہ مغرب و عشا کے مابین پرانے شہر کے معمر شرفاء کی ایک جماعت قیام گاہ مین آئی، ایک دوسرے کو دیکھ کر دیرینہ اخلاص و محبت کے اثر سے گرمجوشانہ ملے رسمی گفتگو کے بعد اصل مدعا پر گفتگو ہوئی، زبان حق بیان سے ندوۃ العلماء کے مقاصد و احوال سنکر جو اثر سامعین پر ہوا دیدنی تھا نہ شنیدنی متحیر آئے تھے مطمئن اٹھے، جاتے ہوئے جو الفاظ زبان پر تھے خدا کرے ان کا اعادہ کبھی نہ ہو،

حاصل کلام - بریلی سے کول آنے کے بعد عسرت اور بیکاری کا زمانہ تھا، آخر کار یہون سے ملکر ایک مکتب جاری کر لیا، ان کے لڑکون کو چھوٹے چھوٹے رسالے پڑھایا کرتے تھے، دس روپیہ ماہوار تنخواہ تھی، صاحب عیال تھے دو بچے ہو چکے تھے، سارا کنبہ اسی قلیل تنخواہ مین بسر کرتا، کبھی کبھی فاقے کی نوبت پہنچ جاتی، بعض

خاندانی واقعات کی وجہ سے جائداد کی آمدنی سے مستفید ہونے کا موقع نہ تھا، دو سال کا زمانہ اسی حوصلہ مندی سے بسر کر دیا، اس عرصے مین والد سخت علیل ہوگئے، تیمارداری اس غمخواری سے کی کہ وہ اپنے پیادہ پا پلکھنہ سے کول جاتے اور ہمروزہ واپس آتے ان دونون مقامون کے درمیان فاصلہ چودہ میل کا ہے،

بالآخر جیسا کہ تم اوپر سُن چکے مفتی عنایت احمد صاحب انڈمان سے واپس آکر حج کو گئے، اور مولوی صاحب کا تقرر مدرسہ فیض عام کی دوم مدرسی پر ہوگیا، زیادہ زمانہ نہ گذرا تھا کہ مولوی سید حسین شاہ صاحب نواب شاہجہان بیگم کی طلب پر بھوپال چلے گئے مولوی صاحب مدرس اول ہوگئے،

ایک لطیفہ مولوی سید حسین شاہ صاحب کے قیام بھوپال کا بے موقع نہ ہوگا سید صاحب کی مراسلت بعض مسائل مین مولوی سید صدیق حسن خان صاحب سے ہوئی (اس وقت تک نواب نہ ہوئے تھے) اس مین سید صاحب نے ایک شعر لکھا ؎

برخیز بت فلکن کہ بتے چند بشکنم در سومنات شور و شر دیگر افگنیم

بعض حریفون نے نواب شاہجہان بیگم صاحبہ کو یہ کہکر بدظن کرنا چاہا کہ سید صاحب نے دارالاسلام بھوپال کو سومنات کہا، سید صاحب نے سنا تو جواب دیا اور لاجواب دیا، "سومنات ہمان است کہ دران سلطان محمود غزنوی شور و شر افگندہ بود . . . . . بھوپال کہ سلطنتِ مومنات ست دران چہ جائے سومنات ست"

خلاصۂ کلام، مولوی صاحب نے سات برس تک مدرسۂ فیض عام مین درس دیا، کس قوت سے یہ بھی سُن لو میرے استاد مولوی عبدالغنی خان صاحب مدرسۂ موصوف کے اولین شاگردون مین تھے، مجھ سے بیان فرمایا کہ مدرسہ کے قریب ایک مسجد تھی، استاد اور شاگرد صبح کو ایسے وقت وہان پہنچ جاتے کہ جماعت فجر سے پہلے تفسیر بیضاوی کا سبق ہوجاتا تھا، اس سے فارغ ہوکر باجماعت نماز پڑھتے، نماز سے فارغ ہوتے ہی درس شروع ہوجاتا، دوپہر تک رہتا اس کے بعد وقفہ اس قدر کہ کھانے اور کچھ آرام کے بعد ظہر باجماعت ادا ہوتی، نماز کے بعد درس، عصر کے بعد پھر درس، مغرب کے وقت ختم، کبھی ایک آدھ سبق بعد مغرب بھی ہوجاتا،

درس مین اتنا انہماک تھا کہ وطن کا آنا جانا شدید ضرورت ہی سے ہوتا وہ بھی جریدہ تاکہ زیادہ قیام نہ کرنا پڑے،

کانپور مین سات برس رہنے کے بعد مرکز اصلی کی جانب رجوع فرمایا علی گڑھ کے مدرسۂ جامع مسجد مین اوّل مدرسی پر تقرر ہوا پچاس ماہوار تنخواہ ٹھہری حیرت یہ ہوئی کہ مولوی صاحب کے شاگرد خواجہ محمد یوسف مرحوم وکیل نے مدرسۂ مذکور کو از سر نو جاری کیا، استاد کو کانپور سے بلا کر مدرس اوّل مقرر کیا، خواجہ صاحب تعلیم قدیم وجدید دونون کے دلدادہ تھے، ٹرسٹیز بل کے خرخشہ مین آنے تک سر سید مرحوم کے ساتھ اور محمڈن کالج کے سرگرم معاونین مین تھے مدرسہ کے مصارف کا بڑا جز چھتاری اور بھیکن پور کی ریاستون سے ادا ہوتا تھا کیسی نیک کمائیان تھین جو ہند سے بخارا تک فیض پہنچانے کا ذریعہ بنین، مدرسہ کی رونق اور طلبا کا ہجوم قابل دید تھا. مولوی صاحب دوپہر کا کھانا مسجد ہی مین تناول فرماتے، صبح سے آکر عشا کے وقت دولتخانے جاتے،

آج پیریڈ (PERIOD) گننے والے ان باتون کو کیا سمجھین گے نہ سمجھین تو واقعہ تو واقعہ ہی رہے گا،

ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے بڑے بڑے علما اسی زمانے مین فیضیاب ہوے، پہلی فارغ ہونے والی جماعت مین (جو کانپور سے ساتھ آئی تھی) مولوی سید محمد علیصاحب، مولوی عبدالغنی خانصاحب، مولوی احمد حسن صاحب، مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی، مولوی عبدالحق صاحب، مولوی صاحب تفسیر حقانی اور مولوی سید محمد اسحٰق صاحب پیالوی شامل تھے دیکھو! انھین سے ہر ایک کس شان علمی مین جلوہ فرما ہوا

ثانی الذکر بعد فراغ استاد کی جگہ کانپور مین مدرسہ فیض عام کے مدرس اوّل مقرر ہوئے، ایک خط میرے پاس محفوظ ہے جس مین مولوی عبدالحئی صاحب مرحوم فرنگی محل نے آخر الذکر موصوف کی قوت تدریس کی مدح وثنا لکھی ہے

ذرا یہ بھی سُن لو کہ یہ علما کس طرح پیدا ہوئے، میرے استاد نے مجھے بیان فرمایا کہ ایک بار میر زاوبیر مرحوم لکھنؤ سے کانپور آئے، ان کی آمد نے کانپور مین ایک غلغلہ ڈالدیا، مولوی صاحب نے شاگردون کو اجازت دی بلکہ شوق دلایا کہ مرزا صاحب کو دیکھین ان کا پڑھنا سُنین، پھر یہ موقع کہان ملیگا، فرماتے تھے مجھکو سبقون نے مہلت ہی نہ دی کہ جاتا، نہ دیکھنے کا اب تک افسوس ہے، یہ بھی فرماتے تھے کہ علیگڈھ مین طلبا کے رہنے کی جگہ جامع مسجد کے حجرے تھے، ڈومحجوب حجرے اور بھی تھے، جامع مسجد کے عالیشان میناردن

مین زینہ کی گھوم سے درمیان مین جو وسعت پیدا ہوگئی ہے وہ بھی حجرے کا کام دیتی، شائق طلبا ان کی فکر مین رہتے، خالی ہونے سے پہلے درخواستین گذر جاتین، فرماتے تھے کہ ایک بار اُن مین سے ایک حجرہ مجھکو بھی مل گیا تھا، نیچے کا دروازہ بند کرکے مطالعہ کو بیٹھ جاتا تو دنیا فیہا کی خبر نہ رہتی، مطالعہ کا جو لطف وہان آیا کہین نہ ملا، یہ بھی فرماتے تھے کہ درس سے فارغ ہوکر پہلی فکر یہی ہوتی کہ استاد کی تقریر دل مین ایسی نقش ہو کہ کبھی نہ بھولے، راستہ اسکی ذہنی تکرار مین صرف ہوتا، مکان پر پہنچکر فوراً قلمبند کیجاتی، اس عرصے مین دوسرے ہم سبق آجاتے اُن سے تکرار کیجاتی، ہر ایک اپنی اپنی یادسے اعادہ کرتا، اتنی کاوش کے بعد جب تقریر ذہن نشین ہولیتی تو چین سے بیٹھتے ضروریات کی جانب توجہ کرتے،

یہ بافیض درس ۱۲۸۵ھ سے لغایۃ سنہ ۱۳۱۲ھ ۲۷ ربرس مسلسل حیدرآباد کے تعلق تک جاری رہا، استاد نے پڑھا، باپون نے پڑھا، شاگردون کے شاگرد اور بیٹے بھی فیضیاب ہوئے، عجب اتفاق ہے سب سے پہلے دور مین میرے مکرم استاد مولوی عبدالغنی خان صاحب نے پڑھا تھا، سب سے آخر کے باقاعدہ دور مین ننگ تلامذہ راقم شروانی شامل تھا، اس درس مین میرے ہم سبق مولوی امانت اللہ صاحب مرحوم، مولوی سید عبداللطیف صاحب پروفیسر جامعۂ عثمانیہ، مولوی محمد ہاشم مرحوم سنبھلی، مولوی صدیق حسین حال مدرس مدرسہ جامع مسجد، مولوی اظہر حسین مرحوم ہماری تھے، سوائے عاجز کے سب کے سب عالم اور علم کے خادم بنے،

جامع مسجد کے دور درس مین یہ چشمہ اس سرد ی سے جوش زن تھا جو جنوبی منارے کے متصل ہے، مولوی عبدالقدوس صاحب پنجابی مسجد کے اندر درس دیتے، حافظ رحیم بخش مرحوم قرآن شریف حفظ کراتے، ایک دوسرے مولوی عبدالقدوس فارسی پڑھاتے، طلبا کی کثرت تھی، جامع مسجد مین نماز کی جماعتین بڑی شان سے ہوتی تھین، شہر کے دوسری مسجدین بھی طلبا سے آباد تھین،

یہ یادگار زمانہ درس اس شان سے جاری تھا کہ اس کو صدمہ پہنچا، اس عہد مین تقلید وعدم تقلید کے جو ہنگامے ملک مین برپا تھے ایک بار بیچارہ کول بھی ان کی زد مین آگیا، معرکے گرم ہوے، مخالفت کے طوفان اٹھے

مولوی صاحب نے جامع مسجد مین درس موقوف فرمادیا، مکان کے قریب ایک چھوٹا کمرہ کرایہ پر لیکر اس مین پڑھاتے تھے، مین وہین حاضر ہوا، ایک شکستہ بوریئے پر نشست ہوتی، دل مین اب تک اس عزت کی یاد ہے، کاش پھر نصیب ہوتی، طوفان بے تمیزی کا انجام یہ ہوا کہ مولوی صاحب کو زہر دیا گیا،

زہر خورانی | ۲۳ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ مطابق ۲۵ اگست ۱۸۹۴ء کو ایک خط مولوی صاحب کی خدمت مین آیا، لکھا تھا کہ مین آپ کا شاگرد ہون، تلاش معاش مین سرگردان تھا، مان نے منت مانی تھی کہ نوکری لگنے پر پہلی تنخواہ سے مولود شریف کی مجلس کرینگی، چنانچہ ملازمت ملجانے پر مجلس کیگئی، شیرینی آپکی خدمت مین بھی بھیجتا ہون، دوسرے روز ایک شاگرد اسٹیشن جاکر پارسل لے آئے، اندر بھیجدیا، کھولا تو نکتی کے بڑے بڑے لڈو نکلے، ان مین سپید سپید مصری کے دانے بکثرت چمک رہے تھے، تبرک کے خیال سے پارسل کے کھلتے ہی آدھا لڈو مولوی صاحب نے کھالیا، اتفاقاً کوئی اور عزیز اس وقت پاس نہ تھا، ورنہ حسب عادت اول اسکو کھلاتے،

تھوڑی دیر مین قلب پر گھبراہٹ محسوس ہوئی، استفراغ ہوا، بی بی صاحبہ کو بلاکر ماجرا کہا، انھون نے فوراً منجھلے صاحبزادہ مولوی عنایت اللہ صاحب کو طلب کیا، جو درس چھوڑکر فوراً حاضر ہوئے، یہ طبیب بھی تھے، دیکھا کہ استفراغ جاری تھا، گھبراکر سبب پوچھا تو پارسل کے آنے اور لڈو کھانے کا واقعہ معلوم ہوا، لڈو دیکھے تو معلوم ہوا کہ مصری نہ تھی، سنکھیا سے بھرے ہوئے تھے، بہرحال یونانی اور ڈاکٹری ممکنہ تدابیر کی گئین، طبیب اور ڈاکٹر برابر حاضر رہے، شہر مین ایک تلاطم تھا، شب کو حالت زیادہ نازک ہوگئی جس سے معالج بھی گھبرا گئے،

قصہ مختصر فضل الٰہی شامل حال تھا کہ اس سخت جھٹکے سے نجات ملی، ۲ ستمبر کو غسل صحت ہوا، اہل شہر نے اظہار مسرت و شکر اس طرح کیا کہ چندہ کرکے جامع مسجد مین شب کو مجلس میلاد مبارک منعقد کی، روشنی کی گئی، صبح کو شیرینی تقسیم ہوئی،

پولس نے مجرم کی تلاش کی، پتہ نہ چلا، مولوی صاحب نے کسی پر شبہہ ظاہر نہین فرمایا، اس پر ہمیشہ شکر فرماتے تھے کہ پارسل کھلنے کے وقت کوئی عزیز پاس نہ تھا، ورنہ وہ بھی شیرینی سے

معلوم ہوجاتا، مہربانِ نامہربان نے تو اپنی زعم باطل مین ہمارے گھر کے خاتمے کا سامان کر دیا تھا مگر ع

"دشمن اگر قوی ست، مہربان قوی تر است"

اس حادثے نے علمی مصیبت کی شکل یہ اختیار کی کہ مولوی صاحب کا دل علیگڑہ سے بیزار ہوگیا، درس کی جانب رغبت نہ رہی، طلبا کی خاطر سے بادلِ ناخواستہ پڑھاتے تھے اس پر بھی ناغہ بہت ہوتا، دستِ قدرت نے جلد علیگڑہ کے ساکنین کو یہ دکھادیا کہ اب وہ اس قابل نہ رہے تھے کہ علم و فضل کا ایسا سرمایہ داران مین رہتا،

تعلق حیدرآباد | غفران منزل آصفجاہ سادس کی فرمانروائی اور سر وقار الامرا مرحوم کی مدار المہامی کا دور تھا مدار المہام کو مسلمانون کی مذہبی تباہ حالی کا احساس ہوا، یہ ارادہ کیا کہ کوئی بلند پایہ عالم شمالی ہند سے طلب کر کے خدمت اصلاح سپرد کرین، اتفاق وقت مولوی صاحب کے ایک بنگالی طالب علم اس زمانے مین مزاج مین درخور تھے قدرۃً انھون نے اپنے استاد کے تقرر کی تجویز پیش کی، مدار المہام نے منظور کی، چنانچہ دسمبر ۱۸۹۴ء مین (یعنی زہر خورانی کے واقعے کے تین مہینے بعد ہی) حیدرآباد سے مراسلہ آیا کہ یہ تقرر منظور ہو تو سفر خرچ بھیجا جائے، یہان سے منظوری گئی، وہان سے زادِ راہ آگیا،

مشاہرہ سات سو روپیہ ماہوار، خدمت صدارت المدرسین،

۲۸ فروری ۱۸۹۵ء کو بعد نماز جمعہ اہل شہر سے رخصت ہو کر حیدرآباد روانہ ہوئے، منجھلے فرزند مولوی عنایت اللہ صاحب کو اپنی جگہ جامع مسجد مین صدر مدرس مقرر کیا،

تین نامور شاگرد مولوی سید محمد علی صاحب، مولوی عبد الغنی خان صاحب اور مولوی عبد الجمیل صاحب افغانی اور چھوٹے صاحبزادہ میان عبد الحمید ہمراہ تھے، حیدرآباد پہنچنے پر شایستہ استقبال ہوا، مہمان خانہ ریاست مین قیام،

قضائے الٰہی اسی عرصے مین مفتی عدالت مفتی محمد سعید صاحب مرحوم نے (جو مدراس کے علمی خاندان کے

سرمایۂ سعادت تھی) انتقال فرمایا، قدرت نے مولوی صاحب کو بجاے خدمت صدر المدرسین کے اس عہدے کیلئے نامزد کیا تھا، چنانچہ ایک ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ پر ۱۲ مارچ ۱۸۹۵ء کو عہدۂ مذکور پر تقرر ہوگیا،

ممالک محروسۂ سرکار عالی مین اب تک مطابق شرع قصاص کا طریقہ جاری ہے، پھانسی نہین ہے، قصاص کے لیے حضور نظام کی منظوری بحیثیت فرمانروائے اسلام ضروری ہے، حضور اس وقت منظور فرماتے ہین کہ مفتی شرع فتویٰ دین، اس خدمت کے لیے عہدۂ افتا مجلس عدالت العالیہ (ہائی کورٹ) مین قائم ہے، ضرورت کے وقت مفتی اجلاس مین بیٹھکر ججون کے ساتھ بھی کام کرتے تھے،

نواب وقار الامرا بڑے سیر حشم عالی حوصلہ امیر تھے، عمارت کا ایسا سلیقہ تھا کہ انجینیرون کو بھی کم حاصل ہوا ہوگا، قصر فلک نما ان کے ذوق تعمیر کی نادر شہادت ہے،

مفتی صاحب کی (اب ہم مولوی صاحب کو مفتی صاحب کے لقب سے یاد کرتے ہین) تعظیم و بزرگ داشت ہمیشہ ملحوظ رکھتے، اطلاع ہونے پر فوراً یاد فرماتے، تعظیم کو کھڑے ہوجاتے، بعض اوقات کرسی اپنے ہاتھ سے بچھاتے،

چند سال یہ خدمت انجام دی تھی کہ قویٰ کے ضعیف ہونے پر اثر سمیت نے پھر قوت دکھائی، ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۱ء مین دفعۃً درد سر شدید لاحق ہوا، صاحبزادہ مولوی امانت اللہ صاحب نے اپنے منجھلے بھائی مولوی عنایت اللہ صاحب کو بلایا، (جو طبیب بھی تھے) انھون نے سبب مرض بسمیت تجویز کرکے معالجہ کیا، چنانچہ روغن کاہو اور روغن بادام سر کہ مین مخلوط کرکے بدفعات دھائی سیر سر پر ملا گیا، تب افاقہ ہوا، خارجی تدابیر اس وقت تو مؤثر ہوگئی، مگر پھر دوسرا فساد نمایان ہوا، تمام جسم پر آبلے نمودار ہوکر پھوٹے اور سارا جسم زخم بن گیا،

"دل ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم"

بالآخر رخصت علالت لیکر دلی تشریف لائے، معالجہ کارگر نہ ہوا، مزید رخصت حاصل کی گئی، افاقہ ہوا تو دکن کو مراجعت کی، زحمت امراض باقی تھی، درد سر شدید مزید بران بے تکلف علی حزین کا شعر صادق تھا ؎

چہ شد یارب کہ امشب دردِ سر تسکین نمی یابد ز بے تابی سرم میگردد و بالین نمی یابد

مولوی عنایت اللہ صاحب بھوپال سے پھر طلب ہوئے، ان کی تدبیر سے درد سر رفع ہوگیا، باقی امراض کا علاج لوکا بابو ایک مدراسی وید نے بڑے معرکے سے کیا، دو مہینے سے زیادہ معالجہ جاری رہا، پوری صحت ہوگئی، اب تیسرا مرض ضعف پیری نمودار ہوا، آنکھون کی بینائی سرعت سے کم ہونے لگی، اس عالم مین ایک خط مولوی عنایت اللہ صاحب کو لکھا ہے اس مین تحریر فرماتے ہین:-

"ان آنکھون سے اگر بیت اللہ اور روضۂ اقدس کو نہ دیکھا تو وائے بر من و وائے برنا کامیٔ من،

خیر، رضینا بما قضا اللہ علینا"

مراجعت وطن | چھ سات مہینے مین روشنی بالکل جاتی رہی، روشنی کے ساتھ تعلق ریاست بھی گیا، علیگڑھ تشریف لائے، ڈاکٹرون نے پانی پختہ ہونے کے لیے ڈیڑھ سال کی مدت معین کی، چنانچہ یہ زمانہ صبر و رضا سے بسر فرمایا، ۱۳ مارچ ۱۹۰۰ء کو لکھنؤ کے مشہور معالج چشم ڈاکٹر اینڈرسن نے بڑی توجہ اور بزرگ داشت سے کام لیا قدح کیا، ڈاکٹر کی رائے تھی کہ ایک آنکھ کا آپریشن ہو دوسری دوسرے وقت کے لیے محفوظ رہے، ادھر سے اصرار ہوا کہ دونون آنکھ کا آپریشن کر دیا جائے، حسرت اس پر ہے کہ اپریشن کے بعد ضروری احتیاط نہ کی گئی، حرکت کرنا، آواز سے بات کرنا، پانی سے چہرہ کو دھونا وغیرہ ذلک امور ممنوع تھے، باوجود معالج کی تاکید و توجہ کے کسی کی پابندی نہ ہو سکی، نتیجہ یہ کہ دونون آنکھین خراب ہوگئین، ایک کا ڈھیلا بہہ گیا، دوسری خراب ہو کر رہگئی، آنکھون کے جانے کا جو صدمہ ہوا ہوگا ظاہر ہے، معذوری نے چلنا پھرنا چھڑا دیا، اس کا اثر عام صحت پر خراب پڑا، مالی دقتین بھی پریشان کرتی رہین، مجھکو اس زمانے مین حاضری کا مسلسل موقع حاصل ہوتا رہا، باوجود معذوری و پریشانی کے رکھ رکھاؤ کا اہتمام پورا تھا، ہمیشہ صابر و راضی برضا دیکھا، لباس وغیرہ صاف مرتب، سننے کے لائق یہ بات ہے کہ مرض، عدم بصارت، مالی دقت ان مین سے ہر مصیبت سوہان روح تھی، ہمت و استقلال دیکھو، درس اس حالت مین بھی جاری تھا، مولوی بدرالدین اور مولوی کرم الٰہی اسی زمانے کے تلامذہ مین ہین، زیادہ توجہ درس حدیث و تفسیر پر تھی، غایت شوق، فرماتے تھے "میان مولوی

بدرالدین جب پڑھنے آجاتے ہین تو مین اپنی تکلیفین بھول جاتا ہون، اور جب تک ان کو پڑھاتا رہتا ہون ہائے ہائے سے نجات مل جاتی ہے،

اسی زمانے کا ایک واقعہ مولوی سید سلیمان اشرف صاحب نے بیان فرمایا، اپنے علیگڈھ آنے کے تیسرے ہی دن سلام کو حاضر ہوے، ایک روز پہلے جامع مسجد مین بیان ہو چکا تھا، حاضری پر مخصوص خاندانی طریقے سے قدم لیے مولوی صاحب اس وقت آرام کرسی پر آرام فرما تھے، بغیر تعارف صاف الفاظ مین فرمایا "مولوی سلیمان اشرف" اور پھر شیر پڑھا ؎

گر تو تعظیم خواہی از من زار بہر تعظیم خود مرا بردار،

دوسرا واقعہ صاحبزادہ مولوی امانت اللہ صاحب کی زبانی، شرح چغمینی کے پڑھانے مین ایک دائرہ کے متعلق اشکال پیش آیا، حاضر خدمت ہو کر مشکل پیش کی، فرمایا، امانت اللہ! اب دماغ کہان رہا، خیر ایک لوٹا مٹی کا لے لو، لوٹا لایا گیا، ایک ہاتھ پر الٹا کر کے کرہ بنا لیا، دوسرے ہاتھ کی انگلی کو کروی حرکت دی، صاحبزادہ کا بیان ہے کہ انگلی کا حرکت کرنا اور مسئلے کا سمجھ مین آجانا گویا ایک ہی بات تھی،

تیسرے واقعے کا مولوی معین الدین صاحب اجمیری نے ذکر کیا، میرزاہد کی ایک تقریر باوجود مکرر غور کے سمجھ مین نہین آتی تھی، حاضری کے وقت اشکال پیش کیا، سنتے ہی فرمایا کہ اس مسئلے کے متعلق اوپر کے مقدمات کی تقریر مین فلان غلطی ہوئی ہے، اسکی تقریر اس طرح کرو حل ہو جائیگا، چنانچہ تقریر زاہدی کا مضمون صاف ہو گیا،

وفات سنہ ۱۳۳۴ھ مین عرفے کے دن مطابق ۸ اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء تین اور چار بجے، سہ پہر کے درمیان بمقام کول (علیگڑھ) انتقال فرمایا، یہ وہ دن تھا کہ میدان عرفات اہل ایمان کی لبیک سے گونج رہا تھا، نوے برس کی عمر ہوئی، حضرت شاہ جمال العارفین کے جوار مین آسودہ ہین، چند قدم کے فاصلہ پر شاگرد رشید مولوی عبد الغنی خان صاحب مدفون ہین،

حلیہ بلند بالا۔ بدن دوہرا، رنگ سرخ سپید، سینہ چوڑا، پیشانی وسیع، آنکھین بڑی روشن، ناک دراز بھاری ہونٹ باریک، دہانہ چھوٹا، گردن لانبی، داڑھی سپید نورانی، ہنس مکھ چہرہ۔ زہر کے اثر سے پہلے قوی اعلیٰ درجہ

کے تھے، صحت بہت اچھی تھی، سردی گرمی اور محنت کے اثر سے بالاتر،

لباس | انگرکھا، کرتا، عرض کا پائجامہ، سر پر اکثر دوپلی ٹوپی، خاص اوقات مین منشیانہ طرز کا عمامہ سر پر، اس پر سے سپید چادر، مردانہ مین ہمیشہ پورے لباس مین نمودار ہوتے، صرف کرتے مین کبھی برآمد نہ ہوتے، کرتہ جسم سے گرمی مین یا تخلیہ مین بھی جدا نہ ہوتا، لباس کی درستی اور صفائی کا پورا اہتمام رہتا، مین نے مرض اور نابینائی کی حالت مین بھی لباس میلا یا فرسودہ نہین دیکھا،

عادات | نشست برخاست اور گفتگو مین تہذیب و وقار کی پوری شان تھی، نگاہ نیچی رہتی، کم سخن تھے، خاموشی مین بھی ایک عالم شگفتگی محسوس ہوتا، روش سادہ تھی، جفاکشی اور محنت داخلِ عادات تھی، چھتری کبھی نہ لگاتے شدتِ گرما مین سر پر چادر رکھکر دھوپ مین چلے جاتے، اس سلسلے مین ایک جان پرور واقعہ سن لو،

گرمی کے سخت موسم مین ایک بار مدرسۂ عالیہ کا امتحان لینے رامپور تشریف لے گئے، امتحان سے فارغ ہوتے ہوتے دوپہر کے بارہ بجگئے، حسب عادت سر پر چادر رکھکر پیادہ پا استاذ العلما مولوی محمد ہدایت اللہ خانصاحب صدر مدرس مدرسۂ جونپور کے مکان پر جا پہنچے، مولوی صاحب قیلولے کے لیے زنانہ مکان مین جا چکے تھے، اطلاع پر باہر تشریف لائے، اوّل ایک پلنگ پر صاف ستھرا بستر بچھوایا، اس کے بعد مہمان محترم کی پذیرائی فرمائی،

شانِ پذیرائی غور سے سنو، اب یہ واقعے کہان، دیکھنا درکنار سنوگے بھی نہین، اپنے بھتیجے حافظ اسعد اللہ خان کو بھیجکر کنوئین سے تازہ پانی منگوایا، مہمان گرامی کے پانون پر عزیز سے پانی ڈالوایا، اپنے ہاتھ سے دھوئے، سقاہ اللہ تعالیٰ کا سا دہاتی ابھی کریم النفسی کی داستان باقی ہے، رامپوری فاضل اجل نے راوی سے یہ واقعہ بیان فرمایا تو یون کہا کہ مولوی لطف اللہ صاحب نے بڑا کرم فرمایا ایسی دھوپ مین تکلیف فرمائی، اور وہ بھی پیادہ پا، اپنی خدمت کا تذکرہ درکنار اشارہ بھی نہ کیا، ایک موقع پر حسب راوی موصوف نے مفتی صاحب سے مولوی صاحب کی شکرگذاری کا ذکر کیا تو فرمایا کہ مین نے کیا کرم کیا مجھکو تو دوپہر کہین بسر کرنی تھی وہین چلا گیا، کرم تو مولوی صاحب نے فرمایا یہ کہکر پانی منگوانے اور پانون دھلانے کا واقعہ بیان فرمایا، دیکھو یہ تھے وہ پاک مشرب صاف سینے جنھے علمی فیض کے

چشمے نہین دریا بہے، رحمہما اللہ تعالیٰ،

آدم برسر مطلب، مزاج شگفتہ تھا، بامذاق تھا، تکلف سے بری تھے، خاص صحبتون مین مزاح بھی فرماتے شعر کا ذوق پورا تھا، خاص صحبتون مین اشعار کا ذکر چھڑ جاتا تو گھڑیون جاری رہتا، اشعار لطیف پڑھتے، لطف وخوبی ظاہر فرماتے، ایک ہی قافیہ یا مضمون پر متعدد اساتذہ کا کلام سناتے، عربی، فارسی، اردو ادب سے یکسان ذوق تھا، مجھکو یاد ہے کہ ایک صحبت مین ہوشم اور دوشم کی طرح پر بہت سے مطلع استادون کے پڑھے تھے، تین مطلعے اب تک یاد ہین، صائب ؎

نمی دانم کرا دیدم کہ از خود می رود ہوشم — جنون آہستہ می گوید مبارکباد در گوشم

لاادری ؎

بیک پیمانہ ساقی کرد مدہوش آنچنان دوشم — کہ از محفل حریفان چون سبو بردند بردوشم

مولوی فیض الحسن سہارنپوری، ؎

صلا زدم کہ من آزادہ نمد پوشم — غلام حیدرم وجام حیدری نوشم

جام حیدری کی تعریف فرمائی،

گفتگو ہر شخص سے علی قدر مراتب شفقت ومحبت سے فرماتے جسکا اثر سامع محسوس کرکے محظوظ ہوتا، تعلّی یا ادعا کا شائبہ بھی کلام مین نہ پایا جاتا، تقدس مآبی اور جلوہ نمائی پاس نہ تھی، تلاوت کلام مجید بھی تخلیے مین فرماتے، سخت کلامی اور فحش الفاظ غصے مین بھی زبان سے نہ نکلتے، ملازمون کے لیے انتہائی غصے کے الفاظ یہ تھے، "تم بچھیا کے لڑوا ہو" "بالائق ہو" (گویا نالائق کا نعم البدل ہے)

سیر چشم اور فیاض تھے، اسی لیے اکثر قرض کا بار رہتا، حیدرآباد کے تعلق کے زمانے مین ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ بدقت کفایت کرتی، شادیون مین دعوتین بڑے حوصلے سے ہوتین، جنکو رؤسا بھی مان جاتے، شادی کی تقریبون مین تلامذہ کا اجتماع قابل دید ہوتا، جنمین بڑے بڑے علما ہوتے، سب کے سب مہمانون کی خدمت بے تکلف

کرتے، مولوی ہی پلنگ بچھاتے دوسرا سامان آسایش مہیا کرتے، ایک تقریب مین میرے قیامگاہ مین مولوی ظہور الاسلام صاحب فتحپوری مرحوم سامان لائے تو مین نے معذرت کی اور کہا کہ آپ تکلیف نہ کرین، ہنسکر فرمایا یہان مولویون کے سوا ہے کون جو تمہارا کام کریگا،

ایک تقریب مین شام کے وقت مین نے دیکھا کہ متعدد چارپائیون پر تلامذہ بیٹھے ہوئے تھے، ان مین مولوی سید محمد علی صاحب، مولوی عبد الغنی خان صاحب، مولوی احمد حسن صاحب، مولوی عبد الجلیل صاحب افغانی (صدر مدرس ویلور مدراس) مولوی سید ظہور الاسلام صاحب وغیرہم تھے آج ان کی نظیر سارے ہندوستان مین مشکل سے ملیگی، ایک کالیتہ شاگرد بھی تھے جنسے برادرانہ برتاؤ ہو رہا تھا،

ضروری واقعات سے باخبر رہنا اور حسب موقع ان مین حصہ لینا داخل اخلاق تھا، جو خلاصے جنتریون کے میرے سامنے ہین وہ اس کے شاہد ہین، ایک اندراج میرا سرمایہ نازش ہے، ۳ مارچ ۱۸۹۱ء حبیب الرحمن خان نے پڑھنا شروع کیا،

علماے معاصرین کے علم وفضل کا اعتراف شامل وضع تھا، سب کے ساتھ محبت تھی، انکی وفات سے سخت متاثر ومتاسف ہوتے، جنتریون کے اندراجون مین مولوی عبد الحی صاحب فرنگی محلی، مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری، مولوی ارشاد حسین صاحب رامپوری وغیرہم کی وفات کا صدمہ صاف عیان ہے، رحمہم اللہ تعالیٰ مولوی اسمٰعیل صاحب اسرائیلی سے حالانکہ بے لطفی رہتی تھی، مگر دلی سے جب ان کے وفات کی خبر آئی تو بے اختیار آنکھون سے آنسو جاری تھے اور فرماتے تھے "مولوی اسمٰعیل اپنی ذات سے بہت اچھے آدمی تھے"،

بازار کے چٹ پٹے کباب بہت مرغوب تھے، فرمایش ہوتی کہ دلی کی جامع مسجد کی سیڑھیون کے کباب گرما گرم آئین، عزیز شاگرد اہتمام کرکے لاتے اور دعائین لیتے، حالت علالت مین یہ شوق معالج اور تیمار دارون کے لیے مصیبت ہو جاتا، باورچی خانہ مین عمدہ سیخ کے کباب تیار کرائے جاتے، پسند نہ ہوتے،

درس | مفتی صاحب کا مخصوص کمال درس تھا، اللہ تعالیٰ نے عمر دراز بخشی، صحت وقوت وافر عطا فرمائی، علم کی

دولت سے مالامال فرمایا، یہ سارا سرمایہ تدریس وتعلیم مین صرف فرمادیا، معتبر شہادت اسکی موجود ہے کہ شباب تدریس کے وقت مین بیس بیس سبق روزانہ پڑھائے، مولوی فضل حق صاحب مرحوم خیرآبادی کا ایک خط میرے پاس ہے، اس مین تحریر فرماتے ہین کہ اجمل درس قوت سے جاری ہے، سولہ سبق روزانہ پڑھائے جاتے ہین، یہ قیام الور کا واقعہ تھا علی گڈھ مین درس کا سلسلہ ۱۲۸۵ھ سے ۱۳۱۲ھ تک ستائیس سال جاری رہا، اس سے پہلے سات برس فیض عام کانپور مین درس دیا جاچکا تھا، اس طرح چونتیس برس پوری قوت کے ساتھ مجلس تدریس گرم رہی، برسون یہ معمول رہا کہ صبح کی نماز سے فارغ ہوکر جامع مسجد مین تدریس شروع فرمادیتے، دوپہر کا کھانا وہین آجاتا، عشا پڑھکر مسجد سے مکان تشریف لیجاتے،

طلبا کو مطالعے کی تاکید رہتی، اگر کسی طالب علم کی خامی ثابت ہوتی اس کا سبق ناغہ کردیا جاتا، فرماتے کل مطالعہ دیکھکر پڑھنا، یہ فرمایش تلخی یا سختی سے نہ ہوتی بلکہ نرمی سے یون فرماتے آج شاید مطالعہ نہین کیا جو مطلب سمجھنے مین دشواری ہوتی ہے کل مطالعہ دیکھکر پڑھنا، یہ روک ٹوک کا سلسلہ خوبی سے ہمیشہ جاری رہتا، منجھلے فرزند مولوی عنایت اللہ صاحب درس دے کر بھوپال مین مفتی مقرر ہوچکے ہین، اس زمانے مین ایک خط مین مصئون (بروزن مسئول) قلم سے نکلا، مفتی صاحب نے لکھا کہ مصئون بروزن مقول ہے ہمزہ کیون لکھا،

ایک اور والا نامے مین فرماتے ہین، (خلاصۃً) عنایت اللہ اپنی تعظیم مین نہین چاہتا تمھاری تحریر کی شائستگی کے خیال سے لکھتا ہون کہ بڑون کے خط مین آخر والسلام کے ساتھ کوئی لفظ تعظیمی لکھدیا کرو مثلاً بالاکرام، برابر والون کو مثلاً "ختم الکلام"

قاضی حسام الدین کشمیری سات برس حاضر درس رہے، اپنی یادداشت مین لکھتے ہین کہ اس عرصۂ دراز مین صرف دو یا تین بار طلبا کی کج بحثی پر مولوی صاحب کو غصہ آتے مین نے دیکھا، اسی کے ساتھ دوسرے وقت شفقت سے اسکو مطلب سمجھا دیا،

تدریس کے وقت وقار وتمکین کے ساتھ نشست فرماتے، گھنٹون ایک پہلو سے بیٹھے رہتے، کتاب

ہمیشہ ہاتھ مین کھلی رہتی، جماعت مین باری باری سے ایک طالب علم قاری ہوتا، باقی سامع، الحمد للہ مجھکو بھی بارہا قاری ہونے کا شرف حاصل ہوا، قاری عبارت پڑھکر ترجمہ کرتا، اس کے خاموش ہونے پر تقریر فرماتے تقریر صاف سلیس اور بسیط ہوتی، طویل نہین، لہجے سے شفقت اور فیض رسانی کا لطف محسوس ہوتا، مستعد طلبا کے لیے پہلی تقریر کافی ہوتی، جو سمجھتے ان کے لیے دوبارہ سہ بارہ تقریر فرماتے بشاشت مین فرق نہ آتا، اعتراضون کا جواب نرمی اور تحمل سے دیا جاتا، تمام مراحل طے ہونے پر طلبہ سے دریافت فرماتے سب نے مطلب سمجھ لیا جواب اثبات مین سنکر آگے پڑھنے کا حکم ہوتا، خوبی تقریر یہ تھی درس مین مین نے دیکھی کہ قاضی مبارک، محمد اللہ میر زاہد رسالہ اور غلام یحییٰ کے دقیق مطالب پانی ہوکر روان ہوتے تھے، حالت درس مین کوئی خاص ملنے والے آجاتے تو درس بند کرکے انکی جانب متوجہ ہوجاتے،

ایک بار مولوی عبدالحق صاحب خیرآبادی تشریف لے آئے، حسب عادت درس بند کرکے سروقد ہوکر پذیرائی فرمائی، مزاج پرسی وغیرہ رسمی مراتب گفتگو کے بعد فاضل خیرآبادی نے فرمایا کہ طلبا کا وقت بہت عزیز ہے، ہرج نہ فرمائیے، قاضی مبارک کا درس ہونے لگا، خیرآبادی مولوی صاحب سنتے رہے، ختم ہونے پر طلبا سے کہا کہ تمھارے استاد کی تقریر ایسی ہے کہ اعتراض خود بخود دفع ہوتے جاتے ہین، جب کوئی معرکے کا مسئلہ آنے والا ہوتا تو طلبا سے فرمادیتے کہ مطالعہ اہتمام سے کرنا کل فلان مشکل مسئلے پر گفتگو ہوگی، دوسرے روز تقریر یہ ہوتی تو خود انکا مشکل مین پڑجاتا، مسئلے کی صاف واضح صورت ذہن مین آجاتی، ایسے موقعے پر دوسرے اساتذہ کی تقریرین بھی بیان فرماتے مگر ان پر جرح قدح نہ فرماتے، طلبا کو خود اندازہ ہوجاتا کہ کون سی تقریر کس پایے کی ہے، قاضی سعد الدین مرحوم نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ ان کے درس کے زمانے مین صحیح بخاری کا نسخہ کھلا ہوا سیدھے ہاتھ مین پڑھانے کے پورے وقت تک رہتا، یہ وقت گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے سے کم نہ ہوتا،

حالت درس مین بھی شکستگی اور تواضع کا جلوہ نظر آتا،

درس کی خصوصیت یہ تھی کہ تمام علوم یکسان قوت سے پڑھاتے تھے، ریاضی کے درس کا تفوق مسلم تھا، مطالعے سے ہیئت جدید کے مسائل پر بھی پورا عبور حاصل فرمالیا تھا، متعدد نقشے سیارون کی تقویم کے (جدید نظام

کے مطابق) یاد داشتوں مین موجود ہین، فرماتے تھے قدرت کی وسعت جدید علم ہیئت مین پائی جاتی ہے، قدیم ہیئت نے تو تمام کائنات کو نو دس کرون مین بند کر دیا ہے،

بڑی اور چھوٹی کتابین ایک ہی توجہ سے پڑھائی جاتین، ایک بار لڑکپن مین اپنے عم محترم مولوی عبدالشکور خانصاحب مرحوم کے ساتھ مین ایک بار چند روز علی گڈھ رہا تھا، ہر سبق کے لحاظ سے ممدوح نے فرمایش کی کہ کوئی طالب علم سبق پڑھانے پر مقرر کر دیئے جائین، زہے قسمت کہ حضرت نے خود تکلیف فرمائی، بعد مغرب تشریف لاکر سبق پڑھا دیتے، اس وقت مین بدیع المیزان پڑھتا تھا، پہلے روز دیباچہ پڑھوا کر سنا، مین نے مولف کی نسبت تلنبی، تلنبی بروزن زینبی پڑھی، فرمایا "تلنب بروزن سرنگ، نسبت اسکی طرف تلنبی"، اس واقعہ کو نصف صدی سے زیادہ زمانہ گذر چکا، اس لفظ کے ادا فرمانے کی آواز آج گویا کانون مین گونج رہی ہے اور لفظ تلنبی کو دونون لب ملاکر ادا فرمانا گویا اس وقت آنکھین دیکھتی ہین، یہ تھا سمجھانے کا دل نشین انداز، رحمہ اللہ تعالیٰ،

درس کی ہر فنی قوت کا اندازہ ذیل کے دو واقعون سے کرو، یہ دونون واقعے مولوی سید عبداللطیف صاحب میرے ہمدرس نے بیان کئے ہین،

ایک مولوی سید محمد علی صاحب مرحوم کانپوری کی زبانی، مولوی صاحب صحاح ستہ کا دور علی گڈھ مین ختم کرکے سہارنپور مولوی احمد علی صاحب مرحوم سے حدیث پڑھنے گئے تھے، چنانچہ دورہ ختم کرکے سند حاصل کی، فرماتے تھے کہ سہارنپور مین رجال اور اسانید کی تحقیق علیگڈھ سے زائد تھی، مگر کتاب اور حدیث کا مطلب اتنا ہی تھا جتنا علی گڑھ مین تھا،

دوسرا واقعہ خود ان کے والد کی زبانی، موصوف نے علی گڑھ مین ادب عربی دوسرے فنون کے ساتھ پڑھا تھا، یہان سے جاکر لاہور مین مولوی فیض الحسن صاحب مرحوم ادیب نامور سے پڑھا، بعد فراغ کہا کرتے تھے کہ لاہور مین ایام عرب وغیرہ کا بیان بیشک بیش تھا، لیکن اشعار کا مطلب علیگڈھ کے درس سے زیادہ نہ تھا، انتہی، مولوی صاحب کو ملا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمہ اللہ کی کتابدانی اور حل مطالب کا اعتراف تھا،

تکفیر سے احتراز | مولوی صاحب کا مشرب بہت وسیع تھا کبھی کسی کی تکفیر سے تکلم اگر نہیں فرمایا، نہ کبھی مسائل اختلافی کے مباحث میں حصہ لیا، حیدرآباد سے ایک خط میں فرزند دلبند کو لکھتے ہیں کہ حلت ذراع کے مسئلے میں مخالف اور موافق دونوں فریق مجھکو لکھ رہے ہیں اور میری رائے کے جویا ہیں، مگر میں اس اختلافی مسئلے پر کچھ نہ لکھونگا، اسی وسعت مشرب کا ظہور ندوۃ العلما کے قیام و ترقی میں ہوا،

تصنیف | کبھی کوئی تصنیف نہیں کی، تمام وقت اور قوت علمی پڑھانے میں صرف فرمادی،

فارسی شعر کہتے تھے، زیادہ تر تاریخیں بعض منظوم خط شاگردوں کے نام محفوظ ہیں، کلام صاف حشو و زوائد سے پاک ہے، ایک نعتیہ شعر سن لو ؎

مرا بسوے خود اے فخر انبیا برکش | کہ برتری ز سلیمان و کمترم از مور

جملہ معترضہ، انگریزی اس قدر جانتے تھے کہ بوقت ضرورت تار وغیرہ پڑھ لیتے تھے، مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم جس زمانے میں کانپور میں مدرس تھے ایک سال وبائی ہیضہ وہاں پھیلا، موصوف نے ایک تار اسی اثنا میں اپنے والد بزرگوار کے نام کسی ضرورت سے بھیجا، مولوی صاحب تار پاکر قدرۃً گھبرا گئے، مضطربانہ ایک بابو کے پاس جاکر پڑھوایا، اسی روز ارادہ کیا کہ انگریزی اتنی حاصل کرلینی چاہئے کہ ایسی ضرورتوں میں محتاج نہ رہے، چنانچہ بطور خود مطالعہ کرکے استعداد حاصل فرمالی،

ندوۃ العلما کی صدارت | ندوۃ العلما جیسی ہمہ گیر مجلس کی صدارت کے لیے ایسا ہی مقبول عام صدر نشین زیبا تھا جیسے کہ مفتی صاحب تھے، اس مجلس کی بنیاد مدرسہ فیض عام کانپور کی دستار بندی کے جلسوں میں پڑی تھی، اوپر پڑھ چکے ہو کہ یہ مدرسہ سات برس مفتی صاحب کے درس سے فیضیاب رہا تھا،

شوال ۱۳۱۱ھ میں پہلا اجلاس ہوا، یہ اجلاس اپنی شان اور اجتماع میں خود اپنی نظیر تھا، ایک شان یہ بھی تھی کہ ہر فرقے کے صنادید علما شریک جلسہ تھے، علمائے حنفی کے علاوہ اہل حدیث میں سے مولوی ابراہیم آروی، مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی، شیعہ مجتہدین میں مولوی غلام انحسنین صاحب کنتوری شریک جلسہ تھے،

یہ مشاہدہ تھا کہ تمام علما بلا تخصیص فرقہ صدر نشین کی تعظیم و توقیر مین یکسان سرگرم تھے، کرسی صدارت حضرت کے جمال و کمال دونون پر نازان تھی، تحریک صدارت مولوی عبداللہ صاحب ناظم دینیات محمڈن کالج علی گڈھ نے کی، تائید ثانی شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی نے کی، تقریر تائیدی مین یہ الفاظ بھی تھے "... مولنا محمد لطف اللہ صاحب کو چونکہ خداوند تعالیٰ نے بسبب عمر و علم کے بزرگی بخشی ہے اور ان کے نام سے خود لطف اللہ مترشح ہے، لہذا ہمارے واسطے ایسے بزرگ کا میر مجلس ہونا باعث خیر و برکات اور لطف اللہ ہوگا" مولوی شبلی صاحب بھی موید ین مین تھے، اس موقع پر جو رسالہ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے پیش کیا تھا اس مین مفتی عنایت احمد صاحب، مولوی لطف اللہ صاحب اور مولوی احمد حسن صاحب کی بڑی شاندار الفاظ مین مدح و ثنا کی تھی،

اس جلسے مین ایک واقعہ قابل بیان پیش آیا، سہ پہر کے اجلاس مین جب مفتی صاحب داخل ہوئے تو دیکھا کہ عام شرکا، کی صف مین دو یورپین بھی بیٹھے ہین، دریافت سے معلوم ہوا کہ پادری ہین، مولوی صاحب نے علما کی نشستگاہ پر پہنچکر فرمایا کہ چونکہ یہ دونون بھی اپنے مذہب کے عالم ہین لہذا اس نشستگاہ پر بیٹھنے کی اجازت دیجائے، چنانچہ سب نے منظور فرمایا اور دونون صاحب اوپر آکر بیٹھ گئے،

دوسرے سال اجلاس لکھنؤ مین شرکت سے معذوری رہی، تیسرے برس بریلی کے اجلاس کی صدارت فرمائی، یہ اجلاس بھی اپنی شان مین یادگار تھا، مخالفت کا دور یہین سے شروع ہوا، ان اجلاسون مین خطبۂ صدارت کا فقدان برابر محسوس کیا گیا،

اولاد مفتی صاحب کی شادی جلیسر مین سید رونق علی صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، اس طرح صاحبزادون کی والدہ اور دادی دونون سیدہ تھین،

اولاد مین چھ لڑکے تھے، لڑکیان علاوہ، لڑکون مین محمد کرامت اللہ کا اوائل عمر مین انتقال ہوگیا تھا، سب مین بڑے مولوی عبدالقادر مرحوم تھے، اٹھارہ برس کی عمر مین درس نظامی سے فارغ ہوئے، مولوی عبدالغنی خانصاحب اور اپنے والد ماجد کے شاگرد تھے، حضرت مولنا فضل رحمن مجددی قدس سرہ سے

بیعت تھی، مولوی عبدالحئی صاحب مرحوم فرنگی محلی سے مباحث علمی پر مراسلت رہتی، مدرسۂ فیض عام کانپور مین صدر مدرس رہے، علم رمل سے خوب واقف تھے، ۲۸ برس کی عمر مین دق کے مرض سے ۱۸۸۳ء مین وفات پائی فارسی شعر کہتے تھے، ایک شعر سن لو ؎

دلِ من شاد گردیدن نداند مگر این غنچہ خندیدن نداند

منجھلے مولوی عنایت اللہ صاحب، حکیم و حافظ تھے، اپنے بڑے بھائی اور والد ماجد کے شاگرد طب سے خداداد مناسبت تھی، علاج خوب کرتے تھے، جامع مسجد مین اپنے والد کی جگہ تقرر حیدرآباد کے زمانے مین کئی سال صدر مدرس رہے، وہان سے بھوپال جاکر اول رکن مجلس علما، اس کے بعد مفتی مقرر ہوئے، وہین ۱۹۳۰ء مین انتقال کیا، سرکار عالیہ سلطان جہان بیگم صاحبہ کے ہمراہ حج و زیارت سے مشرف ہوئے تھے، وہان کے علما سے کلام اللہ، حدیث، قصیدہ بردہ، دلائل الخیرات وغیرہ کی سندین لائے تھے،

تیسرے مولوی امانت اللہ صاحب، فارغ التحصیل ہوے، والد اور منجھلے بھائی کے شاگرد تھے، مین انکا ہم سبق رہا، حیدرآباد مفتی صاحب کے ساتھ گئے اور فارغ التحصیل ہوکر لوٹے، منجھلے بھائی کے بھوپال جانے پر جامع مسجد مین صدر مدرس مقرر ہوئے، برسون پورے انہماک اور اہتمام کے ساتھ جملہ علوم کا درس دیا، خاندانی فن ریاضی مین امتیاز تھا، بہت خاموش اور باوضع تھے، پورے مدرس تھے، سوائے پڑھانے کے کوئی مشغلہ محبوب نہ تھا، باسٹھ برس کی عمر کا سرمایہ دو لفظ مین، پڑھا اور پڑھایا، اپریل ۱۹۳۱ء مین انتقال کیا، غفرلہم،

چوتھے مولوی سلامت اللہ، عربی کے ساتھ انگریزی بھی پڑھی، درسی کتابین ختم نہ کرسکے، جج سے مشرف ہوئے، عدم فراغ کی تلافی یہ ہے کہ نور نظر مولوی حفیظ اللہ جامع مسجد مین مسند تدریس پر بعد فراغ متمکن ہین، ریاضی مین ترقی کر رہے ہین،

سب سے چھوٹے عبدالحمید، انگریزی فارسی پڑھی، آخر الذکر دونون صاحبزادے بقید حیات ہین سلمہما اللہ تعالیٰ، مفتی صاحب کی دستار کمال مین ایک طرۂ امتیاز یہ بھی ہے کہ پانچ صاحبزادون مین سے تین صاحب

تدریس ہوئے، ایک پوتے،

اولاد سے مفتی صاحب کو معمول سے زیادہ محبت تھی، اُن کی تھوڑی سی تکلیف بھی نہ دیکھ سکتے تھے قضائے الٰہی کئی لخت جگر آنکھوں کے سامنے پیوند خاک ہوگئے، سب سے زیادہ صدمہ مولوی عبدالقادر صاحب کی وفات کا تھا، اور بجا تھا،

تلامذہ جو درس چونتیس برس مسلسل اور متفرق طور پر ستر برس جاری رہا اس کے فیضیاب تلامذہ کا استقرار کون کرسکتا ہے، خصوصاً جبکہ شمار اور ضبط کی کبھی پروا بھی نہ کی گئی ہو، دریا مصروفِ موّاجی رہا، امواج کی شمار کون کرتا،

حضرت کے شاگرد مولوی احمدالدین مدرس مدرسۂ دانپور (باشندۂ سرحد) نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ ایک موقع پر ان کے وطن میں اہل علم کا مجمع تھا، مفتی صاحب کے فضل و کمال کا ذکر ہونے لگا، اسی ضمن میں شاگردوں کی کثرت کا مذکور ہوا، سلسلۂ کلام میں سرحد کے ایک خاص وسیع قطعے کے شاگرد شمار کئے گئے، معلوم ہوا کہ شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد ڈھائی سو کی تعداد میں مصروفِ تدریس تھے، میں اس بیان کو کذب پر محمول نہیں کرتا، تم کو اختیار ہے کہ مبالغہ مان کر اپنی ہمت کے مطابق تعداد کم کردو، کتنا ہی گھٹاؤ جو تعداد رہیگی کثیر ہی رہیگی

خود مفتی صاحب اور صاحبزادوں کی تحریر سے تلامذہ کے جو نام معلوم ہوسکے درج ذیل ہیں، بعض نام میں نے اپنی یاد سے بھی بڑھائے ہیں،

دیکھوگے کہ شاگردوں میں بہت سے علما ایسے ہیں کہ ان کے تذکرے لکھے جائیں تو علم میں اضافہ ہو،

صاحبزادگانِ گرامی قدر، مولوی عبدالقادر[1] صاحب، مولوی عنایت اللہ[2] صاحب، مولوی امانت اللہ[3] صاحب، مولوی محمد علی[4] صاحب کانپوری، مولوی عبدالغنی[5] خانصاحب منور رشید آبادی، مولوی احمد حسن[6] صاحب کانپوری، مفتی عبداللہ[7] صاحب ٹونکی، مولوی سید محمد اسحاق[8] صاحب پٹیالوی، مولوی عبدالحق[9] صاحب حقانی دہلوی، مولوی عبدالحق[10] صاحب فتحپوری، مولوی وحیدالزمان[11] خان وقار نواز جنگ، مولوی محمد اسحاق[12] صاحب اسرائیلی، مولوی محمد یعقوب[13] صاحب اسرائیلی، حکیم محمد یوسف[14] اسرائیلی، مولوی سید ظہورالاسلام[15] فتحپوری، مولوی الٰہی بخش[16] پنجابی،

مولوی[۱۷] عبدالقدوس پنجابی، مولوی[۱۸] فضل احمد افغانی، (ریاضی مین ماہر وقت) مولوی[۱۹] آل حسن مرادآبادی، مولوی[۲۰] بشیر احمد صاحب علی گڑھی، اب بھی استاد کرم کے مدرسے مین سرگرم تدریس ہین، سلمہ اللہ تعالیٰ، مولوی[۲۱] فضل حق صاحب رامپوری صدر مدرس مدرسہ عالیہ رامپور، حکیم[۲۲] عبدالقادر خان شاہجہانپوری افسر الاطباء ریاست بھوپال، مولوی[۲۳] قمرالدین اجمیری مدیر رسالہ مآل التہذیب، مولوی[۲۴] نادرالدین، مولوی[۲۵] شمس الدین پنجابی، مولوی[۲۶] راغب اللہ پانی پتی، مولوی[۲۷] محمد اسحاق صاحب سنبھلی، مولوی[۲۸] ہدایت اللہ جلیسری، مولوی[۲۹] عنایت اللہ پنجابی، مولوی[۳۰] دوست محمد خان ساکن سکندرہ راؤ، مولوی[۳۱] محمد ہاشم سنبھلی (میرے ہمدرس) مولوی سید[۳۲] عبداللطیف صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ (میرے ہمدرس) مولوی[۳۳] نور محمد پنجابی مدرس مدرسہ فتحپور ہنسوہ، عجب صاحبدل ہستی تھی، مولوی[۳۴] الہ داد خان بنگالی، مولوی[۳۵] احسان علی بنگالی، مولوی[۳۶] حافظ گوہرالدین، مولوی[۳۷] عبدالفتاح، مولوی[۳۸] حافظ محمد فائق، مولوی[۳۹] ماجد علی مدرس مشہور، مولوی[۴۰] عبدالرزاق بنگالی، مولوی[۴۱] ملا مرید پنجابی، مولوی[۴۲] محمد عثمان وزیری، مدرس بھوپال، مولوی[۴۳] محب اللہ صاحب ولایتی خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، مولوی[۴۴] پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین گولڑہ ضلع راولپنڈی، ایک عالم خود ان سے فیض یاب ہے، مولوی[۴۵] امان اللہ کشمیری، قاضی[۴۶] سعدالدین کشمیری مولوی[۴۷] ابوسعید، مولوی[۴۸] عبداللہ پنجابی، مولوی[۴۹] شرف الدین، مولوی[۵۰] نور محمد سندھی، مولوی[۵۱] عبداللہ قائم گجراتی، مولوی[۵۲] عبدالعزیز مدراسی، مولوی[۵۳] عبدالصمد بنگالی استاد کے شیدائیون مین تھے، قاضی[۵۴] سراج احمد گجراتی، مولوی[۵۵] محمد علی انبیٹھوی، مولوی[۵۶] سبز علی ولایتی، مولوی[۵۷] سیف الرحمن ولایتی صدر مدرس مدرسۂ فتحپوری وغیرہ، مولوی[۵۸] پردل خان ولایتی، مولوی[۵۹] اخلاق احمد سہسوانی، مولوی[۶۰] حافظ محمد صدیق پوربی، مولوی[۶۱] لطف الرحمن، برودانی، ریاست بھوپال مین تعلیم کے ڈائرکٹر رہے، مولوی[۶۲] پیر محمد ولایتی، مدرسہ جامع مسجد کول مین مدرس رہے، مولوی[۶۳] گل محمد ولایتی مدرس الفیہ مولوی[۶۴] حافظ کعب ظہیر، مولوی[۶۵] عبداللہ کاشغری، مولوی[۶۶] شیر محمد ولایتی، مولوی[۶۷] احمدالدین ولایتی، مولوی[۶۸] میر عبداللہ ولایتی، مولوی[۶۹] خداداد بنگالی، مولوی[۷۰] خواجہ محمد یوسف وکیل مشہور، مولوی[۷۱] خواجہ محمد اسمٰعیل وکیل، مولوی[۷۲] رفیع الدین وکیل، حکیم[۷۳] رفیع الدین، حکیم[۷۴] شیخ محمد یوسف علی، مولوی[۷۵] قاری کرم الٰہی، فارسی و تجوید کے استاد تھے، مولوی[۷۶] بدرالدین

مدرس مسلم یونیورسٹی، مولوی یونس خان رئیس تاؤلی، مولوی صدیق حسین مدرس مدرسہ جامع مسجد (میرے ہمدرس) مولوی اظہر حسین بہاری حیدرآبادی (میرے ہمدرس اور مولوی شرف الدین استاد حضور نظام مرحوم کے فرزند) ننگ تلامذہ راقم شروانی،

اس درس کی ایک سعادت یہ بھی تھی، کہ اکثر تلامذہ درس نظامی سے فارغ ہوکر گنج مرادآباد مین حضرت مولانا فضل رحمن مجددی قدس سرہ سے شرف بیعت حاصل کرتے، مثلاً سابقون اولون مین مولوی سید محمد علی صاحب کانپوری، مولوی عبدالغنی خانصاحب، مولوی عبدالحق صاحب حقانی، مولوی احمد حسن صاحب (مرید حضرت حاجی صاحب کے تھے، مگر پیر کی اجازت سے حاضر باش آستانہ مبارک رہے) متوسطین مین مولوی سید ظہور الاسلام صاحب، مولوی نور محمد صاحب پنجابی، متاخرین مین مولوی سید عبداللطیف صاحب، خاکسار راقم،

حضرت پیر مرشد کو بھی مفتی صاحب کے حال پر توجہ تھی، ایک بار کی حاضری مین مجھ سے فرمایا کہ مولوی لطف اللہ کو جانتے ہو، عرض کیا، جانتا ہون، فرمایا خدمت کرتے ہو، عرض کی بزرگ خدمت کرتے ہین، دیکھو اس استقسا کی برکت، مفتی صاحب کی آخری حیات مین خاکسار کو بھی خدمت کا شرف حاصل ہوتا رہا، والحمد للہ علیٰ ذلک،

صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ فہرست اپنی کوتاہ دامنی پر شرمسار ہے،

خاتمہ و حاصل کلام | ایک مدرس اعظم کا مرقع سامنے ہے، جس سے تم بہت سے سبق حاصل کر سکتے ہو،

سیر الصحابہؓ

جلد ششم

اس مین امیر معاویہؓ، حضرت امام حسنؓ، امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے حالات، سوانح، اخلاق و فضائل اور اُن کے سیاسی مجاہدات و کارنامون اور اختلافات کی پوری تاریخ ہے،

ضخامت ۳۰۶ صفحے، قیمت:- ۱۴ر

"منیجر"

فلسفۂ فقرار

از

جناب ڈاکٹر نواب سرامین جنگ بہادر کے سی آئی، ای سی ایس، آئی، ایم اے ال ال ڈی حیدرآباد دکن

(۳)

۸- حادثات جسم و جان،

۱- جسطرح زمان و مکان کا اتحاد اوپر بتایا گیا ہے، اوسی طرح اہل تصوف جسم و جان کا اتحاد بتاتے ہین کہ جسم کا اندازہ یا اوسکی پیمایش جان سے ہوتی ہے، مثلاً اگر کسی جانور کو کوئی چوٹ لگے، تو اوس کے درد یعنی اوسکی جان کو صدمہ کسقدر پہنچی، اوس کا اندازہ جسم پر جو زخم ہو اوس کے طول و عرض اور گہرائی سے کیا جاتا ہی، کہ زخم جب اتنا ہے، تو درد کسقدر ہوگا، پس زمان و مکان کے مانند جسم و جان بھی توام ہین، ایک دوسرے سے جدا نہین ہین اور نہین ہو سکتے، جہان جسم ہی وہان جان ہے جہان جان ہی وہان جسم ہی، بلکہ یون سمجھا جائے، کہ ہر ظاہر یا شئی کے دو پہلو جیسے زمان و مکان ہین، ویسے ہی اوس کے دوسرے دو پہلو جسم و جان ہین، حتی کہ بعض ویدانتیون کا خیال ہے کہ مکان جسم کی نشانی ہے اور زمان جان کی، اونھون نے ایک طرف مکان و جسم کو مترادف سمجھ کر دوسرے طرف زمان و جان کو بھی مترادف سمجھا ہی،

۲- بجلی کیا چیز ہے معلوم نہین جو گرمی یا روشنی یا قوت کے طور پر ظاہر ہوتی ہی، ایسا ہی جان کیا چیز ہے معلوم نہین لیکن اوس کا ظہور تین چار بلکہ متعدد مدارج یا حالتون[1] مین ہوتا ہے، جیو، جان، روح، نفس وغیرہ تو عموماً ایک ہین اگرچہ درجہ یا حالت ہر ایک کی جدا گانہ ہی اور یہ فرض کر لینے کیلئے کوئی امر مانع نہین ہے، جیو جان، روح اور نفس مین باہمی فرق اسی قدر ہے، جسقدر کہ جثہ، جسم، جسد، بدن مین کیا جا سکتا ہے، مثلاً فرض کر لیا جا سکتا ہی، کہ درخت مین جیو ہے، کیڑے مین جان ہے، اور گھوڑے مین روح ہی، اور آدمی مین نفس ہے، (یہان معمولی الفاظ فرضی معنون مین استعمال کئے گئے ہین)

---

[1] الفاظ "درجہ" و "حالت" دراصل مترادف ہین، انسان کے جسم کی ایک حالت بخار ہی، اوس کا درجہ (۱۰۱) کہا جاتا ہی، جبکہ تھرمامیٹر سے ناپا جاتا ہی، درجہ سے مراد "پیمودہ حالت" ہی،

کیڑے کے جسم و جان مین جو مغائرت یا مماثلت، غیریت یا یکتائی، پائی جاسکتی ہے، ویسی ہی گھوڑے کے جسد و روح مین اور آدمی کے بدن و نفس مین ہے، اس مفروضہ کے اکثر صوفی اس وجہ سے قائل ہین کہ (صوفیانہ تحقیقات مین جس کا بیان متعاقب ہوگا) جان کے اقسام نہین پائے جاتے، فقط مدارج یا مختلف حالات ہین لیکن جسم کے (مکان و زمان کے احساس کی وجہ سے) اقسام بھی ہین، اور مدارج بھی ہین، یہ مفروضہ اس تاویل کے واسطے ہے کہ قالب بلا روح کوئی شے نہین ہوا اور نہین ہوسکتا اور علیٰ ہذا القیاس روح بلا قالب کوئی ظاہرہ نہین ہے، اشخاص جو کہتے ہین، کہ ہم نے زید کی روح دیکھی یا ہندہ کی روح سے بات کی، وہ (اگر سچ کہتے ہین تو) زید یا ہندہ کا نام لے کر اعتراف کرتے ہین، کہ اوس کی روح کسی نہ کسی قالب مین اون کو محسوس ہوئی،

۴- اکثر صوفیون کی رائے مین کوئی جسم بے جان نہین ہے نہ کوئی جان بے جسم ہے، ہر جسم جاندار ہے اور ہر جان جسم دار ہے، پتھر یا لوہا پودہ یا درخت پرندہ یا چوپایہ، حیوان یا انسان جن یا ملک، سب کے سب ذی روح بھی ہین، اور ذی جسم بھی، جان یا روح سب مین ایک ہی قسم کی ہے، فقط حالت یا درجہ کا فرق ہے، جیسے گرمی ایک ہی قسم کی تمام اجسام مین ہے، لیکن درجہ کا فرق رہتا ہے، جس طرح گرمی کے درجہ کا اندازہ تھرمامیٹر سے ہوتا ہے، ویسا ہی جان یا روح کے درجہ کا اندازہ اوس کے متعلقہ جسم سے ہوتا ہے، جو ہم کو محسوس ہوتا ہے، پس جان جس درجہ کی پتھر مین پائی جاتی ہے، اوس سے بڑھ کر درخت مین ہے، جس کا نام (محض امتیاز کے واسطے) ہم نے جیور رکھا ہے، اوس سے بڑھ کر درجہ کی جان پرندہ و حیوان مین ہے، جسکو ہم نے روح سے موسوم کیا ہے، اوس سے بڑے درجہ کی جان جسکو ہم نفس کہتے ہین انسان مین ہے، یقیناً کہا نہین جاسکتا کہ جن و ملک کی روح یا نفس کا درجہ انسان کی روح یا نفس کے درجہ سے بڑھ کر ہے یا کم، کیونکہ اکثر انسان کو اس کا احساس یا ادراک نہین ہے، کہ جن یا ملک کا کوئی جسم ہے یا کیا، جیسا ہم پتھر درخت پرندوغیرہ کے جسم کو دیکھ کر اون کی جان کے درجہ کا اندازہ سرسری طور سے کرلیتے ہین، ویسا سرسری طور سے بھی اکثر بلکہ بہت سے انسانون کو جن یا ملائکہ کے جسم کو دیکھکر اندازہ کرنے کا موقع نہین ملتا ہے، مگر اس کے یہ معنی نہین ہوسکتے کہ (الف) جن و ملک موجود نہین، یا (ب) اگر موجود بھی ہین، تو وہ روح خالص ہین جسم نہین رکھتے ہین یا (ج) اگر اون کا کوئی جسم ہے

تو انسان کو نظر نہین آتا، اکثر صوفیون کا ادعا یہ ہے، کہ جن و ملک موجود ہین، انسان کے احساسات و ادراکات کے باہر ہین ہین، معدودے چند انسانون کو وہ نظر آتے ہین، اور اون سے وہ راہ و رسم بھی رکھتے ہین،

۴- جن و ملک کا اکثر انسانون کو نظر نہ آنا، اون کی عدم موجودگی کی یا اون کا کوئی جسم یا قالب نہ ہونیکی کوئی دلیل نہین ہے، ڈینوسارس ایک عجیب و غریب شکل کا مہیب جانور ہزارہا من وزنی دلدلی پانی مین رہنے والا زمین پر انڈے دینے والا اب کہین بھی نہین پایا جاتا ہی، لیکن اس وجہ سے یہ نہین کہا جا سکتا کہ وہ لاکھون سال قبل روئے زمین پر کہین بھی نہین تھا، کیونکہ اوس کا کالبد اور اوس کے انڈے آثار قدیمہ ڈھونڈنے والون کو ملے ہین جن سے بلاشبہہ ظاہر ہوتا ہی کہ ڈینوسارس کی بود و باش ہماری اسی زمین پر قدیم القدیم زمانہ مین تھی، ایسا ہی جن و ملک کو ڈھونڈنے والے انسان جو اس زمانہ مین بھی ہین (اگرچہ نسبتہً بہ تعداد بہت کم ہین) اونکو جن و ملک کے کچھ ایسے آثار ملے ہین اور ملتے ہین جن سے ظاہر ہوتا ہی کہ جن و ملک موجود ہین اور ایسے قالب رکھتے ہین جن سے پایا جاتا ہی کہ اونکی روح کا درجہ انسان کی روح یا نفس کے درجہ سے اعلیٰ و ارفع ہے، کثیر التعداد انسان ہین جنکو کسی جن یا کسی ملک کے جسم و جان کا کوئی احساس[2] و ادراک ہی نہین ہو سکتا، اس کے یہ معنی نہین ہو سکتے کہ جن و ملک اس وقت موجود نہین اور نہ کسی وقت موجود تھے، بلکہ یہ معنی ہین کہ بہت سے انسانون کے حواس کا ارتقا اس قدر کامل نہین ہوا ہے اور نہ ان مین ایک خاص ادراک ایسا پیدا ہوا ہے جس سے وہ اُن ہستیون کی موجودگی سے ویسے ہی واقف اور باخبر ہو سکتے ہین، جیسے وہ حواس خمسہ اور دیگر حواس سے ذرہ سے لیکر انسان تک کی ہستیون کے وجود سے واقف اور باخبر ہوتے ہین،

۵- چند ماہ قبل حیدرآباد مین ایک نمایش ہوئی تھی، جہان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ اور دوسرے امرا و عمائدین کے سامنے ایک شخص معمر نے سال نے اپنی آنکھون کو آٹے کی ٹکیون سے بند کرکے اون پر سیاہ پٹی مضبوط بندھوا کر اپنے سامنے کے ایک سیاہ تختہ پر چاک (CHALK) سے لکھی ہوئی عبارت کو اس طرح صحیح طور سے پڑھا

---

[1] یہان "شیطان" کا نام تک نہین لیا گیا، کیونکہ وہ بد باطن جانور بھی ہو سکتا ہے، انسان بھی اور جن بھی، تمام مخلوق مین شیطان رجیم ہے

[2] "حس" و "ادراک" مین فرق یہ ہے کہ حس کوئی چیز کا ہوتا ہے، اور ادراک ہر چیز کے ایک جزو (یا پہلو) سے دوسرے جزو (یا پہلو) مین فرق پانے کا ہوتا ہے،

گویا اپنی کھلی آنکھون سے دیکھ کر پڑھتا تھا، اگر کسی زبان مین جسکو وہ نہین جانتا تھا کوئی عبارت لکھی جاتی تو اسکو اگرچہ وہ پڑھ نہین سکتا تھا لیکن اوس عبارت کے نیچے بالکل ویسی ہی عبارت اپنے ہاتھ مین چاک لیکر لکھدیتا تھا، گویا آنکھ سے دیکھ کر اوس نے عبارت نقل کی، چنانچہ اس نے چینی زبان مین لکھی ہوئی عبارت آنکھین بند رہتے پر بھی صحیح طور سے نیچے لکھ دی، اس کے کیا معنی؟ یہی کہ اوس کے دوسرے حواس یا اون مین سے کوئی دو ایک حواس اوسکو آنکھون کی بصارت کا کام دیتے تھے، غالبًا اوس کے کان تختہ پر لکھنے کی آواز کے ایسے مانوس ہوگئے تھے، کہ وہ آنکھون سے دیکھ کر پڑھنے کے عوض فقط کان سے سنکر پڑھتا تھا، اکثر گونگے بہرے اشخاص اپنی آنکھون سے دوسرون کی باتین ایسی سمجھ لیتے ہین گویا اونھون نے خود اپنے کانون سے سنکر سمجھا، بہت سے نابینا اشخاص کپڑون کو چھوکر اونکا رنگ صحیح طور سے بتا دیتے ہین، امریکہ والی گونگی وبہری لڑکی مس ہیلن کیلر جو بچپن مین اندھی بھی ہوگئی، اوسکو ٹیلیفون کے موجد پروفیسر بیل نے ایسی تعلیم دی، کہ اب وہ چند قابل قدر کتب کی مصنفہ ہوا اور اوسکو گلاسگو یونیورسٹی نے اعزازی ڈگری دی ہے، یہ عورت اپنے دوستون کے منہ کے نزدیک اپنے ہاتھ لیجاکر یا اون کے حلق پر ہاتھ رکھکر اون کی باتین سمجھ لیتی ہے، حالانکہ وہ اون کو نہ دیکھ سکتی ہے، نہ اون کی باتین سُن سکتی ہے لیکن جرمن فرنچ و انگریزی مین بات کرنا سیکھ گئی ہے سب کچھ لکھ دیتی ہے، دہلی مین ایک معزز معمر حکیم ہین جن کی بصارت ایام طفلی مین ہی ضائع ہوگئی، اونھون نے نابینائی کی حالت مین علوم متداولہ کی تحصیل کی (حافظ و محدث ہین) اور طبابت ایسی سیکھی کہ ان دنون ہند مین اون کے جیسے طبیب بہت کم ہین، وہ اپنے مریضون کے نام اون کی نبض پر ہاتھ رکھکر بتا دے سکتے ہین، اور محض نبض سے ایسی تشخیص کرتے ہین کہ صد ہا دیدہ وران حیران بمانند،

ان تمام تجربون سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ یہی کہ ایک حاسہ کا کام دوسرا حاسہ دے دیتا ہے، یا ایک سے زیادہ حاسون کا کام دوسرے حواس سے لیا ممکن ہے، مثلاً بینائی کا کام شنوائی کرتی ہے، اور شنوائی کا کام بینائی، ہمارے حواس مین تو ایک یا دو ایسی ترقی کرسکتے ہین، کہ دوسرے حواس کا کام خود وہ کرسکتے ہین، ارتقا کے نظریہ کے ثبوتون مین ایک ثبوت یہ بھی ہے، کہ ہمارے چار حواس ذائقہ، شامہ، سامعہ و باصرہ فقط ایک حاسہ لامسہ سے ارتقا پائے ہین یعنی چکھنا، سونگھنا، سننا، اور نیز دیکھنا یہی ہے، کہ چند خاص اشیاء سے جسم کا ایک خاص حصہ (عضو) چھوے جاتا ہے اور کچھ نہین ذائقہ مین تو کھانے کی چیز

ہماری جیب کو چھوتی ہے، سونگھنے کے لئے اشیاء کی عطریت ناک کے اندر کی جھلی کو چھوتی ہے، سننے کے لئے ہمارے کان کے اندر کی ایک دف پر ہوا کی چوٹ لگتی ہے، دیکھنے کے لئے روشنی کی شعاعیں آنکھ کے اندر کی ایک لطیف جھلی کو چھوتی ہیں، اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ چھونے کا اثر مختلف اشیاء سے جسم کے خاص اعضاء پر جدا گانہ ہوتا ہے، جسکے باعث سماعت وبصارت کے سوا اور کوئی حاسہ بھی انسان میں پیدا ہوسکتا ہے جس سے انسان کو اور بھی ایسی ہستیوں کا احساس ہوسکتا ہے جیسے کہ جن وملک ہیں،

۶۔ دیکھنے سننے سونگھنے چکھنے چھونے کے سوا (تولنے) یعنی کس چیز کا کیا وزن ہی کونسی چیز نرم ہے کونسی سخت اوسکو انسان کے جسم کے وہ عصبہ پا لیتے ہیں جو عام طور سے گوشت کے جاتے ہیں، یہ حواس خمسہ کے سوا ایک چھٹا حاسہ ہے، جو عضلی حاسہ کہلاتا ہے، اس کے علاوہ آنکھیں جو دیکھنے کی عضو ہیں، نہ صرف روشنی ورنگ کی تمیز کرتی ہیں، بلکہ شکل و حرکت کا امتیاز بھی کان نہ صرف آواز سننے کا آلہ ہے، بلکہ آواز کس طرف سے آتی ہے، اوسکی شناخت کا بھی ذریعہ ہے، ہماری جلد، چمڑے میں نہ صرف چھونے کا حاسہ ہے بلکہ گرمی سردی پانے کی بھی سکت ہی، راقم کو ایک انگریز دوست کے کے ساتھ جنگلوں میں دو ایک ماہ دورہ کرنے کا اتفاق ہوا تھا، اس سے جب پوچھا گیا، کہ اب "وقت کیا ہے" فوراً ہوا سونگھ کر صحیح وقت گھنٹے و منٹ کہدیتا تھا، گویا گھڑی دیکھ کر کہتا ہے، شاذ و نادر ایک دو منٹ کی غلطی ہوجاتی تھی، شب میں جب گہری نیند میں رہتے وقت بھی اوس کو بیدار کرکے وقت دریافت کیا جائے تو چھونے پر پڑے پڑے آنکھیں بند کئے ہوئے بغیر فقط ہوا زور سے ناک میں کھینچ کر صحیح وقت (کبھی کبھی دو ایک منٹ کے فرق سے) بتا دیتا تھا، جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اوسمیں وقت پہچاننے کی غیر معمولی طاقت پیدا ہوگئی تھی، غرض ایسی بہت سی باتیں بیان کیجا سکتی ہیں، جو خوف طوالت یہاں ترک کیجاتی ہیں، لیکن جس قدر کہ بیان ہوئی ہیں، اون سے کیا یہ قیاس صحیح نہ ہوگا، کہ انسان میں ایسے حواس ہیں، یا اوسکے موجودہ حواس ایسی ترقی کرسکتے ہیں، یا اوس میں ایسے جدید حواس پیدا ہوسکتے ہیں، کہ وہ جن وملک کے جسم وجان کو (جن کو بعض اصحاب محض روح یا ارواح کہتے ہیں،) دیکھ سکتے ہیں، سن سکتے ہیں، سونگھ سکتے ہیں، بلکہ چھو بھی سکتے ہیں،؟

۷۔ ہم نے حادثات یا حوادث جسم وجان کی بحث کے ضمن میں حواس ترقی (ارتقاء پائے ہوئے حواس) اور

حواس جدید کا تذکرہ سرسری طور سے اس لئے کر دیا تاکہ چلتے چلتے اشارۃً بتا دیا جائے، کہ اہل تصوف کی اصطلاح میں الہام القاء کشف وغیرہ کے دراصل کیا معنی ہو سکتے ہیں، ؟ کیا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ انسان ریاضت جسمانی و روحانی جدوجہد سے اپنے میں ایسے حواس پیدا کر سکتا ہے، یا اپنے حواس کو ایسی ترقی دے سکتا ہے کہ جن سے وہ اون حوادث جسم و جان کو جن "جن" و "ملک" کے کئے جاتے ہیں، دیکھ سکے، اور اون سے باتیں کر سکے، مغربی صوفیا جنکو ناسٹکس Gnostics کہتے ہیں وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جن و ملک کے سوا دوسری ہستیاں بھی کسی نہ کسی طور پر اون کے فہم و ادراک میں آسکتی ہیں،

۹ تناسبہ،

۱۔ حکمائے سلف کے چار یا پانچ عناصر کے عوض اہل سائنس کے پاس بیانوے[1] عناصر محقق ہوئے ہیں، حال تک خیال تھا، کہ اون کی تعداد زیادہ ہے یا ہو سکتی ہے مگر اس سال انگلستان میں ایک ہندو کے متعلم نے ثابت کر دیا، کہ عناصر کی تعداد دنیا سے زیادہ ہونا ممکن نہیں، اون کے (خواص) کے باہمی (تعلق) کا ایک حیرت خیز ضابطہ (Periodic Law) مرتب ہوا، جسمیں ہر ایک عنصر کا نمبر یا شمارہ ہی اوس کے خواص کا اور دیگر عناصر سے تعلق کا پتہ دیتا ہے، ہر عنصر کے ایسے چھوٹے ٹکڑے کو جس سے چھوٹا ٹکڑا ہونا ممکن نہیں، جزو لایتجزی کو ایٹم کہتے ہیں، اندنون اس ایٹم کی تشریح خاص خاص آلات و ترکیبوں سے جو ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ ہر ایٹم بجائے خود ایک نظام ہے، جیسا کہ نظام شمسی Solar System ہے یعنی جس طرح سورج کے اطراف اوس کے سیارے مشتری زہرہ زحل وغیرہ چکر لگاتے پھرتے ہیں، اوسی طرح ہر ایٹم میں ایک (اکہرا دوہرا یا تہرا) پروٹن ہے جو بجائے خود ایک آفتاب ہے، اوس کے اطراف سیارون کے مانند الکٹرون چکر لگاتے پھرتے ہیں پروٹن مثبتہ الکٹریسٹی بجلی کا جوہر ہے، اور الکٹرن منفیہ الکٹریسٹی بجلی کے جوہر ہیں، ہر ایٹم میں پروٹن اکہرا دوہرا تہرا رہتا ہے لیکن اوس کے اطراف پھرنے والے الکٹرن ایک سے زیادہ ہو سکتے ہیں، اون کے پھرنے کے مدار بھی مختلف ہوتے ہیں، چنانچہ ہر ایٹم کی قیاسی شکل ایسی ہوتی ہے:-

---

[1] عبارت کو سلیس بنانے کے واسطے یہاں انگریزی الفاظ الکٹریسٹی ایٹم پروٹن ترجمہ کئے بغیر یوں ہی یکساں دامد و مع استعمال کئے جاتے ہیں،



یلکٹرنون کی تعداد اور اون کے مدارون کا فرق ہی ہے، جس سے ایک عنصر کے آٹم مین اور دوسرے عنصر کے آٹم مین امتیاز اور فرق ہوسکتا ہے، مثلاً سونا چاندی دونون عنصر ہین، اون کے جزو لایتجزی آٹم کے پروٹن مین کوئی فرق (مشتبہ یلکٹریسٹی کے اعتبار سے) نہین ہے، شاید بڑا چھوٹا پروٹن ہو تو ہو البتہ سونے کے آٹم مین یلکٹرن کی تعداد چاندی کے آٹم کی تعداد سے زیادہ ہی، اسی لئے سونا الگ چاندی الگ ہی، آجکل یہ خیال بھی سائنس دانون کا ہی (جیسا کہ سابق کیمیاگر رکھتا تھا) اگر کسی نہ کسی طور سے چاندی کے آٹم مین یلکٹرن کی تعداد بڑھا کر سونے کے آٹم کی تعداد کے موافق کر دیجا سکتی ہے، تو چاندی سونا بن جا سکتی ہی، مگر ابتک ایسا نہ ہو سکا[1]

۲- سائنس کی ترقی کے لئے دنیا کے بڑے بڑے مستند علما و فضلا، کی ایک انجمن موسوم بہ برٹش اسوسی ایشن متواتر سال سے قائم ہے، جسکے سالانہ اجلاسون مین سائنس کے ایسے اصول کا اعلان ہوتا رہا ہے، جو بعد مین بہت سے ایجادات و اختراعات کے باعث ہوئے ہین، سال گذشتہ اوس کے ایک جلسہ مین یہ بحث تھی کہ آیا ہماری دنیا کبھی نیست و نابود ہونیوالی ہے یا کیا ایک مشہور منجم نے ہندسی طور سے ثابت کیا کہ ہماری دنیا (نظام شمسی وغیرہ) ہنوز وسیع ہو رہی ہے، چنانچہ ہر لمحہ ہر سکنڈ مین اوس کی توسیع (۲۲۸) میل ہو رہی ہے، یعنی ہر روز دو کروڑ تر اسی لاکھ میل ہماری دنیا بڑھتی ہے، چوڑی ہوتی جاتی ہے دوسرون نے بیان کیا کہ اگرچہ ہماری دنیا نیست و نابود ہونے والی ہے، مگر کب ہوگی اوس کے سالون کے شمار کے لئے ایک لکھ کراوس کے سیدھے طرف اتنے صفر لگانا ہوگا جو دائرۃ المعارف برطانیہ (Encyclopaedia Britannica 33 Vols.) کی (۲۲) ضخیم جلدون کے تمام صفحات بھر دین گے یعنی دنیا نابود ہونے کے لئے کروڑہا کروڑ ہا کروڑ ہا سال گذرنا ہوگا، ایک تیسرے گروہ نے اس کا اعلان کیا کہ اگرچہ تمام اجسام و اجرام چھوٹے بڑے سب کے سب نیست و نابود

[1] نظام کالج کے سابق پروفیسر طبعیات ڈاکٹر گھوشال تاجر جواہر نے D. Sc. تھے، اونھون نے راقم کو ایک دفعہ بتا کر کہا تھا کہ وہ سونا ہے جسکو اونھون نے چاندی سے بنایا،

ہوسکتے ہیں لیکن ہر جسم و ہر جرم کے درمیان جو فضا ہے، اس میں خلو نہیں ہے، بلکہ وہ جان سے بھری ہوئی ہے، اور یہ جان نابود نہیں ہوسکتی، لہٰذا ان دونوں سائنس کا رجحان اسطرف ہے، کہ کہیں خلو نہیں اور جہاں خلو سمجھا جاتا ہے، وہ حصہ جان سے بھرا ہوا ہے اور جان کی معدومیت خارج از قیاس ہے، اسی لحاظ سے ویدانتیوں کا قول ہے، کہ جو کچھ ہے وہ جان ہے جسکو ہم اجسام و اجرام کہتے ہیں، وہ سب جان کی شکلیں ہیں، جو اکثر اوقات بدلتی رہتی ہیں، ایسا ہی بعض صوفیوں کا اعتقاد ہے، کہ جان لاموت ہے، چنانچہ روزمرہ گفتگو میں "فلاں مرگیا" کہنے کے عوض "فلاں کا انتقال ہوا" جو کہا جاتا ہے، یہ علامت اس اعتقاد کی پائی جاتی ہے کہ جان مرتی نہیں، بلکہ اسکی ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقلی ہوتی ہے، برنش اسوسی ایشن کے اور ایک اجلاس میں اس قیاس کا اعلان ہوا کہ ہر آٹم کے پروٹن اور اون کے اطراف پھرنے والے الیکٹرن کے مابین جو فضا ہے، وہ ایک گونہ جان سے بھری ہوئی ہے، یا فضا میں ایک قسم کی جنبش جو ہے، وہ روح بھی جاسکتی ہے،

۳ - ویدانتی عناصر اربعہ کے علاوہ ایک پانچواں عنصر اکاس گنتے ہیں، جو اتھر جس کا بیان اوپر گذرا ہے اوس کے مشابہ ہے، وہ اور صوفی جو فقط چار عنصر کے قائل ہیں، دونوں ان عناصر کے ذروں کو اجزاء لایتجزی تصور کرکے جو نظریہ جسم و جان کے تناسبہ کا قائم کرتے ہیں، وہ قریب قریب ایسا ہی ہے، جیسا کہ آٹم کے پروٹم اور الیکٹرن کا تناسبہ فقرۂ بالا سے ظاہر ہوتا ہے، اس بارہ میں اہل تصوف اور اہل سائنس کے قیاسات کا تقابل یوں کیا جاسکتا ہے:-

(الف) اہل سائنس کی تشریح آٹم	(ب) اہل تصوف کی تشریح ذرہ ہا
(۱) عناصر کی تعداد = ۹۲	(۱) عناصر کی تعداد = ۴ یا ۵
(۲) عنصر کا جزو لایتجزی = آٹم	(۲) عنصر کا جزو لایتجزی = ذرہ یا رتی
(۳) تشریح آٹم:-	(۳) تشریح ذرہ یا رتی:-
یک جوہر = پروٹن مثبتہ الیکٹریسٹی، دیگر جوہر = الیکٹرن منفیہ الیکٹریسٹی — توام بوجہ جنبش باہمی	یک جوہر = جسم، دیگر جوہر = جان — توام بوجہ نسبت یا تعلق باہمی
(۴) فضا مابین پروٹن و الیکٹرن = باعث	(۴) فضا مابین جسم و جان، = باعث

کشش باہمی	نسبت یا تعلق باہمی
وہ کیا ہے؟ مرکز	وہ کیا ہے؟ حقیقت[۵۱]
(۴) مختلف آٹم کیون ہین؟	(۵) مختلف ذرات کیون ہین؟
یلکٹرن کی تعداد کی کمی یا زیادتی سے،	نسبت جسکو ذات کہہ سکتے ہین اوس کے اثر کی کمی یا زیادتی سے،

(۴) (الف) اہل سائنس کے قیاسات اور (ب) اہل تصوف کے قیاسات کا تقابل محض سرسری طور پر کرنے سے پایا جاتا ہے، کہ دونون مین فی الحقیقت چندان فرق نہین ہے البتہ اصطلاحات والفاظ کا فرق ہے اور طرز یا طریقہ ثبوت مین بھی بہت فرق ہے، اسکی بحث طول وطویل ہوسکتی ہے، اوس کو ترک کرکے ہم فقط صوفیون کے نظریۂ تناسب کا ذکر کرتے ہین جس کا بہ تقابل سائنس سے ملتا ہے:- وہو ہذا:-

(الف) ذرہ سے پہاڑ سورج سے تارون تک سب مین جسم وجان توام ہین، ان دونون مین سے ہر ایک کا کام جو اصطلاحاً وظیفہ[۵۲] کہا جاتا ہے، جداگانہ ہے، جان کا وظیفہ (وہ ۔۔۔ ہے) یا کام جسم کی حفاظت ہے، اوسکو بھلا چنگا رکھنا اوسکو خطرون سے بچانا، جسم کا وظیفہ یا کام، جان کا آلہ بنے رہنا، چنانچہ جسم کے افعال سے ہمکو نہ صرف جان کی موجودگی کا احساس وادراک وعلم ہوتا ہے، بلکہ اون سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ جان اپنے جسم سے جلب منفعت ودفع مضرت کے افعال کراتی ہے،

---

[۵۱] عالمگیر کے زمانہ مین رائچور کے پاس قریہ گوگی مین ایک صوفی سید محمود بحری رہتے تھے، اونھون نے اپنی مثنوی (من لگن) مین ذات یعنی اللہ کی تعریف یون کی ہے:-

اے روپ ترا رتی رتی ہے، پربت پربت بیتی بیتی ہے،
پہاڑ پہاڑ

پربت مین اوگ نہ کم بیتی مین زیادہ نہ ہے یکسان ہے، اس اور پرتی مین، بہت کم

[۵۲] دیکھو تعلیق فصل ۳ دفعہ (۵) صفحہ احساس وادراک وعلم مین فرق نفسیات کی بات ہے جسکی توضیح کی یہان ضرورت نہین،

(ب) ہر چیز مرکب ہی عناصر سے اور ہر عنصر کا جز ولا یتجزی جسکو صوفی ذرہ اور ویدانتی ذرّی اور سائنس آٹھم کہتا ہے اسمین بھی دو قوام جوہر ہین جنکو صوفی جوہر جسم اور جوہر جان کہتے رہے لیکن ان کو سائنس پروٹن اور الکٹرون کہتا ہے ان دونون جوہرون مین باہمی تعلق (باہمی مناسبت) خواہ وہ مقدار کی ہو خواہ وہ انجذاب یا کشش کی خواہ اسی قسم کی ہو اوسکا نام صوفیون نے حقیقت رکھا ہے اور سائنس اوسکو مظہر روح کہنے پر آمادہ پایا جاتا ہے،

ذرہ = جسم ⟵ تعلق یا نسبت باہمی / حقیقت ⟶ جان

آٹھم = پروٹن ⟵ تجاذب یا کشش نفس / روح؟ ⟶ الکٹرون

(ج) حقیقت کیا ہے؟ یعنی جسم و جان کے مابین کیا کوئی فضاء ہے اگر ہے تو کیا ہے، اس بارہ مین اور حقیقت کی تعبیر و اطلاق مین اہل تصوف مین بہت کچھ اختلافات ہین، مثلاً ہوا کل کہنے والے صوفی حقیقت کو ذات کہتے ہین، اور ہوا ہی کہنے والے صوفی اوس کو مظہر ذات کہتے ہین، ان کے بڑے مباحث ہین جن کا سرسری ذکر بھی یہان صحیح طور سے نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ الہام القاء یا کشف کے محسوسات اور ادراکات سمجھے جاتے ہین جنکی تعبیر و اطلاق مین اختلاف ہے،

۴ - جس طرح آئین اسٹین نے اپنے نظریۂ تناسب سے بہت سے نتائج حجم و زمن تجاذب وغیرہ کی نسبت طبعیات سے متعلق اخذ کئے ہین ویسے ہی بہت سے نتائج صوفیون نے اخلاق و الٰہیات سے متعلق اخذ کئے ہین، مثلاً اچھا برا کیا ہے؟ نیکی بدی کسکو کہتے ہین، تدبیر و تقدیر کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ، ان کا سرسری تذکرہ بھی اس رسالہ کو ایک ضخیم کتاب بنا دیگا، یہان صرف مثال پر اکتفا کیجاتی ہے،

۵ - بعض ویدانتی و صوفی اپنے کو تعبیر رویا یعنی خواب کی تعبیر کے ماہر سمجھتے ہین، اپنے مریدین و معتقدین کے خواب کی کیفیت وغیرہ سن کر ان کی نسبت پیشین گوئی کرتے ہین، مگر آجکل یورپ مین علی الخصوص جرمنی مین چند علماء و فضلاء نے خواب کی تعبیر سے نفس کی باطنی حالت کی تشخیص کرکے نفس کی بیماریان مسٹریا، مانیخولیا، ضبط، جنون وغیرہ کا علاج کرتے ہین

اونھوں نے سائنس کے موافق اور صوفیوں نے قرآن شریف کے موافق نفس کے جو طبقات Strata قرار دیے ہیں اونکا مقابلہ حسب ذیل ہو سکتا ہے:-

"ایغو" سے مراد "نفس انسانی" یعنے وہ جو اپنے کو "میں" کے نام سے موسوم کرلیتا ہے،

سائنس حسب نیاں ڈاکٹر فرائیڈ وغیرہ	طبقات النفس	حسب عقیدۂ صوفیہ
۱- ایکون ایغو — ایغو کے جزو عندالموقع ہو جانیوالے غریزیت مثلاً بھوک پیاس شہوۃ خوف غصہ وغیرہ۔		نفس ملہمہ:- جو کشف و کرامات کا باعث ہوتا ہے (قرآن ۹۱:۸)
مافوق ایغو، برے کاموں سے روکنے والا،		نفس لوامہ - (قرآن ۷۵:۲)
Censor لعنت ملامت کرنے والا،		جو لعنت و ملامت کرنے والا ہے
۲- ایغو Ego (۱) وقوف	Focal Conxciousness	
یعنی وہ جو اپنے کو "میں" کہتا اور سمجھتا ہے	(۲) ماحول وقوف Marginal Consciousness	نفس مطمئنہ - جو اپنے سے خوش و راضی رہتا ہے (قرآن ۸۹:۲۷)
	(۳) ماتحت وقوف (حافظہ وغیرہ) Recoverable Consciousness	
۴- ماکان ایغو	The Uneonsci. ous لاوقوف	
	خواہشات ناجائز یعنی وہ جو کسی وقت ایغو کے جزو بنے تھے۔ مگر دبا دیے گئے،	نفس امارہ - (قرآن ۱۲:۵۳) جو برے کاموں کی طرف رغبت دلاتا ہے

لفظ "طبقات" استعارہ ہے اس سے مراد اسی قدر ہے کہ جیسا زمین کے طبقات (مثلاً پتھریلی زمین ریتیلی زمین، مورم وغیرہ) ہیں، ویسے جداگانہ حصص انسان کے نفس کے بھی ہونا فرض کرلیے جاتے ہیں، اسی طور سے جیسے زید کی جو انفرادی بیان کرنے کیلئے کہا جاتا ہے

کہ زید شیر ہے، حالانکہ زید شیر سا جانور نہین ہے، فقط شجاعت شیر کی سی رکھتا ہے، ایسا ہی اگرچہ نفس کے طبقے واقعی نہین ہین، فقط اوسکی حالت کمزائی کے بیان کے واسطے اوسکے حصص یا طبقے ہونا قیاس کرلیا جاتا ہے،

نقشہ بالا کی مزید توضیح و تاویل کی یہان گنجایش نہین، اس سے ظاہر ہوگا کہ صوفیون کی باتون مین اور آج کل کے سائنس کی باتون مین کس قدر مخا موافقت ہے اگرچہ الفاظ مین فرق ہے ؎

سر خدا کہ عارف کامل بکس نہ گفت در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید (حافظ)
صاحب سرش

طبقات النفس کا سرسری ذکر اس لئے کیا گیا تاکہ ڈاکٹر فرائیڈ اور اون کے شاگردون کے فقط ایک نظریہ کی صراحت کی جائے،

۶ - ہر نفس کے (مجازاً) مختلف طبقات ہین، جو اوس نفس والے آدمی کے کردار سے، اوسکے جسم کے حرکات و سکنات سے، پائے جاتے ہین، مذکور الصدر چار طبقات مین ایک اسفل طبقہ، (جس کا نام صوفیون کے پاس نفس امارہ ہے) اور جو نفس کے داہنے طرف (ماکان الیغو) سے موسوم ہے، یہ طبقہ اون خواہشات کا ہے، جن کا حصول ناممکن پائے جانے سے طبقۂ اعلیٰ، مافوق الیغو یعنی نفس لوامہ نے اون کو ایسا دبا دیا (اور وہ اس طرح دب گئے ہین) کہ وہ دوسرے طبقات نفس کے بہت نیچے چلے گئے، اس دباؤ کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیداری کے وقت اون کی یاد مطلق نہین آئی، مگر خواب مین وہ اپنے آپ کو کسی نہ کسی شکل مین ظاہر کرتے ہین، مثلاً ایک نوجوان کہین راستہ چلتے چلتے ایک خوبصورت بازاری عورت کو دیکھتا ہے، تو اوس کے دل مین یعنی نفس مین جو خواہشین اوس عورت کی نسبت فطرۃً پیدا ہوتی ہین، اونکا حصول مختلف و متعدد محافظات و دشواریون کی وجہ سے (مثلاً بدنمائی یا بدنامی کے لحاظ سے) غیر ممکن پاتا ہے، لہذا وہ اون خواہشات کو دبا دیتا ہے یعنی بالکل بھول جاتا ہے لیکن وہ خواہشات اوس کے نفس سے بالکل محو نہین ہوتے، بلکہ نفس کے ایک طبقہ مین (جس کا نام لاوقوفی ہے، اس مین) دبے رہ کر کبھی نہ کبھی وہ خواب مین کامیاب یا پورے ہوتے ہین جسکو عام طور پر احتلام کہتے ہین، غرض فی زمانہ یورپ مین علماء کا ایک گروہ ہے، جن کے صدر ڈاکٹر فرائیڈ (D R. FREUD) ہین، جنھون نے تعبیر رویا کے بارہ مین اپنے ذاتی تجربون کی بنا پر ایک مستند کتاب لکھی ہے، جو یورپ کی علمی دنیا مین دلچسپ اور قابل لحاظ سمجھی جاتی ہے، اور اون کے

شاگردون مین سرِ آور دہ ڈاکٹر لونگ (DR. JUNG) ہین جنھون نے اپنے تصانیف مین اپنے تجربون کی بنا پر اوستاد کی چند باتون مین اضافہ کیا ہے، چنانچہ اونھون نے انسانون کی اون خواہشات کو (ANIMA) حیوانی تصور کیا ہے، جیسے کہ اوس نوجوان کے خواہشات تھے، جو اوس بازاری عورت کو دیکھنے سے پیدا ہوئے، اور اون لحاظات کو (PERSONA) انسانی سمجھا ہے، جیسے اوس نوجوان کے لحاظات (شرمندہ ہونے وغیرہ) نے اوسکی خواہشات کو دبا دیا، یا بھلا دیا (یعنی اوس کے نفس کے طبقۂ وقوفی سے طبقۂ لاوقوفی مین پہنچا دیا) لیکن بعد مین سوتے وقت لحاظاتِ نفسی کا دباؤ کم ہونے سے خواہشاتِ حیوانی اوس نوجوان کے خواب اور احتلام کے باعث ہوئے، جسپر ڈاکٹر لونگ نے نیک چلن کا معیار لحاظاتِ انسانی کا غلبہ، اور بد چلن کا معیار خواہشاتِ حیوانی کا غلبہ یون قرار دیا ہے کہ "جبتک اور جہان تک لحاظاتِ انسانی خواہشاتِ حیوانی پر غالب رہتے ہین یعنی اون کو دبا رکھتے ہین، یا بھلا رکھتے ہین، انسان کے کردار نیک رہتے ہین، اور جب کبھی خواہشاتِ حیوانی لحاظاتِ انسانی پر غالب آجاتے ہین، تو افعال بد اور رتبہ زیغ چال بھی بد ہو جاتی ہے"۔

یہی بات اہل تصوف نے صدہا سال قبل تناسبِ جسم و جان کے نظریہ سے بطور نتیجہ اخذ کی تھی، اونھون نے خواہشات حیوانی کو فسق و فجور کا باعث سمجھا، اور لحاظاتِ انسانی کو زہد و تقوی کا موجب تصور کیا، اور آیہ کریمہ (سورۂ والشمس ۹۱: ۸) جو اس رسالہ کا زیبِ عنوان ہے، اور جس کا مضمون اس رسالہ کا لب لباب ہے، اوس کو اوس نتیجہ کی دلیل قرار دی، فجور کی طرف رغبت دلانے والے خواہشاتِ حیوانی کا نام قوای بہیمیہ رکھا، اور تقوی کی طرف مائل کرانے والے لحاظاتِ انسانی کا نام قوای ملکوتی رکھا، اور ڈاکٹر لونگ کے کلیہ کو سالہا سال قبل اس طرح بیان کر دیا،

آدمی زادہ طرفہ معجون ست — از فرشتہ[1] سرشت و از حیوان،
گر کند میل این، شود کم ازین — ور کند قصد آن، شود به ازان،

۱۰- خاتمہ

۱- خواب کی مختصر تشریح جو اوپر کیگئی وہ فصل بالا ۳ کی دفعہ (۶) کے بیان سے متعلق ہے، اگر دیا سے مراد یہی ہے کہ بیداری مین جو خواہشین

[1] جان تا جسم

فراموش ہوجاتی ہین، وہ بعد مین سوتے وقت کسی نہ کسی پیرایہ مین پوری ہوتی ہین جن سے انسان کو ایک قسم کی آنت یا راحت محسوس ہوتی ہے تو اوسی قبیل کی مگر اوس سے زیادہ آنت و راحت تصوف کی اس امنگ مین محسوس ہوتی ہے جسکی صراحت ابتدا ہی مین کر دیگئی چنانچہ تصوف کی امنگ مین نیند کی سی ایک بیہوشی طاری ہوتی ہے، اسمین صوفی کی وہ خواہشین کسی نہ کسی پیرایہ مین پوری ہوتی ہین، جو اوس کے دل مین "مین کیا ہون کون ہون" وغیرہ سوالون کے اطمینان بخش جوابون سے پیدا ہوچکی تھین، اور جنکا پورا ہونا ظاہری ہوش و حواس کی حالت مین ممکن نہ تھا،

راز نہان کسی پہ عیان ہو نہین سکتا ہوجائے عیان بھی تو بیان ہو نہین سکتا (؟)

۴ فیصلہ ۵ کی دفعہ (۳) مین بیان کیا گیا ہے، کہ تمام فلسفہ کا دار و مدار تین سوالون کے جوابون پر ہے، جو نفس اوس کے احوال اور اوسکے ماورا سے متعلق ہین، گویا یہ مصادر ہین جن سے دیگر مسائل مشتق ہین، غرض ان اصولی سوالات کا ایک ہی جواب ہو صوفیون کے پاس ہے، مگر اوسکی توضیح و تفہیم کے لئے اہل تصوف کو بھی میدان فلسفہ مین قدم رکھنا پڑا، اون کے فلسفہ کا بیان جسقدر ہوسکا، اوس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اونھون نے کس حد تک طبعیات، حیاتیات و نفسیات کے فلسفہ کی باتون کو حل کیا ہے، فقرا کا فلسفہ روحانیات جو ہے، اوسکے سرسری ذکر کے سوا طوالت کے لحاظ سے کوئی مفصل بحث نہین کیگئی، اور غلط فہمی کو دور رکھنے کیلئے فقرا کے الٰہیات کے تذکرہ سے بالکل پرہیز کیا گیا، بہرحال امید کیجاتی ہے، کہ اس رسالہ مین جو کچھ بطور نمونہ خروارے لکھا گیا ہے، وہ عام فہم و مفید ہوگا،

۳- مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ بصورت امیر و بسیرت فقیر دیدانتی ہین اور مولوی سید احمد حسین صاحب امجد جو صوفی منش نازک خیال شاعر ہین، اون کا اور چند دوسرے احباب کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ اونھون نے براہ کرم اس رسالہ کی نسبت مشورہ دیا، اور اوسکی عبارت کو صحیح و سہل بنانے مین مدد دی، ان مین ایک صوفی منش خاتون بھی ہین، جو اپنا نام پردۂ خفا مین رہنا پسند فرماتی ہین، احباب اول الذکر کا مین خاص طور سے ممنون ہون کہ ان دونون نے اپنے اشعار متن مین یا حواشی مین لکھنے کی اجازت دی، تاکہ سوکھا ساکھا مضمون بالکل بے نمک نہ رہے، اگرچہ احباب نے ہر قسم کی تائید فرمائی، لیکن اس رسالہ کی ہر بات کی صحت یا غلطی کا ذمہ دار ہے احمد حسین امین جنگ،

تصوف اسلام

خالص اسلامی تصوف اور قدما صوفیہ کے حالات و تصنیفات کا مفصل بیان، ضخامت ۲۴۲ صفحے قیمت عہ

مشاعرہ

از

مولینا عبد السلام صاحب ندوی

مشرقی ممالک مین شاعری کی ترقی اور شعرا کے مسابقہ و مقابلہ کا ایک بڑا ذریعہ مشاعرہ ہے، زمانۂ جاہلیت مین شعرائے عرب بازار عکاظ مین جمع ہوکر اپنے اپنے قصائد سناتے تھے، اور تمام عرب سے داد و تحسین حاصل کرتے تھے، یہ گویا عرب کا سالانہ مشاعرہ تھا، اسکے بعد جب فارسی شاعری نے بہت زیادہ ترقی کی اور متوسطین و متاخرین کا دور شروع ہوا تو مشاعرون کا اور بھی زیادہ رواج ہوا لیکن ان کی صورت بازار عکاظ کے مشاعرون سے مختلف تھی، شعرائے عرب مختلف بحر و قافیہ مین اپنے قصائد سناتے تھے، اور کسی خاص زمین اور طرح کے پابند نہ تھے، لیکن فارسی شعرا ایک خاص بحر اور ایک خاص ردیف و قافیہ کے پابند ہوتے تھے، اور اگرچہ اس طریقہ سے خیالات و مضامین محدود ہو جاتے تھے، تاہم شعرا کی طباعی کا امتحان اس سے نہایت خوبی کے ساتھ ہو سکتا تھا، کیونکہ اس طریقہ سے یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ ایک ہی قافیہ و ردیف کی پابندی کے ساتھ کس شاعر نے عمدہ مضامین پیدا کئے ہین،

اردو شاعری بھی اس معاملے مین بالکل فارسی شاعری کی مقلد ہے، اور ابتدا سے لیکر آج تک ہندوستان مین اسی طریقے پر مشاعرے ہوتے رہے ہین، اور ہو رہے ہین، بلکہ اب تو یونیورسٹیون کالجون اور اسکولون کی سنجیدہ علمی مجالس کے پہلو بہ پہلو اسکو جگہ مل رہی ہے،

عربی مین اسی قدر تھا کہ شعرا کسی ایک موقع پر جمع ہوکر اپنے قصائد سناتے تھے، فارس مین یہ ہوا کہ شعرا کسی باکمال شاعر کے کسی بلند پایہ قصیدہ یا مثنوی کے وزن و قافیہ مین قصیدے اور مثنویان تصنیف کرتے تھے، مثلاً عثمان مختاری

کے اس قصیدہ کے ع

مسلمانان دلے دارم کہ ضائع می شود جانش

خاقانی امیر خسرو، مولینا جامی وغیرہ بڑے بڑے اساتذہ نے جوابات لکھے ہین، خاقانی نے اس کتاب کے جواب مین یہ قصیدہ لکھا ہے،

دل من پیر تعلیم است و من طفل زبان دانش

اسی طرح کمال اسمٰعیل اصفہانی کے اس قصیدہ کا ع :-

ایکہ از بر سر موی تو دلے اندر داست

خواجہ سلمان وغیرہ فضلا نے جواب لکھا ہے،

اسی طرح نظامی کے خمسہ کے جواب مین بیسون مثنویان تصنیف ہوئین، اس کے بعد کمال اصفہانی اور سعدی کے زمانہ سے جب غزل گوئی کو ترقی ہوئی، تو شعرا غزلون کے جواب مین غزلین لکھنے لگے، اس قسم کی جو یہ غزلون مین عموماً اور مقطع مین جواب کی تصریح کردیجاتی تھی، لیکن اس قسم کے واقعات کو مشاعرہ کے بجائے معارضہ سمجھنا چاہیئے،

مشاعرہ اور معارضہ دو مختلف المعنی لفظ ہین، مشاعرہ کے معنی باہم شعر خوانی کرنیکے ہین، اس کے لئے کسی مخصوص زمین اور ردیف وقافیہ کے اتحاد کی ضرورت نہین، بلکہ شعرا اگر کسی مجلس مین الگ الگ زمینون مین غزل یا قصیدہ پڑھین تو اوس کو مشاعرہ کہہ سکتے ہین، لیکن معارضہ کے معنی طرح افگندن یعنی بنیاد عمارت قائم کرنے کے ہین اور عمارت کی بنیاد قائم کرنے کیلئے پہلے سے ایک مجوزہ نقشہ کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے اگر یہ نقشہ کسی مخصوص طرح کی صورت مین ضروری قرار دے لیا جاے، تو اوس کو معارضہ کہین گے، لیکن اب عام طور پر مشاعرہ جس کا نام رکھ لیا گیا ہے، وہ مشاعرہ اور معارضہ دونون کا مجموعہ ہے یعنی کسی ایک طرح یا زمین پر شعرا کا باہم مل کر شعر پڑھنا اس سے اب ہر مشاعرہ کے لئے ایک خاص طرح کی پابندی ضروری ہوگئی ہے، لیکن اس معنی مین مشاعرہ کا رواج قاآنی کے زمانہ سے ہوا[1]

[1] شعر العجم جلد سوم صہ ۱۹،

اور شعرائے متاخرین فارسی کے زمانہ مین اوسکو بہت زیادہ ترقی ہوئی، چنانچہ اس زمانے مین اکثر غزلین کی غزلین طرح کی جاتی تھین، اوران مین محتشم کاشی اور عرفی وغیرہ غزلین لکھتے تھے، اور عام مشاعرون مین پڑھتے تھے، شیراز مین ایک دکان گویا شعرا کا دنگل بن گئی تھی، جہان متعدد شعرا جمع ہوکر مشاعرے کرتے تھے، اوران مین عرفی اور غیرتی وغیرہ شریک ہوتے تھے[1] شیراز ہی کی تخصیص نہین بلکہ تمام ایران مین اس کا عام رواج ہوگیا تھا، اور شعرا کی مسابقت و مقابلہ کا بڑا ذریعہ بن گیا تھا، چنانچہ نظیری نیشاپوری جب خراسان سے کاشان مین آیا، تو یہان کے اساتذہ یعنی حاتم فہمی مقصود خردہ، شجاع اور رضاعی وغیرہ کے مشاعرون مین جو طرحین دیجاتی تھین، اون مین نظیری بھی شریک ہوتا تھا، چنانچہ انھین غزلون مین سے ایک غزل کا شعر یہ ہے،

زخود ہرگز نیازارم دلے را ؎ کہ می ترسم درد جائے تو باشد[2]

ہندوستان مین بھی فارسی شعرا کے آخری دور مین شاعری کی مجلسین قائم تھین اور امرا بعض غزلون کو شعرا کے سامنے پیش کرتے تھے، اور وہ اُن کے جواب لکھتے تھے چنانچہ ملا عبدالقادر بدایونی ثنائی مشہدی کے تذکرے مین لکھتے ہین:-

پیش از انکہ بہندوستان بیاید بزرگان این دیار بہ بینے از و،

غائبانہ بزم می آراستند و در ہر مجلس شعرا اورا بتبرک بخوانند[3]

ایک اور امیر کا یہ شعر نقل کیا ہے،

باریک چو مو ہست میانے کہ تو داری، گویا سر آن موست دہانے کہ تو داری،

اور اوس کے بعد لکھا ہے:-

چون این غزل در میان انداخت، خیلے از شعرائے آن صوبہ جواب گفتند از ان جملہ این است:-

گفتم کہ گمانیست دہانے کہ تو داری ؎ گفتا کہ یقین است گمانے کہ تو داری[4]

پھر اپنا شعر بھی نقل کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ زمانہ جاہلیت کی شاعری ہے جس سے توبہ بہتر ہے[5] بعض اُمرا

---

[1] شعر العجم ج سوم ص ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۱۵ [2] تذکرہ نظیری [3] بدایونی جلد سوم صفحہ ۲۳۰-۲۳۹،

خود مشہور اساتذہ کی غزلون پر غزلین لکھتے تھے اور اپنے دربار کے شعراء سے اونکا جواب لکھواتے تھے، مثلاً ایک امیر نے شیخ سعدی کی یہ غزل شعراء کے سامنے پیش کی،

دلے کہ عاشق صابر بود مگر سنگ است، زعشق تا بصبوری ہزار فرسنگ است،

اور خود اوس کا جواب لکھا اور دوسرے شعراء نے بھی اوس کے جواب لکھے[1]

شعراء خود بھی مشہور اساتذہ کی غزلون پر غزلین لکھتے تھے، اور مقطع مین اون غزلون کے مصرعے نقل کردیتے تھے، چنانچہ صائب کا یہ خاص انداز ہے، مثلاً،

این جواب آن غزل صائب کہ میگوید ملک — چشم بینش باز کن تا ہر چہ خواہی بنگری

این جواب مصرع نوعی کہ خاکش سبز باد — سایۂ ابر بہاری کشت را سیراب کرد،

اس طریقہ سے خاص خاص زمینون اور خاص خاص طرحون کی پابندی لازمی ہوگئی، چنانچہ ایک امیر نے امیر خسرو کی ایک غزل کا یہ مصرع

از دل بدست رفت و زناخن بتار رخت،

طرح کیا اور شعراء کو اس پر غزل لکھنے کیلئے ایک دن کی مہلت دی اور دوسرے دن محمد انوری لاہوری ملا عبدالغنی فخر الزمانی نے غزل کہکر پیش کی[2]

اسی طریقہ کی باضابطہ شکل کا دوسرا نام مشاعرہ تھا، اور رفتہ رفتہ یہ باضابطہ شکل بھی قائم ہوگئی، چنانچہ مآثر الامراء مین ایک امیر کے حال مین لکھا ہے:-

"در ہر ہفتہ یکبار مشاعرہ مقرر بود، جمیع شعرائے کشمیر حاضر میشدند و در آخر مجلس صلہ نمی کشید"[3]

لیکن با این ہمہ قدمائے شعرائے اردو یعنی ولی وغیرہ کے زمانے تک کسی مشاعرے کا پتہ نہین چلتا، البتہ جب دلی مین اردو شاعری کا عام رواج ہوا تو ساتھ ساتھ مشاعرون کی بھی گرم بازاری ہوئی، اور اون مین سب سے زیادہ اہم مشاعرہ خواجہ میر درد کے مکان پر ہوتا تھا، لیکن جب یہ بزم مشاعرہ حوادث زمانہ سے قائم نہ رہ سکی، تو خواجہ صاحب کے ایماسے میر تقی کے یہان ہر مہینے کی پندرہوین تاریخ کو ہونے لگی[4] اس کے علاوہ اور بھی متعدد

---

[1] بدایونی جلد سوم صفحہ ۲۸۸ [2] میخانہ صفحہ ۵۰ [3] مآثر الامراء حصہ دوم صفحہ ۲۷۱ [4] نکات الشعراء صفحہ ۵۰،

مشاعرے ہوتے تھے، جن کا حال میر نے اپنے تذکرے مین جا بجا لکھا ہے، چنانچہ میر سجاد کے تذکرے مین لکھتے ہین:-

"قبل ازین بخانہ زاد مجلس یاران ریختہ می شد نبدہ نیز میرفتم"[1]

میان کمترین کے تذکرے مین فرماتے ہین:-

"گاہ گاہ در مجلس مزاحمۃ کہ این لفظ بوزن مشاعرہ تراشیدہ اند ملاقات می شود"[2]

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین مشاعرہ کو مزاحمۃ کہتے تھے، جو ریختہ سے ماخوذ ہے،

دلی کے تباہ ہونیکے بعد جب لکھنؤ اردو شاعری کا مرکز قرار پایا تو یہان مشاعرون نے اور بھی رونق حاصل کی، بالخصوص شہزادگان دلی نے جو لکھنؤ مین آرہے تھے، ان کی رونق کو اور بھی دوبالا کیا، چنانچہ تذکرہ گلشن ہند مین میرزا جوان بخت کے حال مین لکھا ہے کہ

"غرض اس شہزادہ عالی تبار کی طبیعت شعر کی طرف اس قدر آئی تھی کہ مہینے مین دو مرتبہ بنا مشاعرے کی اپنے دولت خانہ مین ٹھہرائی تھی، شعرائے باوقار کو اپنے چوبدار بھیج کر مشاعرے کے دن بلواتے، اور ہر ایک شخص سے نہایت الطاف اور عنایت کے ساتھ گرمجوشی سے فرماتے"[3]

مرزا سلیمان شکوہ کی نسبت مصحفی اپنے تذکرہ مین لکھتے ہین:-

"در ایامے کہ حکم بہ ترتیب مجلس مشاعرہ شدہ بود، اکثرے از کاروانان فن در حضور آمدہ حاضری شدند، میر سوز کہ کسوت درویشی بر قامت حال خود داشت در اوائل مشاعرہ بانعام یک دو شالہ و یک پٹو سرفرازی یافتہ راہ خود پیش گرفت"

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے، کہ یہ مشاعرے امرا کے دربارون مین شعرا کی قدردانی اور ان کے اجتماع بلکہ ملازمت کا بڑا ذریعہ تھے، چنانچہ مصحفی اسی عبارت کے سلسلہ مین اپنے متعلق لکھتے ہین:-

"این فقیر حقیر چونکہ، نسبت دیگران با وصف گوشہ نشینی درین کار زیادہ رسوائی داشت، بگفتہ انشاء اللہ خان

---

[1] نکات الشعرا ص۸۲، [2] ص۱۵۶، [3] تذکرہ گلشن ہند ص۸۰،

حسب الطلب حضور با وصف کم شغلی و شکستہ حالی شریک مجلس یاران شدہ بود چنانچہ از ہمان تاریخ در حلقۂ ملازمان حضور در آمد"

اس لئے یہ شاعری کی ترقی کا بڑا ذریعہ بن گئے تھے،

یہ مشاعرے دارالمناظرہ کا کام بھی دیتے تھے اگرچہ اس حیثیت سے انکے اخلاقی نتائج اچھے نہیں ہوتے تھے اسلئے جو لوگ مناظرے کے کانٹوں سے اپنے دامن کو بچانا پسند نہیں کرتے تھے وہ ان میں جانا پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ علی ابراہیم خان مصنف تذکرۂ گلزار ابراہیم کو جب مرزا جوان بخت جہاندار شاہ نے اپنے مشاعرے میں طلب کیا تو انھوں نے یہ معذرت کی:۔

"کمترین نے مشاعرے کا جانا مدت سے موقوف کیا ہے، از بسکہ ان صحبتوں میں مناظرہ ہی کو یاران عالی حوصلہ نے رواج دیا ہے"[1]

تاہم اون کے ذریعہ سے فن تنقید کو جو شاعری کا ایک لازمی جزو ہے، نہایت ترقی ہوتی تھی، چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب آزاد نے آبحیات میں اس قسم کے بہت سے تنقیدی نکتے لکھے ہیں، جو انھیں مشاعروں کی پیداوار ہیں، مثلاً خان آرزو کے مکان پر مشاعرہ تھا، سودا نے یہ مطلع پڑھا

آلودۂ قطرات عرق دیکھ جبین کو، اختر پڑے جھانکے ہیں فلک پر سے زمین کو

خان آرزو نے فوراً قدسی کا یہ مطلع پڑھا:۔

آسودۂ قطرات عرق دیدہ حسین را، اختر ز فلک مے نگرد روئے زمین را،

جس سے یہ اشارہ تھا کہ سودا کا مطلع اسی کا ترجمہ یا سرقہ ہے[2]

شاہ نصیر نے دکن میں کسی کی فرمایش سے ۹ شعر کی ایک غزل کہی تھی، آتش و آب و خاک و باد اپنے مشاعرے میں وہ غزل سنائی اور کہا کہ اس طرح میں جو غزل لکھے ہیں اوسے اوستاد مانتا ہوں، دوسرے مشاعرے میں ذوق نے اس پر غزل پڑھی اور شاہ صاحب کی طرف سے اوس پر کچھ اعتراضات ہوئے، جشن قریب تھا، ذوق نے اسی

[1] تذکرۂ گلشن ہند ص ۵۲، آبحیات ص ۱۹۹،

زین مین بادشاہ کی تعریف مین ایک قصیدہ لکھا، اس پر بھی اعتراضات ہوئے، ذوق نے قصیدہ کو مشاعرہ مین سُنایا، کہ وہین برمحل پڑھا جائے، قصیدہ کا مطلع یہ تھا،

کوہ اور آندھی مین ہون گر آتش و آب و خاک و باد آج نہ چل سکین گے پر آتش و آب و خاک و باد

اور اسپر اعتراضات حسب ذیل تھے،

(۱) سنگ مین آتش کے چلنے کا ثبوت چاہیے،

(۲) سنگ مین آتش کا ثبوت چاہیے،[۵۱]

مولینا محمد حسین آزاد نے ان سوالات و جوابات کی جو تقریر کی ہے، اگر وہ صحیح ہے تو شاعری کی حد سے گذر کر وہ منطق و فلسفہ کے حدود مین داخل ہوگئی ہے،

دلی کے ایک مشاعرے مین مرزا غالب نے اپنی فارسی غزل سُنائی، جب یہ مصرع پڑھا:-

بوادیٔ کہ دران خضر را عصا خفت است

تو اوس پر یہ اعتراض ہوا، کہ عصا خفت است" مین کلام ہے، مرزا نے کہا مین ہندی نژاد ہون میرا عصا پکڑ لیا، اوس شیرازی کا عصا نہ پکڑا گیا، ع ولے بجلۂ اوّل عصائے شیخ بخفت،

اونھون نے کہا کہ اصل محاورہ مین کلام نہین، کلام اسمین ہے کہ مناسب مقام ہے یا نہین،[۵۲]؟

یہ مشاعرے شعراء کی مسابقت و مقابلہ کا بھی بڑا ذریعہ تھے، اگرچہ اس مسابقت و مقابلہ سے صحیح طور پر کام نہین لیا گیا، تاہم اسمین شبہہ نہین کہ اردو شعراء نے اوسکی بدولت بڑے بڑے دشوار گذار مرحلے طے کئے، تذکرۂ گلستان سخن مین شیدا نصیر کے حال مین لکھا ہے:-

"بارہا ہنگامۂ مشاعرہ مین حریف ہنوز انشاد اشعار سے فارغ نہین ہوا کہ اوس نے اوس کو تاہ مدت مین شمع مقابل رکھ کر اشعار موزان تراز شعلۂ شمع بقدر دو تین غزل کے لکھ کر مشتاقان سخن کے گوش گذار کردئے،"

[۵۱] آبحیات ص ۴۲۲، ۲۳ ۔ ص ۴۹۰،

اس مسابقت کا ایک واقعہ اسی تذکرے مین شاہ صاحب کے حال مین لکھا ہو، کہ وہ ایک بار لکھنؤ مین آئے اسوقت مصحفی جرأت اور انشا سب زندہ تھے، بقول صاحب تذکرہ ہر ایک کے دل مین ہوس مطارحہ پیدا ہوئی اور باہمی مشورے سے آٹھ مصرعے مشکل زمینون مین طرح کرکے شاہ صاحب کے پاس پہنچے، شاہ صاحب آنیکے ساتھ ہی دردِ گردہ مین مبتلا ہوگئے تھے، مشاعرے کو صرف تین دن باقی رہ گئے تھے، تاہم غیرت کے تقاضے سے نہ صرف ان زمینون مین غزلین لکھین بلکہ خود ایک اور غزل لکھی، جسکی ردیف وقافیہ چین کی لکھی اور کفن کی لکھی تھی اور مشاعرے مین داد تحسین حاصل کی[1]

ایک بار شاہ صاحب سفر لکھنؤ سے واپس آئے اور دو غزلین جو شعرائے لکھنؤ کی فرمایش سے کہی تھین ایک مشاعرے مین پڑھین، ان مین ایک کا مطلع اور ایک کا ایک شعر یہ ہے،

ہم چھڑک کر توڑتے سارے قفس کی تیلیان — پر نہ تھین اسے ہمصفیر و اپنے بس کی تیلیان

برہمن اپنے بتون کو بجز اسجدہ نہ کر — آدمِ مردہ ہین بے گور و کفن پتھر کے،

ان کی بڑی تعریفین ہوئین تو بعض اساتذہ کے دل مین رشک پیدا ہوا اور اپنے شاگردون سے ان دونون زمینون مین غزلین کہلائین، یہ بات شاہ صاحب کو ناگوار ہوئی، اور پہلی زمین مین تقریباً پچاس غزلین کہلاکر اپنے شاگردون کے نام سے آیندہ مشاعرے مین پڑھوائین، اس سے رشک و حسد کا بازار گرم ہوگیا، اور اوس کے بعد شعرا نے یہ التزام کرلیا کہ ہر مشاعرہ مین اسی زمین مین غزل طرح ہو، اور لوگ تو صرف آٹھ نو شعر مشاعرے مین پڑھتے تھے لیکن شاہ صاحب ہر بار ساٹھ ستر اشعار کا دو غزلہ پڑھتے تھے، اور اون کے شاگردون کی غزلین بھی جو انیس بیس شعر سے کم نہ ہوتی تھین اونھین کی طبعزاد ہوتی تھین[2]

ان وجوہ کے علاوہ ایک عام مجمع مین شعرا و اساتذہ کی داد تحسین بھی نو مشق شعرا کی ترقی و شہرت کا بہت بڑا ذریعہ تھی، مولوی محمد حسین آزاد نے ذوق کے حال مین لکھا ہو، کہ انھون نے ایک مشاعرے مین ایک غزل پڑھی، تعریف زیادہ ہوئی تو حوصلہ بڑھا، اور بے اصلاح مشاعرے مین غزل پڑھنے لگے اب کلام کا چرچا زیادہ ہوا،

---

[1] گلستان سخن ص ۴۵۹، [2] ص ۱۶۲

اور بزرگان پاک طینت جو اساتذہ سلف کی یادگار باقی تھے مشاعرون مین تعریفین کرکے دل بڑھانے لگے[۱]

لیکن ان تمام باتون کے ساتھ مشاعرون کے اخلاقی نتائج نہایت ناگوار بلکہ خطرناک ہوئے چنانچہ ایک نواب صاحب کے یہان مشاعرہ تھا، وہ شیخ ناسخ کے معتقد تھے اس لئے ارادہ کیا کہ شیخ صاحب جب غزل پڑھچکین تو وہین سر مشاعرہ خلعت دین لیکن یارون نے خواجہ آتش کے پاس مصرع طرح نہ بھیجا، اونھین مصرع اوس وقت پہنچا جب مشاعرے کو صرف ایک دن باقی تھا، وہ نہایت برہم ہوئے اور شہر کے باہر جاکر ایک مسجد مین جا بیٹھے اور وہان سے غزل کہکر لائے اور مشاعرے مین گئے تو قرابین بھر کر لیتے گئے اول تو اونکا انداز ہی بانکے سپاہیون کا تھا، اس پر قرابین سامنے بھری ہوئی رکھی تھی، اور معلوم ہوتا تھا کہ خود بھی بھرے بیٹھے ہین، بار بار قرابین اوٹھاتے تھے، اور رکھ دیتے تھے جب شمع سامنے آئی تو سنبھل کر ہو بیٹھے، اور شیخ صاحب کی طرف اشارہ کرکے پڑھا،

سُن تو سہی جہان مین ہے تیرا فسانہ کیا، کہتی ہے تجھکو خلق خدا غائبانہ کیا

اس ساری غزل مین کہین اون کے مالک ہونے پر کہین ذخیرۂ دولت پر کہین ان کے سامان امارت پر غرض کچھ نہ کچھ چوٹ ضرور ہے، شیخ صاحب بیچارے دم بخود بیٹھے رہے، نواب صاحب ڈرے کہ خدا جانے یہ اون پر قرابین خالی کرین، یا میرے پیٹ مین آگ بھر دین، اوسی وقت داروغہ کو اشارہ کیا کہ دوسرا خلعت خواجہ صاحب کے لئے تیار کرو غرض دونون صاحبون کو برابر خلعت دیکر رخصت کیا[۲]

اسی رشک و منافست کا یہ نتیجہ تھا کہ دونون بزرگ کبھی ایک مشاعرے مین شریک نہین ہوتے تھے، اور لکھنؤ کے مشاعرون مین اب بھی اس رشک و منافست کے ناگوار مناظر نظر آتے ہین،

دور جدید مین اگرچہ مشاعرے کی قدیم شکل بھی قائم رہی تاہم اس دور مین اردو شاعری کی اصلاح کے ساتھ مشاعرون کی بھی اصلاح ہوئی، اور سب سے پہلے کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم نے جب اردو شاعری کی اصلاح کی طرف توجہ کی تو اس سلسلے مین اونھون نے ایک بزم مشاعرہ بھی قائم کی جس مین مصرع طرح کے بجائے کوئی خاص مضمون

[۱] تذکرۂ آبحیات صفحہ ۳۴۱، ۳۴۲ [۲] صفحہ ۳۴۲

دیا جاتا تھا کہ عاشقانہ مضامین کی جگہ مناظر قدرت اور جذبات انسانی پر شعرا طبع آزمائی کریں۔ مولانا حالی اور مولوی محمد حسین آزاد نے جو اس وقت سررشتۂ تعلیم سے متعلق تھے، اس مشاعرے میں خصوصیت کے ساتھ حصہ لیا، اور حب الوطنی اور مناظر قدرت پر چھوٹی چھوٹی مثنویاں لکھیں، اور اسی مشاعرے کے ذریعہ سے جدید شاعری کا آغاز ہوا۔ اگرچہ عام طور پر اس قسم کے مشاعروں کا رواج نہ ہو سکا، تاہم اب بھی کبھی کبھی اس قسم کے مشاعرے ہوتے رہتے ہیں جن میں غزل کے بجائے مختلف موضوع پر نظمیں پڑھی جاتی ہیں، اس لئے ان کے ذریعہ سے ایک نوع کی شاعری کے بجائے مختلف نوع کی شاعری کو ترقی ہوتی ہے۔

جب سے ملک میں نئی نئی یونیورسٹیاں قائم ہوئی ہیں، اور نصاب تعلیم میں اردو زبان داخل ہوئی ہے، جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو بھی مشاعروں کی طرف توجہ ہو گئی ہے، بالخصوص طلبہ اس میں زیادہ دلچسپی لینے لگے ہیں، چنانچہ تقریباً تمام یونیورسٹیوں اور کالجوں میں سالانہ مشاعرے ہوتے ہیں، اور دور دور سے مشہور شعرا مدعو کئے جاتے ہیں، اس لئے اس سے بڑا فائدہ یہ مرتب ہوتا ہے، کہ جدید نسل کو اردو زبان سے بیگانگی نہیں پیدا ہونے پاتی، تاہم اس میں شک نہیں کہ ان مشاعروں میں بہت سی ایسی باتیں پیدا ہو گئی ہیں جن پر ہمارے شعرا کو سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا ہے، ذیل میں صرف چند امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، اور ان کی تفصیل کسی اور موقع کے لئے اٹھا رکھی جاتی ہے۔

۱۔ اس طریقہ سے "غزل گوئی" کی طرف شدت انہماک پیدا ہوا، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ دوسرے اصناف سخن مر گئے،

۲۔ "غزل گوئی" درحقیقت سچے جذبات کے اظہار کی طالب ہے، مگر اس کی اس ہر دلعزیزی نے یہ کیا کہ ہر یاوہ گو کو شاعر بن جانے پر مجبور کر دیا، جس سے شاعری کے وقار کو بہت صدمہ پہنچا،

۳۔ مشاعروں سے داد و تحسین کے حصول کے ایسے طریقے ایجاد ہوئے، جن کا اخلاقی اثر شعرا کے پورے گروہ پر نہایت برا پڑا، اور اس کے لئے نہ صرف غیر منصفانہ بلکہ ناروا طریقوں سے بھی احتراز نہیں برتا جاتا،

(۴) پہلے زمانہ مین مشاعرون کا یہ وقار اور رعب تھا کہ باکمال شعراء یا اون کے منجھے ہوئے شاگردون کے سوا کوئی دوسرا شخص ان مجلسون مین اپنا کلام سنانے کی ہمت نہین کرسکتا تھا، مشاعرون مین استادون کے چشم و ابرو کے اشارے دیکھے جاتے تھے، اور اون سے کلام کی صحت و سقم پر استدلال کیا جاتا تھا، مگر آج کل کی خرابازاری اور فن کی عدم واقفیت نے ہر طفل سواد خوان کو اس کا اہل بنا دیا ہے کہ دو چار فقرے موزون کرکے اہل بزم سے داد حاصل کرے اور اگر نہ ملے تو سخن ناشناسی کا الزام اون پر قائم کرکے دنیائے ادب کی سونی ہوجانے پر ماتم کرے،

یہ تمام امور اہل ادب اور اصحاب شعر و سخن کی توجہ کے مستحق ہین،

گل رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اوس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو مین شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے، جسمین آب حیات کی غلطیون کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۰ صفحے قیمت ۵ر

کلیات شبلی اردو

مولینا کی تمام اردو نظمون کا مجموعہ، جسمین مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسون مین پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمین جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہین یکجا ہین، یہ نظمین درحقیقت مسلمانون کے چہل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، کھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ ضخامت ۱۲۰ صفحے، قیمت ۱ر

"منیجر"

حاشیہ بیضاوی شاہ وجیہ الدین صاحب

معارف کے دو پچھلے پرچون مین حضرت شاہ وجیہ الدین رحمۃ اللہ علیہ کے جو حالات مولینا سید ابوظفر صاحب ندوی کے قلم سے شائع ہوئے ہین، اونھون نے اہل علم مین اس محترم ہستی کے متعلق بڑی دلچسپی پیدا کردی ہی،

معارف اس پر بجا فخر کرسکتا ہی کہ اوس کے ناظرین مین ایسے ارباب علم ہین، جو اس مین شائع ہونے والے ہر مضمون کو میزان علم مین تولتے، اور محک نظر سے پرکھتے ہین،

صاحب مضمون کو شاہ صاحب کے مزار کی تعمیر کے تاریخی مصرع:-

عرش اسلام و قبلۂ مقبل

مین جو غلط فہمی ہوئی تھی، اوسکی تصحیح، نواب صدر یار جنگ مولینا شروانی کے علاوہ مرزا عزیز دارا پوری نے لاہور سے کرکے بھیجی ہی، جو بعینہ وہی ہی جو مارچ کے معارف مین مضمون مذکور کے آخر مین چھپ چکی ہی،

مضمون نگار نے اپنے علم کے مطابق شاہ صاحب کی تصنیفات کے متعلق یہ لکھا تھا، کہ "شاید ہی کوئی ان مین سے طبع ہوئی ہو" مولینا عبد العزیز صاحب میمن پروفیسر عربی مسلم یونیورسٹی اطلاع دیتے ہین کہ کم از کم انکی ایک کتاب مختصر کافیہ ایسی ہی، جو کسی زمانہ مین بمبئی مین چھپی تھی، اور وہان کے کتبخانون مین اب بھی ملیگی،

صاحب مضمون کو شاہ صاحب کے حاشیۂ بیضاوی کے نہ ملنے کا افسوس رہا اور اون کو اتنا ہی معلوم ہوسکا کہ مدراس کے کسی بزرگ کے پاس یہ انمول موتی ہی، مگر معارف کو اب تک اس کے دو نسخون کا پتہ چل چکا ہی،

پروفیسر عبد العزیز صاحب میمن فرماتے ہین کہ اون کے پاس اس حاشیہ کا وہ نسخہ تھا، جو خاص مصنف کے نسخہ سے منقول تھا، اور اب یہ نسخہ کتبخانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن مین ہی،

نواب صدر یار جنگ رقم فرماتے ہیں :-

حاشیۂ موصوف کا پورا نسخہ میرے کتابخانے (واقع حبیب گنج علی گڈھ) میں ہے. خوشخط اور جہاں تک دیکھا صحیح ہے تعداد صفحات (۳۷۴) ہے. فی صفحہ سطر (۲۴) خفی قلم. پہلے چند ورق ایک قلم کے ہیں. باقی دوسرے قلم کے جو زیادہ خوشخط نسخ ہے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کاتب نے چند ورق لکھ کر چھوڑ دئے. دوسرے نے پوری کی. دوسرے کاتب کی تحریر وسط صفحہ سے شروع ہوتی ہے.

ابتدا یوں ہے. الحمدُ للہ ربّ العالمین والصلوٰۃ علی سیّد العالمین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین.

شرح تفسیر قولہ کرکے شروع کرتے ہیں. حواشی مختصر مگر واضح اور موضح ہیں.

کاتب نے آخر میں لکھا ہے کہ "تمام شد حاشیۂ میان وجیہ الدین بر تفسیر بیضاوی. بتاریخ ۲۲ شہر ذی حجہ روز دوشنبہ ۱۰۷۳ در احمد آباد."

شاہنامۂ اسلام کی دوسری جلد

حضرت حفیظ جالندھری کے شاہنامۂ اسلام کی دوسری جلد انشاء اللہ تعالیٰ اس ماہ کے اندر شایع ہو جائیگی. اس میں غزوات نبوی میں سے غزوۂ بدر اور غزوہ احد کے حالات اور صحابۂ کرام کی جان نثاری کا مرقع کھینچا گیا ہے، یہ جلد بھی پہلی جلد کی طرح دو ہزار اشعار پر مشتمل ہے، کتابت، طباعت اور کاغذ پہلی جلد سے بھی بہتر ہے، تقطیع اور ضخامت بھی وہی ہے، اور قیمت بھی وہی ہے، یعنی تین روپئے فی جلد، علاوہ محصول ڈاک، اس جلد کے بھی ایک خاص اڈیشن کی ۱۵۰ کاپیاں چھاپی گئی ہیں، مجلّا مطلّا اور مذہب ہیں، اس کی قیمت فی جلد ساڑھے بارہ روپئے ہوگی،

ملنے کا پتہ

کتبخانہ شاہنامۂ اسلام، انارکلی، لاہور

تابشِ سہیل

از

جناب اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے، ال ال بی علیگ اعظم گڈھ،

زبانوں پر نہیں اب طور کا افسانہ برسوں سے
تجلی گاہ ایمن ہے دلِ ویرانہ برسوں سے

کچھ ایسا ہے فریبِ نرگسِ مستانہ برسوں سے
کہ سب بھولے ہوئے ہیں کعبہ و بتخانہ برسوں سے

وہ چشمِ فتنہ گر ہے، ساقی مے خانہ برسوں سے
کہ باہم لڑ رہے ہیں شیشہ و پیمانہ برسوں سے

نہ اب منصور باقی ہے نہ وہ دار و رسن لیکن
فضا میں گونجتا ہے نعرۂ مستانہ برسوں سے

چمن کے نونہال اس خاک میں پھولیں پھلیں کیونکر
یہاں چھایا ہوا ہے سبزۂ بیگانہ برسوں سے

وداع اے پاسِ تمکیں، رخصت آئینِ خودداری
جنوں بھولا ہوا ہے لغزشِ مستانہ برسوں سے

یہ آنکھیں مدتوں سے خوگرِ برقِ تجلی ہیں
نشیمن بجلیوں کا ہے مرا کاشانہ برسوں سے

ستم کو اہتمامِ دلفریبی اب نہیں باقی
وہ زلفیں ہو رہی ہیں بے نیازِ شانہ برسوں سے

نہیں اب وہ نگاہِ شرمگیں کے وار چھپ چھپ کے
کہ اب ناوک زنی ہوتی ہے بیباکانہ برسوں سے

حرم والوں میں شایانِ کرم شاید نہیں کوئی
کہ برقِ امتحاں لرزاں ہے بیتابانہ برسوں سے

کوئی شوریدہ سر باقی نہیں کیا اہلِ تقویٰ میں
کہ ہے سیماطلب سنگِ درِ جانانہ برسوں سے

ترے قرباں ادھر بھی ایک جھونکا ابرِ رحمت کا
جبینوں میں گرہ ہے سجدۂ شکرانہ برسوں سے

دکھا دے ایک جلوہ پھر اسی شانِ جمالی کا
نگاہیں منتظر ہیں جس کی مشتاقانہ برسوں سے

سہیل اب کس کو سجدہ کیجئے حیرت کا عالم ہے
جبیں خود بن گئی سنگِ درِ جانانہ برسوں سے

"رنگِ حسرت"

از جناب جلیل قدوائی بی اے

اُون کو مجھ سے جواب حجاب نہین، دل کو بھی اب وہ اضطراب نہین،
ہے اُنھین مجھ پہ اعتماد وفا اب وہ اگلا سا اجتناب نہین،
بخش کر لطفِ وصل کہتے ہین، پھر کہوگے کہ کامیاب نہین ؟"
اس قدر ہین وہ مہربان مجھ پر، اُن کے الطاف کا حساب نہین،
کامیابِ وصالِ جانان ہون، پھر بھی کہتے ہین "کامیاب نہین،
مین تو سیراب عیشِ وصل کرون کیا کرون تجھ مین اس کی تاب نہین!"
مین یہ کیون کر کہون کہ حسبِ مراد دلِ پر شوق کامیاب نہین،
آپ سے چھٹ کے رہ نہین سکتا پر خدا اتنی دل کو تاب نہین،
اب بھی ہون بیقرارِ لطف و کرم ہان وہ اگلا سا اضطراب نہین،
آپ کے رحم کی ضرورت ہو، حالِ دل اس قدر خراب نہین،
وہ نظر لاکھ بے حجاب سہی، شوقِ گستاخ کا جواب نہین،
آج دنیائے دلبری مین کہین آپ کے حسن کا جواب نہین،
رُخِ جانان مین اب بھی ہے اک بات گو وہ پہلی سی آب و تاب نہین،
آپ کے چشمِ مست کے آگے اثرِ ہستیِ شراب نہین،
آپ کے حُسن کے مقابل مین کوئی شے سُرخیِ گلاب نہین،
سچ تو یہ ہے جمالِ جانان کا ایک پرتو ہے آفتاب نہین،
آج تیرے سوا جلیل کوئی رنگِ حسرت مین کامیاب نہین،

باب التقریظ والانتقاد

تاریخ مبارک شاہی

مصنفہ شمس العلماء مولوی ہدایت حسین صاحب شائع کردہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی نمبر ۱ بارک اسٹریٹ کلکتہ ضخامت ۲۰۰ صفحے

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی نے ہندوستان کی اسلامی تاریخوں کے چھاپنے اور شائع کرنے کی جو قیمتی کوششیں کی ہیں وہ پورے ملک کے شکریہ کی مستحق ہیں، اسی طرح سوسائٹی کے موجودہ عہد میں شمس العلماء مولوی ہدایت حسین صاحب نے اس قسم کی مفید کتابوں کی تصحیح و تحشیہ میں جو مفید خدمات انجام دئے ہیں وہ بھی ہم سب کے اعتراف کے لائق ہیں، چنانچہ اس سلسلہ کی اخیر کڑی تاریخ مبارک شاہی ہمارے سامنے ہے،

اسمیں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کی سیاسی اسلامی تاریخ میں سید بادشاہوں کی حکومت کا دور جو ۸۱۴ھ سے شروع ہو کر ۸۴۴ھ پر تمام ہوتا ہے بیحد تاریکی میں ہے اور اب تک اس دور کے متعلق کوئی اطلاع اولین ہمارے پاس موجود نہ تھی اس لئے اس تاریخ مبارک شاہی کی اشاعت جس کا تعلق اسی دور سے ہے، ہمارے لئے بہت کچھ سود مند ہے

مصنف کا نام یحییٰ بن احمد بن عبداللہ ہے سہرند کا رہنے والا ہے، اس لئے وہ اپنے کو سہرندی کہتا ہے مبارک شاہ کی تخت نشینی کے بعد جو ۸۳۴ھ میں ہوئی تھی یہ کتاب تالیف کی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مبارک شاہ ہی کے زمانہ میں ۸۳۱ھ میں اوس نے ختم کی چنانچہ اس ۸۳۱ھ کے تحت میں (ص ۲۱۱) بادشاہ عصر کی دعائے حیات و قیام کے بعد لکھتا ہے۔

"این دعا گوی می خواست کہ بہم اصحاب انشاء و ارباب املا سخنی چند در اختتام این کتاب گوید و ختم ہم در دعای شاہ عالم پناہ کند فاما چون ہنوز از بستان سلطانی و گلستان جوانی اریک گل از نہال شگفتہ است.... بقدوت قائم

گذاشت و بر خود الزام نمود کہ فتوحات شوکت آیندہ و قصہ ارادت دولت پایندہ اگر دای راحیات فاکند ہر سال ایفاے رسانا

و درین صحیفہ ثبت گرداند انشاء اللہ تعالیٰ و ہو الموفق للاتمام والمیسر للاختتام"

مصنف نے اس کے بعد حسب وعدہ باقی شہان ۸۳۳ھ سے ربیع الآخر ۸۳۸ھ تک مبارکشاہ کی وفات (۸۳۷ھ) اور پھر محمد شاہ بن فرید شاہ کی تخت نشینی اور بعد ازیں ایک سال تک وداد ربیع الآخر ۸۳۸ھ تک سمین موجود ہے اور اخیر میں خاتمہ کی کوئی تمہید نہیں ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ مصنف کی وفات پر یہ کتاب یوں ہی ختم ہو گئی ہے اور اوس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہی (ربیع الآخر ۸۳۸ھ) مصنف کی تاریخ وفات ہو کتاب کا آغاز محمد بن سام غوری کے حالات سے ۵۶۹ھ سے کیا ہے اور اوسکے بعد سلاطین غلجی تک اختصار کے ساتھ سب بادشاہوں کے سوانح لکھے ہیں بعد ازیں سید خاندان کے بانی خضر خان بن سلیمان خان کے واقعات ۸۱۴ھ سے کسی قدر مفصل لکھنے شروع کئے ہیں خضر خان کے بعد مبارکشاہ اور پھر محمد شاہ کے ایک سال کے حالات پر کتاب کا خاتمہ ہو گیا ہے

خیال تھا کہ اس کتاب سے اس خاندان کے انتساب سیادت کی تحقیق میں مدد ملے گی، مگر اس معاصر تاریخ میں بھی سید جلال بخاری کے مشہور قول "این سیدزادہ را کے سوا، اور اس شہادت کے سوا کوئی اور مذکور نہیں ہے کہ بادشاہ میں حلم و عفو و نرمی و درگذر کے جو اوصاف ہیں، وہ اوسکی سیادت کی دلیل نہیں،

اس کتاب کا نسخہ سب سے پہلے سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے (سابق رفیق دار المصنفین) کو حال پر وفیسر اسماعیل کالج بمبئی کے ذریعہ مصحح کو ملا جو کسی قدر ناقص تھا پھر بعد کو برٹش میوزیم اور بوڈلین لائبریری کے دو اور نسخے ملے جنکے مقابلہ سے یہ نسخہ تیار ہوا ہے

اس کتاب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی مانیکا کتھوں نے سلطنت کے کاروبار اور سیاسیات میں دخل دینا شروع کر دیا تھا، اور تعجب ہوتا ہے کہ قلم کیساتھ تلوار میں بھی اون کے ہاتھوں میں نظر آتی ہیں مصحح نے کتاب کے مختلف نسخوں کی تصحیح و مقابلہ کے علاوہ کتاب میں جا بجا حواشی بھی لکھے ہیں اور آخر میں مضامین کی فہرست کے بعد اشخاص کی اور پھر مقامات کی دو اور فہرستیں بنا کر شامل کتاب کی ہیں

کتاب گو واقعات کے لحاظ سے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی مگر اپنے دور کی تنہا ماخذ ہونیکے سبب سے قابل قدر ہے چنانچہ پچھلے مورخین میں فرشتہ اور ملا بدایونی اور نظام الدین وغیرہ نے اسکے حوالے دئے ہیں اور اس سے واقعات نقل کئے ہیں، بہر حال اس کتاب کی اشاعت سے دور کی تاریخ کے اصل ماخذ تک ہماری رسائی ہو گئی اور اس کیلئے ناشر و مصحح کے خدمات کا دوبارہ شکریہ ادا کرتے ہیں، "س"

مطبوعات جدیدہ

ریاست، از افلاطون مترجمہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب ایم اے، پی ایچ، ڈی، جم ۴۰۴ صفحے شائع کردہ انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن، قیمت،

افلاطون کی کتاب ریاست جو اب تک اردو میں جمہوریت افلاطون کے نام سے موسوم تھی علم سیاست کی کلاسیکل کتابوں میں ہے، اس کے مختصر خلاصے اور اس سے مستفاد مضامین اب تک اردو رسالوں میں چھپتے رہتے تھے، مسرت ہے کہ اب اس کا مکمل و مستند ترجمہ شائع کیا گیا، اور ترجمہ کے لئے ایسے شخص کو منتخب کیا گیا، جو فلسفہ و سیاست دونوں میں صاحب نظر ہے، ترجمہ ذاتی دلچسپی اور طبعی ذوق سے کیا گیا ہے، اس لئے ترجمہ کی روانی، سلاست، اور انداز بیان کی شگفتگی سے پڑھنے میں افسانہ کا لطف آتا ہے، خصوصاً اس لئے کہ کتاب علمی سوال و جواب کے رنگ میں ہونے کے بجائے، ہنستے بولتے مجمع اور مجلسی اشخاص کے مکالمہ کے طرز میں ہے، مترجم نے ابتدا میں ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں افلاطون کے سرسری حالات زندگی، اور اس کے فلسفہ اور اس کتاب کے مباحث کو روشناس کیا ہے، اور افلاطون کے بعض نظریوں کے متعلق دور حاضر میں جن غلط فہمیوں کے پیدا ہونے کا امکان ہے، اون کو دور کیا ہے،

ریڈیو، از جناب منہاج الدین، ایم ایس سی پروفیسر علوم طبعیات اسلامیہ کالج پشاور، کاغذ چکنا ولایتی، حجم ۲۰۰ صفحے قیمت خوبصورت سنہری جلد ہے ۱۲ مصنف سے منگتی ہے،

پروفیسر منہاج الدین اون لوگوں میں ہیں، جو سائنٹفک مباحث و معلومات کو اردو میں منتقل کرنے کی خدمت مستقل طور پر انجام دے رہے ہیں، اون کی آخری زیر نظر تالیف "ریڈیو" یعنی بے تار پیام رسانی ہے جس میں علم برق کے ابتدائی معلومات

دیگران کا تعلق لاسلکی سے دکھایا ہی، پھر لاسلکی کی ایجاد اور اسکی تدریجی ترقی بیان کی ہے، ریڈیو کے امواج کی ترکیب اور ان کے اثرات و نتائج پیش کئے ہین، لاسلکی کی فرمگاہین اب ہندوستان مین بھی بہ کثرت رواج پا رہی ہین، اس لئے اس کا مطالعہ دلچسپی سے کیا جائیگا، لیکن کتاب کی فنی حیثیت نمایان ہی، اسلئے اصطلاحات زیادہ ہین،

سیرت محمد علی:- مرتبہ مولوی رئیس احمد صاحب جعفری ندوی، شائع کردہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، حجم ۴۴۸ صفحے، قیمت ۱- ۸ ر

مولینا محمد علی مرحوم کے سانحہ وفات پر اون کی یادگار کے قیام کا مسئلہ ملک مین اوسی زور و شور سے اٹھا تھا جیسے دوسرے اکابر کی وفات پر یہ تحریک اُٹھتی رہی تھی، بالآخر مولانا مرحوم کی ایک ایسی مفصل سیرت کی ترتیب کا خیال پیدا ہوا، جو نہ صرف سیرت محمد علی ہی بلکہ دور حاضر کے پچیس برسون کے ہندوستان کے اسلامیات و قومیات کی مفصل سرگذشت ہو، لیکن جب اس مین بھی تعویق ہوئی تو مولینا عبدالماجد صاحب دریابادی کی تحریک سے مکتبہ جامعہ ملیہ نے زیر نظر کتاب شائع کی جس مین کم و بیش اون ابواب کو روشناس کرنے کی کوشش کیگئی ہی جن پر مفصل سیرت کی ترتیب کا خیال ہے، شروع مین مولینا عبدالماجد صاحب دریابادی کا ایک پر اثر دیباچہ بھی ہی اسکے مؤلف کی بڑی خوبی یہی ہے کہ کم سے کم فرصت مین زیادہ سے زیادہ معلومات جمع کرکے اون کو دلچسپ اسلوب مین مرتب کر دیا ہے، ضرورت ہے کہ اہل ذوق اوسکی خریداری و اشاعت مین پوری کوشش کرین تاکہ اپنے ایک ہر دلعزیز قائد کی سیرت کے پڑھنے کے علاوہ ایک قومی دوسگاہ کی اعانت کا فائدہ بھی پہنچے،

علم کلام مرزا، مولفہ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب، امرتسری، حجم بہ ترتیب ۸۰ و ۲۴۰ صفحے، قیمت بہ ترتیب

عجائبات مرزا، ۸ ر و ۲ ر، پتہ دفتر اہلحدیث امرتسر،

مولینا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب مذہبی مناظرہ مین مرزا صاحب کی زندگی مین اون کے حریف و مقابل تھے اور اتنک وہ مناظرانہ مذہبی رنگ کے بکثرت رسالے احمدیت پر لکھ چکے ہین، لیکن زیر تبصرہ رسالے مذہبی مناظرہ کے بجائے علمی بحث و تمحیص کے نقطۂ نظر سے لکھے ہین، جنہین بقول مصنف یہ دکھانا مقصود ہے کہ "مرزا صاحب کی تصانیف کس صنعت سے ہین"، اور اسی لحاظ سے تصنیفات پر نظر ڈالی ہے، مصنف رسالہ اگر برا نہ مانین تو جیسا کہ خود انھین اقرار ہے اون کی یہ کتاب کامل اور استقصا تام

پر مبنی نہین، اس پر تو اچھی خاصی بڑی کتاب تیار ہو سکتی ہو، شاید مصنف کو قلت فرصت کا عذر ہو،

مرزا صاحب کی تصنیفات پر اگر بامعان نظر ڈالی جائے تو مثلاً ذیل کے امور کا بخوبی اندازہ ہو کہ وہ بسیار نویس تھے اور اپنی تحریرون مین بڑے بڑے اصول بنانے کے خوگر تھے، اون کے وہ اصول محض وقتی و ہنگامی ہوتے جب کسی دوسرے مدعا کے اثبات کا وقت آتا وہ فراموش ہو جاتے، نئے اصول مدون ہوتے جو ممکن تھا پہلے اصولون کے برعکس ہون، اس لئے مرزا صاحب کی تصنیفات کا بڑا حصہ محض شاعرانہ، بلکہ ذاتی مفروضات، فرضی دلائل، اور کہین لفظی ضلع جگت پر مبنی ہے، اس کا بہترین نمونہ براہین احمدیہ ہے، اسی طرح نظر آتا ہو کہ وہ غیر محتاط حوالون کے دینے مین جری تھے، اگر محض اسی موضوع پر کوئی مستقل کتاب لکھی جائے تو بیحد دلچسپ ہو، ہان ایک طریقہ استدلال ایسا ہے جسکو مرزا صاحب نے استعمال کیا کہ اسلام اس لئے بہتر مذہب ہے کہ اون جیسا شخص اس مین پیدا ہوا، وہ فلان پیشینگوئی کرتے ہین، جو صدق و کذب کی نشانی ہوگی، پھر یہ کہ وہ پیشینگوئی صحیح ہوئی یا غلط اس پر مباحث اور سوال و جواب کا ایک سلسلہ چلتا،

مرزا صاحب کے دعاوی اور تاویلات اون کی مہدویت اور ذاتی مسیحیت کو چھوڑ کر اون کے دو معاصرین سرسید احمد اور مولوی محمد احسن صاحب امروہوی مصنف تفسیر شاہی سے حرف حرف ماخوذ ہین، اور شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ کے مضامین بھی کہین کہین بے اظہار نام لے لئے گئے ہین لیکن اگرچہ مرزا صاحب نے سرسید کے خیالات کو اپنے نام سے پیش کیا، تاہم دونون مین کچھ فرق رہ جاتا ہی، سرسید اپنے جانتے اپنے خیالات پر دلائل عقلی سہرہ ہرین لگاتے ہین، اور مرزا صاحب اونھی باتون کو لفظی صناعیون اور خود ساختہ اصولون سے پیش کرنا چاہتے ہین، کہ وہ عقلی دلائل اون کے نفس مدعا کے خلاف پڑتے ہین، ایک اور فرق ان دونون مین یہ ہے کہ سرسید مہدی کے منکر تھے، اور احادیث مہدی کو جعلی مانتے تھے، اور مرزا صاحب اون کو حرف حرف صحیح مان کر اپنے کو ان سب کا مورد بتاتے تھے،

عیسائیون کے رد مین ہمارے علمائے اسلام نے ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے پس و پیش جو کارنامے انجام دئے، افسوس ہے کہ پروٹیسٹنٹ کے ذریعہ وہ فراموش ہوتے جارہے ہین، اور اون کی ناشکری ہو رہی ہے، ڈاکٹر وزیر الدین صاحب، مولانا رحمت اللہ صاحب، سرسید، مولوی چراغ علی اور مولینا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہم نے اسوقت جو کارنامے انجام دئے، وہ

مرزا صاحب بدرجہا بہتر ہین، اسی طرح آریون کے مقابلہ مین خاص بانی آریہ سماج دیانند سوامی کے رد مین مولانا قاسم صاحب بانی مدرسۂ دیوبند نے جو کام کیا، اس کا اعتراف نہ کرنا کفرانِ محسن ہی،

ہان مرزا صاحب نے ان بزرگون سے جس بات مین سبقت کی، وہ مخالفین کے طرز اسلوب اور مبا کی زبان کا کلہ بکلہ جواب دینا ہے، مثلاً عیسائی نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کو سخت سست الفاظ مین یاد کرتے تھے، مسلمان مجبور اوس کے جواب مین حضرت عیسیٰ پر حرف نہین رکھتے، مرزا صاحب نے اس بزرگی کی احتیاط نہین کی، اور اسی قسم کے الفاظ مین مسیح کو یاد کیا اور اسمین حرج نہین پر بھی بازی لے گئے، اسی طرح مثلاً شیعی مناظر سنیون کے جواب مین حضرت علی مرتضیٰ یا حسنین رضی اللہ عنہم کی توہین نہ کرسکتے تھے، مرزا صاحب نے اس مین بھی ترکی بترکی اصول ملحوظ رکھا، یہ چند اشارات ہین، جو غیر فرقہ آرایانہ طور پر محض علمی حیثیت سے پیش ہوئے اور جن کے مباحث اسی نقطۂ نظر سے اس موضوع کی کتاب مین تفصیل سے دکھائے جاسکتے ہین،

دیوانِ گرامی (فارسی)، یعنی مجموعۂ کلام ملک الشعرا شیخ غلام قادر گرامی، ناشر شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب اندرون لاہوری دروازہ، لاہور، حجم ۲۱۶ صفحے، قیمت:- ۱؎

فارسی ادب کے ارباب ذوق کو حضرت گرامی کے دیوان کی اشاعت کا انتظار تھا، مسرت ہے کہ شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب لاہور نے یہ خدمت انجام دی، یہ مجموعہ غزلیات، ثنویون اور مناقب و قصائد و قطعات سب پر مشتمل ہی، ثنویون اور قطعون پر تعلیقات و حواشی بعض فارسی اور بعض اردو مین درج ہین جنمین بعض خود گرامی کے قلم کے معلوم ہوتے ہین، کوئی دیباچہ یا مقدمہ منسلک نہین، اگر گرامی کا مختصر تعارف کرادیا ہوتا تو مناسب ہوتا، ورنہ کم از کم ڈاکٹر سر اقبال کی وہ تحریر شامل کردینی چاہئے جو انھون نے گرامی کی وفات پر اخبار انقلاب مین شائع کرائی تھی،

یازدہ سورہ شریف، ناشر جناب ماسٹر محمد حسان، ہیکوآرٹ پریس لاہور، بتقطیع ۱۲۸ صفحے قیمت:- ۸؎

یہ ایک خوشنما پاکیزہ خط رنگین و منقش سرورق، طلا کار جلد اور نفیس کاغذ پر رنگین اور منقش حواشی سے چھپا ہوا مختصر مجلد مجموعہ ہے، جس مین قرآن مجید کی گیارہ سورتین اور چند اوراد و وظائف جمع کئے گئے ہین، ہر صفحہ کے سامنے دوسرے صفحہ پر آیات داوراد کا اردو ترجمہ بھی درج ہی، اس خوبی و خوبصورتی اور حسن اہتمام سے شاید قرآن پاک کا کوئی حصہ کبھی ہندستان مین طبع ہوا ہو،

" ز "

کی تعمیر ہے، جو قوم اپنے قومی و مذہبی اخلاق اور کیرکٹر سے محروم ہوگی، وہ باعزت زندگی سے بھی محروم رہیگی، پھر یہ ثابت کیا گیا کہ یونیورسٹیون کی جس اعلیٰ تعلیم کی طرف ہم جارہے ہین، وہ ہماری شکم سیری کے سامان سے اب تمامتر عاجز ہے، اعلیٰ تعلیم کی طلب صرف علم کی خاطر ہونی چاہئے، بقیہ عام تعلیم صرف شکم سیری کی تدبیرون کے لیے چاہیے، درمیان مین یہ بتایا گیا تھا کہ موجودہ سرکاری تعلیم، صرف حکومت کے نقطۂ نظر سے دی جارہی ہے، قومی نقطۂ نظر سے یہ نظام تعلیم سراسر خالی ہے اور دین وملت کی پُرحرارت روح سے تمامتر تہی مایہ ہے، یہ بھی کہا گیا کہ میونسپلٹیون اور ڈسٹرکٹ بورڈون کے ذریعہ جو ابتدائی دیہی اور شہری تعلیم دیجارہی ہے اس مین مسلمانون کی ابتدائی تعلیم غیر مشترک اور علیحدہ نظام کے ماتحت ہونی چاہئے، اور مقرر کی نگاہ مین اسلام اور مسلمانون کے مصالح کی خاطر غیر مخلوط انتخاب سے زیادہ غیر مخلوط ابتدائی تعلیم کے مطالبہ کی ضرورت ہے، آخر مین ہندوستان کی زبان کے ذریعہ تعلیم بنانے پر زور دیا گیا تھا

لاہور کے شاہدرہ اسٹیشن سے چند اسٹیشنون کے بعد ایک قصبہ "بدوملہی" ہے، ہم نے حیرت کیساتھ سنا کہ یہ چھوٹا سا قصبہ ہندوستان بھر کے مذاہب کا اکھاڑہ ہے، قادیانی اور احمدی لاہوری جماعتون کے علاوہ عیسائیون اور آریون کا بھی بڑا مرکز ہے، اور کس قدر افسوس کے ساتھ سنا کہ ایک مسلمان زمیندار خاندان یہان عیسائی ہوگیا ہے، یہان کے غریب مسلمان جو زیادہ تر کاشتکار اور مزدور پیشہ ہین، وہ ان مختلف تحریکات اور ترغیبات کے سنگار ہورہے ہین چند سال سے یہان کے بعض مسلمانون نے ایک اسلامی انجمن کے ذریعہ اپنی تنظیم کا کام شروع کیا ہے، ۱۳- اپریل کی دوپہر کو یہان کے مسلمانون کے شدید اصرار پر لاہور اسٹیشن سے وہان جانا پڑا، وہان مسلمانون کی اصلاحات پر دو دو تقریرین کین، امید ہے کہ وہان مسلمانون کی کوششون سے اب ایک ابتدائی اسلامی تعلیم گاہ کا انتظام ہوجائے، اور مسلمانون کی حفاظت کا کام سرانجام پائے،

گذشتہ اطلاع کے مطابق ۱۵- اپریل کو راقم اور اس کے دو رفقائے دارالمصنفین مولوی سعید صاحب انصاری

اور مولوی ریاست علی صاحب ندوی نے لاہور مین دائرۂ معارف اسلامیہ کے اجلاس مین شرکت کی، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سبب سے یوپی کے بھی بعض اہل علم شریک اجلاس تھے، پہلا جلسہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کی صدارت مین شروع ہوا لاہور کے تمام سربرآوردہ اہل علم اور پنجاب اور دہلی کے کالجون کے مشرقی علوم کے بعض استاد اور پروفیسر بھی شریک تھے، پہلے اجلاس مین صدارتی خطبون کے بعد سب سے پہلا مقالہ راقم الحروف کا پیش ہوا، جسکا عنوان تھا "لاہور کا ایک ہندس خاندان جسنے تاج اور لال قلعہ بنایا" اس مقالہ مین اس خاندان کے تقریباً ڈیڑھ سو برس کے علمی کارنامون کی سرگذشت نامعلوم گوشون سے نہایت تلاش اور تفحص کیساتھ مرتب کیگئی تھی، اور تاریخ مین سب سے پہلی دفعہ اس خاندان کے مورث اول نادرالعصر استاد احمد معمار شاہجہانی لاہوری کے حالات بتائے گئے، اور اسکے بیٹے ملا لطف اللہ مہندس کی (جو شاہجہان کے زمانہ مین موجود تھا، اور داراشکوہ کا درباری تھا) معاصرانہ شہادت سے یہ ثابت کیا گیا کہ تاج کا معمار درحقیقت یہی استاد احمد معمار شاہجہانی لاہوری ہے، یہ ہندسہ، ہیئت اور ریاضیات کا بہت بڑا عالم تھا، اس دریافت سے وہ تمام افواہین جو تاج کے کارگرون اور معمارون کی نسبت مشہور تھین، بے سروپا ہوکر رہ گئین،

ہمارے دو رفیقون مین سے مولوی سعید صاحب انصاری نے عربی علم لغت کی تاریخ بڑی جامعیت کے ساتھ لکھ کر پیش کی، اور مولوی ریاست علی صاحب ندوی نے مسلمانون کے اسلامی تمدن پر اردو مین بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ مشرقی زبان مین سب سے پہلی دفعہ مقالہ پیش کیا جسمین اس جزیرہ نما کے اسلامی تمدن کے ہر شعبہ پر پوری تفصیل کیساتھ گفتگو کی تھی، دوسرے مقررون مین سے جانتک یاد ہے سب سے زیادہ قابل ذکر مضمون دہلی یونیورسٹی کے استاذ علوم مشرقیہ مولنا عبدالرحمن صاحب کا تھا جسمین تیموری بادشاہون کے نظام منصبداری کے اصول پر فاضلانہ تبصرہ تھا، علاوہ ازین پروفیسر شفیع نے تاریخ آل میکال پر سورت کے ڈاکٹر ہجانی نے رسائل اخوان الصفا پر، پروفیسر شیرانی نے اردو کی قدیم نصابی کتابون پر، ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ نے عربی کے موسمی خصائص اور اثرات پر، مولنا عبداللہ صاحب چغتائی نے اسلامی مصوری اور نقاشی پر اور دوسرے فضلا نے مختلف عنوانون پر اپنے اپنے دلچسپ مضامین دائرہ کے مختلف جلسون مین پڑھے اور پیش کئے، اور اسطرح اسلامی مشرقی علوم وفنون کی مجلس کا پہلا اجلاس ۱۶- اپریل کی شب کو بخیر و خوبی ختم ہوا،

مقالات

"انکارِ حدیث"

از مولوی شاہ معین الدین صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین

کچھ دنون سے جب سے "حریت فکر" اور "آزادیِ خیال" کی ہوا چلی ہے، ایک جماعت مین جو مذہب کے قیود سے آزاد ہونا چاہتی ہے، حدیث وسنت کے انکار کی عجب وبا پھیل گئی ہے، مذہب کی گرفت زیادہ تر حدیث وسنت کی وجہ سے ہے، کیونکہ کلام اللہ ایک اصولی کتاب ہے جسمین مذہب کے متعلق صرف اصولی اور کلی قوانین ہین تمام جزئیات کا اس مین استقصا نہین ہے اور نہ ہوسکتا تھا، ان اصول اور کلیات کی تشریحات کا دارمدار تمامتر حدیث وسنت پر ہے، اس لیے آزاد پسند طبائع سرے سے حدیث وسنت کی صحت ہی اور اسکے واجب العمل اور قابل صحت ہونے کا انکار کرتے ہین کہ جب حدیث وسنت ہی کوئی شے نہ رہجائیگی تو مذہب کی گرفت خود بخود ڈھیلی پڑجائیگی اور مذہب صرف چند عقائد اور چند عبادات کا نام رہ جائیگا، وہ بھی جدید مجتہدین کی تفسیر کے مطابق کوئی مفسر صرف دو تین وقت کی نماز کافی سمجھ لینگے، کوئی مجتہد اس سے بھی بڑھکر نماز کو صرف دعا اور توجہ قلب کے معنون مین لے کر راہ چلتے، سیر وتفریح کرتے سر راہ گردن جھکا لینا کافی تصور فرمائین گے،

اگر یہ حریتِ فکر انھین کی ذات تک محدود رہتی تو ہم کو اس سے کوئی بحث نہین تھی کہ ہر شخص اپنے خیالات کا مختار ہے، اگر کوئی شخص قرآن سے انکار کردے تو اسے کون روک سکتا ہے، لیکن قباحت یہ ہے کہ تمسک بالکتاب والسنۃ کی آڑ مین تمام مسلمانون کو ان مزعومات پر ایمان لانے کی دعوت دیجاتی ہے اور طرفہ تر یہ ہے کہ حدیث و

سنت کی مخالفت، اس کے انکار اور اسکے ناواجب العمل اور ناقابل حجت ہونے کے ثبوت میں حدیث و سنت ہی سے بلکہ اس سے بھی اتر کر طبقات و رجال کی کتابوں سے دلیل قائم کیجاتی ہے،

لیکن حدیث، تفسیر، طبقات، رجال اور تاریخ پر ان مجتہدین کی نظر نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات عربی زبان سے بھی ناواقف ہوتے ہیں اسلئے اس کوشش میں اپنی ناواقفیت کے عجیب و غریب اور نہایت مضحکہ انگیز نمونے پیش کرتے ہیں، کہیں ترجمہ غلط، کہیں مفہوم غلط، کہیں نتیجہ غلط، کہیں کسی عبارت کے ناقص ٹکڑے سے استدلال، کہیں تاریخ سے بیخبری، کہیں ان پر مفروضات سے استدلال، کہیں طبع زاد شہادتیں غرض جہالت، تدلیس، خیانت، کم نظری اور ناواقفیت کا کوئی نمونہ ایسا نہیں ہوتا جو انکی تحریروں میں نظر نہ آتا ہو اور یہ تحریریں ہر شخص کی نظر سے گذرتی ہیں اور مذہبی علوم سے ناواقف اشخاص پر اس کا برا اثر پڑتا ہے، اس لئے ضرورت تھی کہ ان مجتہدین کی خیانتوں کو اچھی طرح فاش کیا جائے اور حدیث و سنت کے خلاف جس قدر شکوک شبہات پیش کئے جاتے ہیں انپر تفصیلی بحث کر کے اصل حقیقت واضح کیجائے، آیندہ سطور میں ان شکوک پر تحقیقی نظر ڈالی گئی ہے،

حدیث و سنت کے واجب العمل اور حجت شرعی ہونے کی مخالفت میں حسب ذیل دلیلیں پیش کیجاتی ہیں،

(۱) رسول اللہ صلعم نے کتابت حدیث سے منع فرمایا ہے (۲) خلفا، حدیثوں کو قابل حجت نہیں سمجھتے تھے، حضرت ابوبکرؓ حدیثوں کی روایت سے روکتے تھے، اپنا مرتب کیا ہوا حدیثوں کا مجموعہ جلا ڈالا، حضرت عمرؓ صحابہ کو روایت سے منع کرتے تھے اور روایت کرنے والوں کو سزا دیتے تھے، حضرت عثمانؓ حدیثیں نہیں قبول کرتے تھے (۳) اپنے صحابہ سے روایتیں مروی ہیں جنھیں قرآن نے مردود الشہادہ قرار دیا ہے، (۴) صحابہ اور ائمہ نے حدیثوں کے متعلق بری رائے ظاہر کی ہے، ان احادیث کی تدوین آنحضرت صلعم کے کئی صدی بعد کی گئی ہے اور ان میں ہر طرح کی رطب و یابس روایتیں ہیں،

یہ وہ اصولی دلائل ہیں جو حدیث و سنت کے لائق احتجاج ہونے کی مخالفت میں دیئے جاتے ہیں،

اس کے ضمن مین جو واقعات پیش کئے جاتے ہین وہ اپنے اپنے موقعہ پر آئین گے،

لیکن یہ تمام اعتراضات معترضین کی کوتاہ نظری، قرآن حدیث، رجال اور تاریخ اسلام سے ناواقفیت اور منصب نبوت کی نامرتبہ شناسی کا نتیجہ ہین،

ان اعتراضات پر نظر ڈالنے سے پہلے ایک مختصر تمہید سن لینی چاہئے حدیث وسنت کے قابل احتجاج اور ناقابل احتجاج ہونے کی بحث مین سب سے مقدم یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ کا منصب کیا تھا اگر ان کی حیثیت فاتح مدبر محض ایک پوسٹمین کی تھی کہ خط پہنچا دینے کے بعد اس کا کام ختم ہوگیا، اور مکتوب الیہ کی اور کسی چیز سے ہمکو کوئی بحث نہین تو بیشک حدیث وسنت قابل احتجاج نہین ہے لیکن واقعہ اس کے خلاف ہے رسول اللہ کی حیثیت محض خالص پیامبر کی نہین تھی کہ قرآن کی آیات پہنچا دینے کے بعد انکی ذمہ داری ختم ہوگئی بلکہ وہ اس پیام کا شارح، مرسل الیہ قوم کا معلم اور طبیب بھی تھا اور عقائد عبادات، معاملات، اخلاق غرض تمام دینی اور دنیوی ضروریات مین اس کا ہادی اور رہنما بنا کر بھیجا گیا تھا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے،

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا	وہ خدا ہی ہے جس نے امیون مین انھین مین سے رسول
علیهم ایاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة	بھیجا جو ان پر انکی آیات تلاوت کرتا ہو اور انھین پاک کرتا
(جمعہ رکوع ۱)	ہے اور انھین کتاب اور حکمت سکھاتا ہو،

اس آیہ پاک مین رسول کا کام تنہا یہی نہین بتایا گیا ہے کہ وہ امیون پر آیات خداوندی کی تلاوت کرتا ہو بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ انھین پاک کرتا ہے، اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، جہانتک خالص پیامبری کی ذمہ داری ہے وہ تلاوت آیات پر ختم ہوجاتی ہے پھر یہ تزکیہ اور تعلیم کتاب وحکمت کیا چیز ہے، یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ کتاب عربی مین تھی اور عربون پر نازل ہوئی تھی وہ اسے خود سمجھ سکتے تھے پھر تعلیم کتاب وحکمت کے کیا معنی اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ تنہا اور خالص پیامبر ہی نہین تھے بلکہ اس سے بڑھکر کچھ اور بھی تھے، اسکو خود قرآن نے بتایا ہے کہ وہ کیا تھے

لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة	مسلمانو رسول اللہ کی ذات تمہارے لیے نمونہ ہو،

اس آیہ پاک مین ذات نبوی کو کس چیز مین نمونہ قرار دیا گیا ہے، کیا محض احکام قرآنی کے مان لینے مین، اگر یہ مقصد ہوتا تو رسول اللہ کی ذات کو اسوہ کہنے کی ضرورت نہ تھی، بلکہ صاف الفاظ مین کہا گیا ہوتا کہ قرآن کو مان لو، جیسا کہ دوسرے مواقع پر اس مقصد کو اسی قسم کے الفاظ مین ادا کیا گیا ہے، اس لئے معلوم ہوا کہ اسوہ کا کوئی اور مفہوم ہے جو احکام قرآنی کے ماننے سے زیادہ وسیع ہے اور وہ خود لفظ اسوہ سے ظاہر ہوتا ہے، اسوہ یا نمونہ عرف عام مین بھی اسی کو کہتے ہین، جسکا ہر قول و عمل جسکی ہر نقل و حرکت اور جسکی ہر ادا قابل تقلید ہے، اور انھین اقوال و اعمال کو حدیث و سنت کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے،

اس موقعہ پر اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے، کہ کلام اللہ ایک اصولی کتاب ہے، جسمین عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق کے متعلق صرف کلی اصول ہین، باقی ان کی تفصیلات اور جزئیات کے استقصار کی اس مین گنجایش تھی اور نہ ہین، اس کلی کی جزئیات، اس اصول کی فروعات اور اس اجمال کی تفصیل کے لئے ذات پاک محمدی زندہ کتاب ہے جسکا ہر قول و عمل متن قرآنی کی شرح ہے، قرآن کے اصولون کی تشریح بغیر نبی کی وضاحت کے نہین ہو سکتی، چنانچہ

وما انزلنا علیك الکتاب الا لتبین لھم،	اور نہین اتاری ہمنے تیپر کتاب مگر اسلیے کہ تم اسکو کھول کھول کر واضح بیان کردو،
وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس،	ہمنے تمھاری طرف اسلئے نصیحت اتاری تاکہ تم لوگون کیلئے اسکو واضح بیان کردو،

ظاہر ہے کہ جہانتک قرآن کی عربی عبارت کا تعلق ہے، ہر عرب سمجھ سکتا تھا پھر اس تبیین اور وضاحت کے کیا معنی، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مین کچھ اور بھی ہے جسکی وضاحت نبی ہی کر سکتا ہے، اور یہی وضاحت حدیث و سنت ہے، حدیث مین اس مفہوم کو اس سے زیادہ صاف اور واضح بیان کیا گیا ہے،

عن زیاد بن لبید قال ذکر النبی صلعم شیئا فقال	زیاد بن لبید بیان کرتے ہین کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی
ذاک عند اوان ذھاب العلم قلت یا رسول اللہ و	چیز بیان کیگئی آپنے فرمایا یہ علم کے جانے کے وقت ہوگی، مین نے
کیف یذھب العلم ونحن نقرأ القرآن ونقرئہ	کہا یا رسول اللہ علم کیونکر چلا جائیگا جبکہ ہم قرآن پڑھتے ہین، اپنے

ابناؤنا ویقرئہ ابناؤنا ابناؤھم الی یوم القیمۃ قال تکلتک امک زیاد ان کنت لاراک من افقہ رجل بالمدینۃ اولیس ھذا الیھود والنصاری یقرؤن التوراۃ والانجیل ولا یعلمون بشئی مما فیھما (ابن ماجہ باب ذھاب العلم)

لڑکوں کو پڑھاتے ہیں اور ہمارے لڑکے اپنے لڑکوں کو پڑھائینگے اور سلسلہ قیامتک قائم رہیگا، فرمایا زیاد تیری ان تجھکو روئے میں تجھکو مدینہ میں سب سے زیادہ سمجھدار جانتا تھا، کیا یہود و نصاریٰ انجیل و تورات کی تلاوت نہیں کرتے ہیں، لیکن ان میں جو کچھ ہے اس سے بالکل بیخبر ہیں،

اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کے محض لفظی معنی سمجھ لینے سے اس کا پورا علم حاصل نہیں ہوتا اسی لئے نبی کو اسکی وضاحت کا حکم دیا گیا ہے اور وہ جو کچھ بیان کرتا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے، خواہ وحی کی زبان میں ہو یا خدا کی دی ہوئی بصیرت کی روشنی میں جسے ہم حدیث و سنت کہتے ہیں جیسا کہ خود قرآن کہتا ہے،

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ،

نبی اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ وہ وحی ہوتی جو اسکو کیجاتی ہے،

وانا انزلنا الیک الکتٰب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ،

ہم نے تمہاری طرف سچائی کیساتھ صرف اسلئے کتاب اتاری ہے کہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کی دی ہوئی روشنی کے مطابق فیصلہ کرو،

اسی لئے کسی دینی اور دنیاوی معاملہ میں رسول اللہ کے فیصلہ کے بعد چون وچرا کی گنجایش باقی نہیں رہتی،

وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضلٰلا بعیدا،

اور مومن مرد اور عورت کو یہ اختیار نہیں رہتا کہ جب اللہ اور اس کا رسول ان کے کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ کردے تو وہ اسمیں چون وچرا کریں اور جس شخص نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلا گمراہ ہوا،

ان آیات سے یہ ثابت ہوگیا کہ رسول جو کچھ کہتا ہے وہ خدا ہی کی دی ہوئی روشنی میں کہتا ہے اور اس کے فیصلہ کے بعد کسی مسلمان کو اس میں چون وچرا کا حق باقی نہیں رہتا، اس لئے اس کا ہر قول و فعل واجب العمل

ہوا اور اسکی اتباع مین خدا اور قرآن کی اتباع ہوئی، چنانچہ خود خدائے تعالیٰ فرماتا ہے،

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ، ہمنے نہین بھیجا کسی رسول کو مگر اسلئے تاکہ خدا کے حکم سے اسکی اطاعت کیجائے،

اور خود رسول کی زبان سے اسکی اتباع کو فرض قرار دیا گیا،

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ، اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو خدا تمکو دوست رکھیگا،

اس آیۂ پاک مین خدا کی محبت اور خدا کی بارگاہ مین محبوب بننے کے لیے رسول اللہ کی اتباع ضروری قرار دیگئی، یہ نہین فرمایا گیا کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو قرآن کو مان لو، خدا تم کو دوست رکھیگا، بلکہ فرمایا گیا کہ میری اتباع کرو، ظاہر ہے کہ یہ اتباع اتباع بالحدیث والسنہ کے سوا اور کوئی دوسری شے نہین ہوسکتی، دوسرا قابلِ غور ایک اور امر ہے، مگر اس سے پہلے حدیث وسنت کا مفہوم اور منشا واضح ہو جانا چاہئے، محدثین کے نزدیک تو حدیث وسنت کا مفہوم نہایت وسیع ہے، لیکن زیرِ بحث موضوع کے اعتبار سے ہم اسے محدود کرکے یہ کہتے ہین کہ حدیث وسنت سے مراد آنحضرت صلعم کے وہ اقوال واعمال ہین جو آپ نے مسلمانون کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ مین فرمائے ہون، غالباً اس تعریف مین کسی کو شک وشبہہ کی گنجایش نہ ہوگی، اس معنی کی تعیین کے بعد سوال یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلعم نے مسلمانون کو کوئی دینی یا دنیوی تعلیم دی یا کسی مسلمان کے سوال یا پیش آمدہ صورت کے متعلق کوئی جواب دیا یا کوئی حکم صادر فرمایا، تو یہ تعلیم، یہ جواب اور یہ فیصلہ عارضی اور وقتی مانا جائیگا اور آپ کے بعد ان کی ہدایت ورہنمائی اور عملی حیثیت ختم ہو جائیگی، اسے کون عقل تسلیم کرسکتی ہے، اس کی مثال روزانہ کے دنیاوی معاملات مین لیجیے، ایک باپ یا معلم اپنے بچہ اور شاگرد کو جو تعلیم وتربیت دیتا ہے اور جو زرین اصول اخلاق یا علوم سکھاتا ہے، کیا وہ محض سنانے کے لیے اور وقتی ہوتے ہین، ان پر عمل کی ضرورت نہین ہوتی اور مکتب ودرس سے نکلنے کے بعد انھین طاقِ نسیان کے حوالہ کردینا چاہئے ظاہر ہے کہ ایسا نہین ہے بلکہ بچہ اور شاگرد کی بچپن کی صالح تعلیم وتربیت اس کی آیندہ زندگی کی رہنما ہوتی ہے، پھر جب ایک باپ اور دنیاوی استاد کی تعلیم وتربیت انسان کے لیے دائمی لائحۂ عمل ہے تو اس استاد کل

اور اس معلم خداوندی کی تعلیم جو تمام دنیا کو تعلیم دینے اور اُن کے اخلاق سدھارنے کے لیے آیا تھا اور اس دعویٰ کیساتھ آیا تھا کہ وہ دنیا کا آخری معلم اور اسکی تعلیم دنیا کے لیے دائمی اور آخری تعلیم ہے اس لائق ہے کہ اس کے بعد اسے طاقِ نسیان کے حوالہ کر دیا جائے کلا ثم کلا اور اسکی یہی تعلیم و تربیت حدیث و سنت ہے،

یہانتک اتباعِ رسول کے متعلق قرآنی احکام سے بحث تھی اب حدیث کے احکام ملاحظہ ہوں ایک نہیں بیسیوں صحیح احادیث میں اتباعِ حدیث و سنت کو مسلمانوں کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے،

عن ابی هریرة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه قال من اطاعنی فقد اطاع الله ومن عصانی فقد عصی الله الخ (مسلم کتاب الامارة ج ۲ ص مطبوعہ مصر و بخاری دعاء النبی صلعم)	ابوہریرہ رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہیں، آپ فرماتے تھے کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی، الخ

اس حدیث میں آپنے اپنی اطاعت کو خدا کی اطاعت اور اپنی نافرمانی کو خدا کی نافرمانی قرار دیا، خدا کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اس کے حکم کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی نہیں بتایا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ قرآنی احکام کے ساتھ نبی کے احکام کی اطاعت بھی جو اسی سے مستنبط ہیں، ٹھیک ویسی ہی ضروری ہے، دوسری حدیث میں اس اطاعت کی خود تشریح فرمادی ہے،

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلعم ما امرتکم به فخذوه وما نهیتکم عنه فانتهوا، (ابن ماجہ ج اول ص ۲ مطبوعہ فاروقی دہلی)	ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جس چیز کا میں تمکو حکم دوں اسکو اختیار کرو اور جس چیز سے منع کروں اس سے رک جاؤ،

اس حدیث میں قرآن کی تخصیص نہیں ہے کہ جس چیز کا قرآن حکم دے اسے اختیار کرو اور جس چیز سے وہ روک دے اس سے رک جاؤ، بلکہ فرمایا کہ جس چیز کا میں حکم دوں اسے اختیار کرو اور جس چیز سے روکوں اس سے رک جاؤ اس سے معلوم ہوا کہ قرآنی احکام کے علاوہ آپ کے دوسرے احکام و فرامین بھی قرآنی احکام کی طرح واجب الطاعۃ ہیں، مسلم

مین یہ روایت ان الفاظ مین ہے،

کان ابوھریرۃ یحدث انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما نھیتکم عنہ فاجتنبوہ وما امرتکم بہ فافعلوہ (مسلم کتاب الفضائل ج ۲ ص ۲۶۰)

ابوہریرہؓ بیان کرتے تھے کہ انھون نے سنا رسول اللہ صلعم فرماتے تھے کہ مین جس چیز سے تم کو منع کرون اس سے بچو اور جس چیز کا حکم دون اسے اختیار کرو،

احکام نبوی کے واجب الطاعۃ ہونے کی اس سے زیادہ واضح سند کیا چاہیے، ممکن ہے کوئی صاحب یہ اعتراض کرین کہ اس مین احکام نبوی کے واجب الطاعۃ ہونے کا حکم حدیث کے متعلق کہان ہے، گو حدیث رسول اللہ صلعم کے احکام کی ایک قسم ہے، تاہم معترضین کی تشفی کے لیے ذیل کی تشریحی روایت پیش کیجاتی ہے، جس کے بعد کسی شک و شبہہ کی گنجایش باقی نہین رہتی،

عن المقدام بن معدیکرب الکندی ان رسول اللہ صلعم قال یوشک الرجل متکئا علی اریکتہ یحدث بحدیث من حدیثی فیقول بیننا وبینکم کتاب اللہ عزوجل فما وجدنا فیہ من حلال استحللناہ وما وجدنا فیہ من حرام حرمناہ الا وان ما حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل ما حرم اللہ (ابن ماجہ ص ۳)

مقدام بن معدیکرب الکندی روایت کرتے ہین کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قریب ہے کہ آدمی (اپنے پر تکلف اور آراستہ تخت پر بیٹھکر جب اس سے میری کوئی حدیث بیان کیجائے تو وہ کہے کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ عزوجل موجود ہے ہم جو چیز اسمین حلال پائینگے اسکو حلال سمجھینگے اور جو حرام پائینگے اسکو حرام سمجھینگے (ایسے لوگون کو) آگاہ ہو جانا چاہیے کہ جو رسول اللہ نے حرام کیا ہے وہ بھی خدا کی حرام کی ہوئی چیز کی طرح حرام ہے،

کیا اس کے بعد بھی حدیث کے واجب العمل اور واجب الطاعۃ ہونے مین کوئی شبہ باقی رہجاتا ہے تمسک بالکتاب کے مبلغین کو خصوصیت کیساتھ اس حدیث پر غور کرنا چاہیے، یہ تو حدیث کے متعلق تھا، گو حدیث و سنت نتیجہ ایک ہی ہین تاہم لفظ "سنت" کے ساتھ ملاحظہ ہو،

عن عرباض بن ساریۃ قال صلی لنا رسول اللہ

عرباض بن ساریہ روایت کرتے ہین کہ ایک دن فجر کو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الفجر ثم وعظنا موعظۃ بلیغۃ ذرفت منھا العیون و وجلت منھا القلوب فقال قائل یارسول اللہ کانھا موعظۃ مودع فاوصنا فقال اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ وان کان عبدا حبشیا فانہ من یعش بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ خلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ (مسند دارمی ص ۶ مطبع نظامی کانپور)

صلعم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی نماز کے بعد ایک بلیغ وعظ فرمایا جس سے آنکھیں بہ نکلیں اور دل خوفزدہ ہوگیا، ایک کہنے والے نے کہا یارسول اللہ یہ رخصتی وعظ معلوم ہوتا ہے، اس لیے ہم کو کچھ وصیت فرماتے جائیے آپ نے فرمایا میں تم کو خدا سے خوف کی اور اطاعت و فرمانبرداری کی وصیت کرتا ہوں خواہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو جو شخص میرے بعد زندہ رہیگا اسکو بہت سے اختلافات سے سابقہ پڑیگا، ایسے وقت میں تم لوگ میری سنت اور ہدایت یاب خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی کرنا، اسکو اپنے کچلوں سے پکڑ لینا اور محدثات سے بچنا کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے،

علیکم بسنتی کے واضح اور صریح حکم کے بعد کون اقتدار بالسنۃ کے خلاف لب کشائی کرسکتا ہے، کتاب اللہ کے بعد مسلمانوں کے لیے سنت رسول ہی رہنما ہے، آپ نے اسی کا حکم دیا ہے اور صحابہ کا اسی پر عمل تھا، جب آپ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا عامل مقرر کیا تو روانگی سے پہلے ان سے امتحاناً پوچھا فیصلہ کس طرح کروگے؟ معاذ نے کہا قرآن سے، فرمایا اگر اسمیں نہ ملے، عرض کیا سنت رسول اللہ کے مطابق، فرمایا اگر یہیں بھی نہ ملے، عرض کیا تو میں خود اجتہاد کرونگا، یہ جواب سنکر آنحضرت صلعم بہت مطمئن اور مسرور ہوئے، اور فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ کے رسولؐ کو ایسی چیز کی توفیق دی، جس کو اس کا رسول پسند کرتا ہے، (مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۲۳۵ و مسلم و بخاری)

اس واقعہ میں امام امت حضرت معاذ بن جبلؓ نے کتاب اللہ کے بعد سنت رسول ہی کو رہنما بنایا اور آنحضرت صلعم نے ان کے بیان پر پسندیدگی ظاہر فرمائی، اگر سنت کوئی شے نہ ہوتی تو آپ معاذ کو اس سے روکتے

یا پسندیدگی ظاہر فرماتے، غالباً اتنی مستند روایات کے بعد حدیث و سنت کے واجب الطاعہ ہونے مین کوئی شک و شبہہ باقی نہ رہ جائیگا،

اس تمہید کے بعد اب معترضین کے ان دلائل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، جو حدیث و سنت کی مخالفت مین پیش کرتے ہین، سب سے بڑی دلیل یہ پیش کیجاتی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے کتابت حدیث سے منع فرمایا ہے جیسا کہ حدیث کی اکثر کتابون مین ہے،

(۱) لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ، — مجھ سے کچھ مت لکھو اور جس نے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہو اسکو چاہئے کہ مٹا ڈالے،

اس حکم سے حدیث و سنت کے ناقابل حجت اور نا واجب العمل ہونے کا نتیجہ پیدا کیا جاتا ہے کہ اگر حدیث واجب ہوتی تو اس کے لکھنے کی کیون ممانعت فرمائی جاتی، معلوم نہین یہ کونسی منطق ہے، دعوی کو دلیل سے کوئی تعلق ہونا چاہئے، کسی کے قلمبند کئے جانے کی ممانعت اور شے ہے اور اس کا واجب العمل ہونا اور شے، کتابت کی ممانعت سے اس کا نفاذ کہان سے ساقط ہو جائیگا، دوسرے یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ ممانعت کن حالات اور کن مصالح کی بنا پر کی تھی اور وہ وقتی تھی یا دائمی،

بیشک ابتدا مین رسول اللہ صلعم نے کتابت حدیث کی ممانعت کی تھی لیکن مطلق اور دائمی نہین بلکہ خاص مصالح کی بنا پر اور وقتی، ابتدا مین بہت کم مسلمانون کو لکھنا آتا تھا، اور جو جانتے بھی تھے وہ بھی یون ہی سا معمولی اس لیے ان کے حدیثون کے قلمبند کرنے مین غلط شلط لکھ جانے کا خطرہ تھا، دوسرے شروع مین خاص صحابہ کے علاوہ عام مسلمانون مین کلام اللہ اور کلام رسول اللہ کے درمیان فرق و امتیاز قائم رکھنے کا صحیح مذاق پیدا نہ ہوا تھا، اس لیے دونون کے مخلوط ہو جانے کا خطرہ تھا، اس اہم خطرہ سے حفاظت کے لیے آپ نے ابتدا مین ممانعت کی تھی لیکن جب فن کتابت ترقی کر گیا اور صحابہ مین کلام اللہ اور کلام رسول اللہ مین فرق و امتیاز کی پوری صلاحیت آگئی تو آپ نے یہ ممانعت اٹھالی، اور جو لوگ لکھنے مین مہارت رکھتے تھے انھین کتابت کی اجازت دیدی چنانچہ عبد اللہ

بن عمرؓ کا بیان ہے،

عن عبد اللہ بن عمرو قال کنت اکتب کل شئ اسمعہ من رسول اللہ صلعم ارید حفظہ فنھتنی قریش وقالوا اتکتب کل شئ تسمعہ رسول اللہ صلعم بشر یتکلم فی الغضب والرضا فامسکت عن الکتاب فذکرت ذالک الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فاومأ باصبعہ الی فیہ فقال اکتب فوالذی نفسی بیدہ مایخرج منہ الا الحق۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۰ مطبع قادری دہلی و بخاری و مسلم)

عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ میں حفظ کرنے کے خیال سے رسول اللہ صلعم سے جو کچھ سنتا تھا سب لکھ لیتا تھا قریش نے مجھکو منع کیا اور کہا کیا تم رسول اللہ صلعم سے جو سنتے ہو لکھ لیتے ہو حالانکہ آپ بشر ہیں غصہ اور رضا دونوں کی حالت میں فرماتے ہیں اس کی کہنے پر لکھنے سے رک گیا اور رسول اللہ صلعم سے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے اپنی انگلیوں سے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا تم لکھا کرو قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا،

مسند دارمی کی روایت ہے،

عن عبد اللہ بن عمرو انہ اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انی اریدان اروی من حدیثک فاردت ان استعین بکتاب بیدی مع قلبی ان رأیت ذالک فقال رسول اللہ صلعم ان کان حدیثی ثم استعن بیدک مع قلبک (مسند دارمی ص ۶۷)

عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں چاہتا ہوں کہ آپکی احادیث روایت کروں اس لئے چاہتا ہوں کہ اپنے قلب (کی یادداشت) کے ساتھ اپنے ہاتھ کی تحریر سے بھی مدد لوں، اگر آپ اسے مناسب خیال فرمائیں رسول اللہ صلعم نے فرمایا اگر میری حدیث ہے تو تم اپنے قلب کیساتھ اپنے ہاتھ سے بھی مدد لے سکتے ہو (یعنی لکھ سکتے ہو)

یہ واضح رہے کہ یہ اجازت تنہا عبداللہؓ کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ بہت سے صحابہ حدیثیں لکھا کرتے اور

آپ کے علم اور اجازت سے،

عن ابی قبیل قال سمعت عبد اللہ بن عمرو قال بینما نحن حول رسول اللہ صلعم نکتب اذ سئل رسول اللہ صلعم ای المدینتین تفتح اولا قسطنطنیہ او رومیۃ (مسند احمد ص ۱۷۶ ج ۲)

ابی قبیل بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو سے سنا وہ کہتے تھے کہ ہم لوگ رسول اللہ کے گرد (حدیث) لکھتے تھے، اتنے میں کسی نے آپ سے پوچھا دونوں شہروں میں کون پہلے فتح ہوگا، قسطنطنیہ یا رومیہ،

بعض اوقات دوسروں کی درخواست پر آنحضرت صلعم خود لکھوا دیا کرتے تھے، چنانچہ فتح مکہ میں جب آپ نے تحریم حرم پر خطبہ دیا تو ایک یمنی ابوشاہ نے درخواست کی یا رسول اللہ مجھکو یہ احکام لکھوا دیئے جائیں انکی درخواست پر آپ نے فرمایا،

اکتبوا لابی شاہ (مسلم کتاب الحج باب تحریم مکہ ص ۴۱۷ ج ۱) ابی شاہ کے لیے لکھ دو،

آپ کے مرض الموت کا مشہور واقعہ بخاری اور مسلم سب میں ہے کہ جب آپکی حالت غیر ہوئی تو آپ نے کچھ لکھنے کے لیے قلم و دوات مانگی، حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلعم کا مرض بڑھ گیا تو آپ نے فرمایا کہ قلم دوات یا کاغذ اور دوات لاؤ میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھدوں تاکہ میرے بعد گمراہ نہ ہو (مسلم ج ۲ ص ۴۱ مطبوعہ مصر، بخاری کے مختلف ابواب میں یہ واقعہ ہے)

آپ نے کس چیز کے لکھنے کے لیے قلم دوات منگوائی تھی، ظاہر ہے کہ حدیث تھی آپ جو بھی لکھتے وہ حدیث رسول ہی ہوتی، یہ بھی واضح رہے کہ یہ رسول اللہ کا آخری فعل ہے،

آپ نے اپنے عمال کو بہت سے احکام لکھوا کر بھیجے، جو حضرات خلفائے راشدین کے عہد میں بھی عمل ہوتا رہا، اور وہ تحریری ہدایات علم حدیث کا پہلا مجموعہ ہیں،

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ آپ نے کتابتِ حدیث کی دائمی ممانعت فرمائی تو اس سے روایتِ حدیث اور حدیث و سنت کے ناواجب العمل اور ناواجب الطاعۃ ہونے کا ثبوت کہاں سے

نکلتا ہے، کتابتِ حدیث کی ممانعت اور شے ہے اور حدیث کی روایت اور اسکا واجب العمل ہونا اور شے، کسی قانون کے نفاذ اور واجب العمل ہونے کے لیے اس کا تحریری ہونا ضروری نہین ہے خصوصاً عہد رسالت مین تو تحریر کی ضرورت ہی نہ تھی، ادھر زبانِ مبارک سے کچھ نکلا ادھر اس پر عمل شروع ہوگیا، اور پھر یہ عمل تواتر کی شکل مین چلا اس لئے تحریر کی ضرورت ہی نہ تھی، باقی حدیث کی روایت اور اسکی اشاعت کی جو موضوعِ بحث ہے آپ نے خود اجازت مرحمت فرمائی ہے،

حدثوا عنی ولا حرج (مسلم) — مجھ سے حدیث بیان کرو اسمین کوئی مضائقہ نہین،

بلکہ مبلغ حدیث کے لئے دعا فرمائی ہے،

عن زید بن ثابت قال سمعت رسول اللہ صلعم یقول نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثا فحفظہ حتی یبلغہ فرب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ ورب حامل فقہ لیس بفقیہ (ابوداؤد ج ۲ ۱۵۹ باب فضل نشر العلم،)

زید بن ثابت روایت کرتے ہین کہ مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ خدا اس شخص کو تر و تازہ اور شاداب رکھے جس نے ہم سے ایک حدیث سنی اور اسکو محفوظ رکھا یہانتک کہ دوسرے کو پہنچایا کیونکہ بسا اوقات علم کا حامل ایسے شخص تک پہنچاتا ہے جو اس سے زیادہ سمجھدار ہوتا ہے اور بسا اوقات حامل خود سمجھدار نہین ہوتا،

آپ نے حجۃ الوداع مین جو آخری اور مشہور خطبہ دیا تھا اور جسمین مسلمانون کے لیے بہت احکام اور ہدایات بیان فرمائے تھے، بخاری و مسلم و ابوداؤد وغیرہ حدیث کی تقریباً کل کتابون مین کلا یا جزءً موجود ہے، اس کے آخر مین یہ حکم ہے کہ "فلیبلغ الشاھد الغائب" یعنی وہ لوگ جو موجود ہین ان احکام اور ہدایات کو ان مسلمانون تک پہنچادین جو موجود نہین ہین، یہ تبلیغ کا حکم کس چیز کے لیے تھا کیا حدیث کے علاوہ کوئی شے تھی اور کیا محض کانون تک پہنچانے کا چرچا تھا کہ محض سنا دینا باقی اس پر عمل کی کوئی ضرورت نہین! اور یہ حضور کا آخری فعل ہے، کیونکہ حجۃ الوداع کے بعد آپ کی زندگی مین کبھی مسلمانون کا اتنا بڑا اجتماع نہین ہوا، غالباً

اتنے واقعات منکرینِ حدیث کی تشفی کے لیے کافی ہونگے،

(۲) دوسری دلیل یہ پیش کیجاتی ہے کہ خلفائے راشدین خصوصاً شیخین حدیثوں کو ناقابلِ حجت سمجھتے تھے اور اس کے ثبوت مین حسبِ ذیل واقعات پیش کرتے ہین،

(۱) آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نے لوگون کو جمع کرکے کہا کہ تملوگ رسول اللہ صلعم سے حدیثین بیان کرتے ہو اور اس مین اختلاف پیدا ہوتا ہے، تمھارے بعد جو لوگ آئین گے ان مین تم سے زیادہ اختلاف پیدا ہوگا، اس لئے تم لوگ رسول اللہ صلعم سے کوئی حدیث بیان نہ کرو، جو شخص تم سے حدیث پوچھے اس سے کہدو کہ ہمارے تمھارے درمیان کتاب اللہ موجود ہے، اس کے حلال کئے ہوئے کو حلال سمجھو اور اسکے حرام کئے ہوئے کو حرام (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳)

(۲) حضرت ابوبکرؓ نے پانسو حدیثون کا مجموعہ تیار کیا تھا، ایک رات کو آپ بہت بیچین رہے، آپکی بیچینی سے حضرت عائشہؓ پریشان ہوئین اور پوچھا آپ کسی بیماری کی وجہ سے بے چین ہین یا کوئی ناگوار بات پیش آئی، صبح ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ بیٹی حدیثون کا وہ مجموعہ لاؤ جو تمھارے پاس رکھا ہے، حضرت عائشہؓ اس کو لے آئین آپنے اس کو لیکر جلا دیا، حضرت عائشہؓ نے پوچھا آپ نے جلا کیون دیا، فرمایا مجھے خوف معلوم ہوا کہ مین مرجاؤن اور یہ مجموعہ محفوظ رہ جائے، ممکن ہے مین نے اس مین ایسے لوگون سے حدیثین لی ہون جنکو مین امین سمجھتا ہون اور مجھے ان پر وثوق ہے، لیکن وہ حدیثین ایسی نہ ہون، (تذکرۃ الحفاظ ذکر ابوبکرؓ)

حضرت عمرؓ کی مخالفت حدیث مین یہ واقعات پیش کئے جاتے ہین، (۱) آپ فرماتے تھے، حسبنا کتاب اللہ (۲) لوگون کو حدیثون کی اشاعت سے روکتے تھے، قرظہ بن کعب راوی ہین کہ جب حضرت عمرؓ نے ہم لوگون کو عراق بھیجا تو خود مشایعت کو نکلے، اور ہم سے پوچھا کہ تم کو معلوم ہے مین تمھارے ساتھ کیون آیا ہون، لوگون نے عرض کیا ہماری عزت افزائی کے لیے، فرمایا ہان لیکن یہ بھی غرض ہے کہ تم لوگ ایسے

مقام پر جاتے ہو، جہان کے باشندون کی آوازین قرآن پڑھنے مین شہد کی مکھیون کی طرح گونجتی رہتی ہین، تم اُن کو احادیث مین روک کر قرآن سے غافل نہ کر دینا، قرآن مین آمیزش نہ کرو، اور رسول اللہ صلعم سے کم روایت کرو مین تمہارا شریک ہون، قرظہ جب عراق پہنچے تو لوگون نے کہا ہم سے حدیث بیان کرو انھون نے کہا ہمکو عمرؓ نے منع کیا ہے (تذکرۃ الحفاظ ج اوّل ص ۹)

(۳) ابوسلمہ نے ابوہریرہؓ سے پوچھا کہ کیا تم اسی طریقہ سے عمرؓ کے زمانہ مین بھی حدیثین بیان کرتے تھے انھون نے کہا اگر مین عمرؓ کے زمانہ مین اس طرح حدیثین بیان کرتا تو وہ مجھکو درّے سے مارتے (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷)

(۴) عبداللہ بن مسعودؓ، ابودرداءؓ اور ابومسعودؓ انصاری کو کثرتِ روایت کے جرم مین قید کر دیا تھا اور کہا تم لوگ رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہو (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷)

(۵) حذیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثین بیان کرتے تھے، سلمان فارسی نے کہا تم اس سے باز آؤ ورنہ مین عمرؓ کو لکھونگا، (ابوداؤد)

یا اس قبیل کے دو ایک اور واقعات سے اگر مل سکین، منکرین حدیث یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ حدیثون کو قابلِ حجت نہین سمجھتے تھے، اور نہ احادیث اور رواۃ کے متعلق یہ مخالفانہ طرزِ عمل کیون ہوتا؟ اوپر کے واقعات مین سے اکثر تذکرۃ الحفاظ مین مذکور ہین، لیکن ان سے حدیث و سنّت کے خلاف نتیجہ نکالنا معترضین کی کوتاہیِ نظر اور ان کا قصورِ فہم ہے، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ ان مین سے بعض روایات سرے سے غلط ہین، یہ ضروری نہین ہے، کہ تذکرۃ الحفاظ کی اس قسم کی ہر روایت قابل قبول ہو، خصوصاً ایسی حالت مین جبکہ صحاح کی مستند روایات مین احادیث و سنت کی اشاعت اور اس کے واجب العمل ہونے کے صریحی احکام اور خلفاء کے احتجاج بالحدیث والسنہ کے ایک دو نہین بلکہ بیسیون واقعات موجود ہین، (اوّل الذکر کی روایتین اوپر گذر چکی ہین اور آخر الذکر کی آیندہ آئین گی) اور بعض روایتون کا مطلب غلط سمجھکر ان سے غلط نتیجہ پیدا کیا جاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ان سے مخالفتِ حدیث کا نتیجہ ہی نہین نکلتا

خود حافظ ذہبی بھی اس نتیجہ پر نہیں پہنچے ہیں، اگر وہ یہ نتیجہ نکالتے تو خود اتنے بڑے محدث و امام کیوں ہوتے، اور مناقب محدثین کے بجائے ان کے مثالب لکھتے، پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ حافظ ذہبی نے بہت سے واقعات خلفاء کے احتجاج بالحدیث والسنۃ کے لکھے ہیں، ان کثیر واقعات کو چھوڑ کر بعض ایسے مشتبہ واقعات کو لینا جن سے بزعم منکرین حدیث، حدیث کی مخالفت نکلتی ہے، کہاں تک جائز ہے، اوپر کی روایات سے صرف احتیاط فی الروایۃ ثابت ہوتی ہے جیسا کہ ہر صاحب نظر سمجھتا ہے، اور خود حافظ ذہبی بھی یہی سمجھتے ہیں، اور یہی سمجھکر ان کو کتاب میں نقل کیا ہے، ان واقعات پر نظر ڈالنے سے پہلے ہم کو احتجاج بالحدیث والسنۃ کے باب میں ابوبکرؓ و عمرؓ کے عمل کو دیکھنا چاہیے،

ان "جدید محدثین" کے علاوہ تمام محدثین اور ائمہ اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ خلفائے راشدین کتاب اللہ کے بعد حدیث وسنت ہی کو رہنما سمجھتے تھے، اسی لئے وہ خلفائے راشدین کہلاتے تھے کہ کسی چیز میں عمل نبوی سے سرمو تجاوز نہ کرتے تھے، حدیث وطبقات کی کتابیں اس قسم کے واقعات سے معمور ہیں، خصوصاً شیخین اس بارہ میں اور زیادہ متشدد تھے، حضرت ابوبکرؓ کا دستور العمل یہ تھا کہ جب کوئی صورت پیش آتی تھی تو پہلے کتاب اللہ اس کے بعد سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے، مسند دارمی میں ہے،

کان ابوبکر اذا ورد علیہ الخصم نظر فی کتاب فان وجد فیہ ما یقضی بینھم قضی بہ وان لم یکن فی الکتاب وعلم من رسول اللہ فی ذلک الامر سنۃ قضی بہ فان اعیاہ خرج فسال المسلمین (مسند دارمی)	ابوبکر کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو پہلے کتاب اللہ میں دیکھتے تھے اگر اس میں پاتے تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر کتاب اللہ میں نہ ہوتا اور رسول اللہ سے اس بارہ میں کوئی سنت ہوتی تو اسکے مطابق فیصلہ کرتے اگر اس سے بھی حل نہ ہوتا تو مسلمانوں سے پوچھتے

علامہ ابن قیم بحوالہ کتاب القضاء ابوعبید لکھتے ہیں،

کان ابوبکر الصدیق اذا ورد علیہ حکم	ابوبکر کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو پہلے

نظر فی کتاب اللہ تعالیٰ فان وجد فیھا ما یقضی بہ قضی بہ وان لم یجد فی کتاب اللہ نظر فی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان وجد فیھا ما یقضی بہ قضی بہ فان اعیاہ ذالک سال الناس ھل علمتم ان رسول اللہ صلعم قضی فیہ بقضاء فربما قام الیہ القوم فیقولون قضی بکذا وکذا فان لم یجد سنۃ سنھا النبی صلعم جمع رؤساء الناس فاستشارھم فاذا اجتمع رائھم علی شی قضی بہ۔ (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۸۶)

کتاب اللہ مین دیکھتے تھے اگر اس مین فیصلہ کا مواد ملجاتا تو اسکے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر کتاب اللہ مین نہ ملتا تو سنت رسول اللہ صلعم مین دیکھتے، اگر اسمین فیصلہ کے متعلق کچھ مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے جب اس سے بھی عقدہ کشائی نہ ہوتی تو لوگون سے پوچھتے کہ تم لوگون کو کچھ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اس بارہ مین کوئی فیصلہ کیا ہے بسا اوقات اسکے جواب مین کچھ آدمی کھڑے ہوجاتے اور کہتے کہ اس معاملہ مین رسول اللہ صلعم نے ایسا ایسا فیصلہ کیا ہے اور جب نبی صلعم کی کوئی سنت بھی نہ پاتے تو سربرآوردہ مسلمانون کو جمع کرکے ان سے مشورہ کرتے اور جس امر پر ان کا اجماع ہوجاتا اسکے مطابق فیصلہ کرتے،

بیعتِ خلافت کے بعد آپ نے جو پہلا خطبہ دیا اس مین کتاب اللہ کے بعد سنتِ رسول ہی کو رہنما بتایا،

اما بعد ایھا الناس قد ولیت امرکم ولست بخیرکم ولکن نزل القراٰن وسنن النبی صلعم السنن فعلمنا فعلمنا ..... ایھا الناس انما انا متبع ولست بمبتدع فان احسنت فاعینونی وان زغت فقومونی (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اوّل ص ۱۲۹)

اما بعد لوگو! مین تمہارے معاملات کا ولی بنایا گیا ہون مگر تم مین سے بہتر نہین ہون لیکن قرآن نازل ہوچکا اور رسول اللہ صلعم نے طریقے بتا کر ہم کو سکھا دیا ہے اور ہم سیکھ گئے ہین ..... لوگو! مین متبع ہون اپنی طرف سے کوئی نئی بات کرنے والا نہین ہون، پس اگر مین اچھا کام کرون تو میری امداد کرو اور اگر ٹیڑھا ہون تو مجھے سیدھا کردو،

اس پہلی تقریر مین جسمین آپ نے اپنی حیثیت بتائی ہے کہ مین پیرو ہون اپنی طرف سے نئی بات کرنے والا نہین اور کتاب اللہ کے بعد سنت رسول ہی کو رہنما بتایا،

اب حضرت ابوبکرؓ کے اس اصول کی مثالین ملاحظہ ہون،

آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ہی جبکہ آپ کا جسد خاکی بھی آنکھوں سے نہان نہ ہوا تھا، حضرت ابوبکرؓ کو حدیث نبوی کیطرف رجوع کرنے کی ضرورت پیش آئی، آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد صحابہ مین یہ سوال پیدا ہوا کہ جسد اطہر کو کہان دفن کیا جائے، کچھ لوگ کہتے تھے مسجد نبوی مین دفن کیا جائے بعضون کی رائے تھی کہ آپ کے صحابہ کیساتھ دفن کیا جائے، اس موقعہ پر حضرت ابوبکرؓ نے حدیث نبوی سے اس کا فیصلہ کیا، فرمایا مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ جہان پر نبی کی روح قبض ہوتی ہے، وہین دفن کیا جاتا ہے، چنانچہ اس حدیث کے مطابق آنحضرت صلعم کا فرش اٹھا کر اسی جگہ قبر کھود دی گئی (موطا امام مالک ص ۸۰ مطبوعہ دہلی، و ابن ماجہ باب ذکر قبضہ و دفنہ صلعم ص ۱۱۸)

وفات نبوی کے بعد جب حضرت فاطمہؓ نے میراث نبوی کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا،

فقال ابوبکر ان رسول اللہ قال لا نورث ما	ابوبکر نے کہا رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ہماری وراثت (تقسیم)
ترکنا صدقۃ انما یاکل آل محمد فی ھذا المال	نہین ہوتی ہم نے جو کچھ چھوڑا ہو وہ صدقہ ہے البتہ آل محمد
وانی واللہ لا اغیر شیئا من صدقۃ رسول اللہ	اس مین کھا پی سکتے ہین، خدا کی قسم مین رسول اللہ صلعم کے
صلعم ولا عملن فیھا بما عمل بہ رسول اللہ صلعم	صدقات مین کوئی تغیر نہ کرونگا اور اس مین وہی کرونگا
الخ (مسلم ج ۲ ص ۷۰ مطبوعہ مصر و بخاری)	جو رسول اللہ نے کیا ہے،

منکرین حدیث کو غور کرنا چاہئے کہ حضرت ابوبکرؓ نے میراث نبوی مین بھی جو حضرت فاطمہؓ کو ملنے والی تھی حدیث نبویؐ پر عمل ضروری سمجھا اور حضرت فاطمہؓ کو صاف جواب دیدیا، ایسی حالت مین اور مسائل کا کیا ذکر ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ پیش آمدہ مسائل مین آپ تنہا اپنے ہی معلومات حدیث پر اکتفا کرتے تھے بلکہ دوسرون کی قابل اعتماد روایات پر فیصلہ کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک عورت اپنے پوتے کی میراث مانگنے آئی، قرآن مین اس کے ترکہ کا ذکر نہین ہے، اسلئے فرمایا کہ قرآن مین تمھارے ترکہ کا کوئی ذکر نہین ہے، اور نہ دادی کے ترکہ مین مجھے رسول اللہ صلعم کا کوئی حکم معلوم ہے، مغیرہ بن شعبہ بیٹھے ہوئے تھے، انھون نے کہا مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے، آپ دادی کو چھٹا حصہ دلاتے تھے حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا کوئی اور شاہد ہے،

محمد بن مسلمہ نے شہادت دی، ان کی شہادت سنکر آپ نے اس عورت کو چھٹا حصہ دلایا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۳)

اس قسم کے بیسیون واقعات ہین، مثالاً صرف چند لکھ دیئے گئے، مزید کے لیے حدیث کی کتابون کی طرف رجوع کرنا چاہئے،

حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کا بھی یہی طرز عمل رہا، وہ بھی کتاب اللہ کے بعد سنتِ رسول ہی کی طرف رجوع کرتے تھے، بلکہ انھون نے سنت رسول کے ساتھ سنتِ ابی بکر کو بھی شامل کر لیا تھا، کہ یہ بھی سنت رسولؐ ہی پر مبنی تھی، چنانچہ اس کو ان الفاظ مین واضح فرمایا ہے،

انہ مضی لی صاحبای لی یعنی النبی صلعم وابابکر عملا عملاً وسلکا طریقاً فانی ان عملت لغیرھما سلک بی غیر طریقتھما، (ابن سعد جزو ۳ ق اول ص ۲۰)

میرے دو ساتھی یعنی نبی صلعم اور ابوبکر آگے جا چکے، انھون نے خاص قسم کے اعمال کئے اور خاص راستہ پر چلے، اب اگر مین ان دونون کے علاوہ کوئی تیسرے طریقہ پر عمل پیرا ہون تو میری وجہ سے ان دونون کے طریقون کے علاوہ ایک اور راہ کھلی،

اس مین انھون نے اپنے لیے عمل رسول اور عمل ابی بکر کی پیروی ضروری قرار دی،

حافظ ابن القیم حضرت ابوبکرؓ کے طریقہ کو جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے لکھنے کے بعد لکھتے ہین کہ

وکان عمر یفعل ذالک فاذا اعیاہ ان یجد ذالک فی الکتاب والسنۃ سال ھل کان لابی بکر قضی فیہ بقضاء فان کان لابی بکر قضی بہ والا جمع علماء الناس استشارھم فاذا اجتمع رایھم علی شی قضی بہ، (اعلام الموقعین ج اول ص ۱۴)

اور عمر بھی ایسا ہی (یعنی علی الترتیب کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی طرف رجوع) کرتے تھے اور جب کتاب اللہ اور سنت رسولؐ اللہ مین بھی کچھ نہ ملتا تو لوگون سے پوچھتے کہ ابوبکر نے اسمین کوئی فیصلہ کیا ہے، اگر ابوبکر کا فیصلہ موجود ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے ورنہ پھر صاحب علم بزرگون کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے، جس رائے پر سب کا اتفاق ہو جاتا اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے،

قضاۃ کو عہدۂ قضاء پر مقرر کرتے وقت خاص طور سے کتاب اللہ اور اس کے بعد سنت رسول کے مطابق فیصلوں کی ہدایت کرتے تھے، چنانچہ جب تاریخ اسلام کے مشہور قاضی شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو ہدایت کی،

انظر ما یتبین لك فی کتاب اللہ فلا تسأل عنہ احداً وما لم یتبین لك فی کتاب اللہ فاتبع فیہ سنۃ رسول اللہ وما لم تبین لك فیہ السنۃ فاجتہد فیہ رایك، (الاعلام الموقعین ج ۱ ص ۷۰)

جو مسئلہ پیش آئے اسمین پہلے کتاب اللہ کو دیکھو جو اس سے تمہارے لیے ظاہر ہو اور کسی سے نہ پوچھو اور جب کتاب اللہ سے ظاہر نہ ہو تو اس مین سنت رسول اللہ کی اتباع کرو اور جب سنت سے بھی ظاہر نہ ہو تو اپنی راے سے اجتہاد کرو،

چونکہ آپ کے زمانہ مین بکثرت فتوحات ہوئین نئے نئے ملک زیر نگین ہوئے، نئی نئی قومین اسلام کی حلقہ بگوش ہوئین اس لئے آپ نے ان ملکون کے عمال کو انتظام ملکی کے ساتھ اہل ملک کی دینی اور سنتِ نبوی کی تعلیم کا بھی حکم دیا، چنانچہ آپ نے اپنی شہادت کے وقت خدا کو اپنے جن اعمال پر شاہد بنایا تھا ان مین ایک تعلیم سنت رسول بھی تھی،

قال اللھم انی اشھدك علی امراء الامصار فانی انما ابعثھم لیعلموا الناس دینھم وسنۃ نبیھم ویعدلوا علیھم ویقسموا فیئھم بینھم ویرفعوا الی ما اشکل علیھم من امرھم، (ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۴۳)

(عمر نے) کہا خدایا مین تجھکو ملکون کے حکام پر گواہ ٹھہراتا ہون کہ مین نے ان کو اس لیے بھیجا تھا تاکہ وہ لوگون کو انکا دین اور ان کے نبی کی سنت سکھائین اور ان مین انصاف کرین اور مال غنیمت کا حصہ تقسیم کرین اور انھین جو مشکل پیش آئے اس کو میرے سامنے پیش کرین،

امراء اور عمال کے علاوہ علماء صحابہ کو اشاعتِ حدیث کے لیے مختلف ملکون مین بھیجتے تھے، چنانچہ فقہ الامت عبداللہ بن مسعود کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ، معقل بن یسار، عبداللہ بن مغفل اور عمران بن حصین کو بصرہ، اور عبادہ بن صامت کو شام روانہ کیا، اور امیر معاویہ والی شام کو لکھا کہ یہ لوگ حدیث سے سرمو

تجاوز نہ کرنے پائیں (ازالۃ الخفا، ج ۲ ص ۹)

اوپر کی روایات احتجاج بالحدیث والسنہ کے بارہ میں حضرت عمرؓ کے اصول کی تھیں، اب واقعات کی صورت میں ان کی مثالیں ملاحظہ ہوں،

شیبہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ عمرؓ نے جبکہ وہ مسجد (کعبہ) میں میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے مجھ سے کہا کہ میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ تمام سونا چاندی مسلمانوں میں تقسیم کر دونگا اور اس گھر (کعبہ) میں کچھ نہ رکھونگا، میں نے کہا تم کو اس کا کیا حق ہے انھوں نے کہا کیوں میں نے کہا اس لئے کہ تمہارے دونوں ساتھیوں (رسول اللہ اور ابوبکر) نے ایسا نہیں کیا، عمرؓ نے کہا میں انھیں دونوں کی اقتدا کرتا ہوں، (بخاری باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلعم ج ۲ ص ۱۰۸۱)

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ علی الترتیب کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، سنتِ ابوبکر اور اجماع صحابہ کے مطابق فیصلہ کرتے اور سب سے آخر میں اجتہاد کرتے تھے، لیکن اجتہاد کی صورت میں فیصلہ کے بعد اگر سنت رسول اللہ کا پتہ چل جاتا تو فیصلہ پلٹ دیتے، ابن مسیب راوی ہیں کہ عمر بن الخطاب نے ایک مرتبہ انگلیوں کی دیت کے بارہ میں کوئی فیصلہ کیا اس کے بعد اس بارہ میں ان کو آنحضرت صلعم کے ایک فرمان کا جو آپ نے ابن حزم کو لکھا تھا، حوالہ دیا گیا تو اپنا پہلا فیصلہ منسوخ کر دیا، (سیرت ابن خطاب ابن جوزی ص ۱۲۵)

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ایک مجنون زانیہ عورت کو سنگسار کرنا چاہا، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ تین شخص مرفوع القلم ہیں، سونے والا جبتک بیدار نہ ہو جائے، بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے، مجنون جب تک صحیح نہ ہو جائے، اور سمجھنے لگے"، یہ حدیث سنکر حضرت عمرؓ نے عورت کو چھوڑ دیا (مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۴۰)

یہی نہیں کہ آپ مسائل اور احکام میں سنتِ نبوی کو دلیلِ راہ بناتے تھے، بلکہ بعض ان سنتوں میں جن سے بظاہر کوئی فائدہ متصور نہ ہوتا محض سنت رسول ہونے کی وجہ سے ان پر عمل کرتے تھے، حجر اسود کا بوسہ لینا ارکانِ حج میں نہیں ہے، بلکہ محض سنت ہے، اور ایسی سنت جس سے بظاہر کوئی غرض بھی

مقصود نہیں، حضرت عمرؓ محض سنت کے خیال سے بوسہ دیتے تھے، اور کوڑا مار کر کہتے کہ میں جانتا ہوں کہ تو کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، لیکن رسول اللہ نے بوسہ لیا ہے، اس لیے میں بھی لیتا ہوں، (مسلم و بخاری کتاب الحج) اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تھی تو مجمع عام میں کھڑے ہو کر پوچھتے تھے کہ اس صورت کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے، تکبیر جنازہ، غسل میت، جزیہ مجوس، اور اس قسم کے صدہا مسائل کے متعلق آپ نے صحابہ سے پوچھ کر احادیث کا پتہ لگایا، جنکی تفصیل حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے، البتہ خبر احاد کو بغیر تائید ذی شہادت کے نہ قبول کرتے تھے، اس پر آیندہ بحث آئیگی، ایسی حالت میں یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ حدیث کو قابلِ حجت نہ سمجھتے تھے،

اس تفصیل کے بعد تذکرۃ الحفاظ کی ان روایات کی توضیح و تنقید کیجاتی ہے، جنکو منکرین حدیث اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں، ناظرین کو ان مخالف روایات کو جو اوپر گذر چکی ہیں پیش نظر کر لینا چاہیے،

۱۔ حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو روایتِ حدیث سے اس لیے نہیں روکا تھا کہ وہ ان کو قابلِ حجت نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ان کی تشریح کے مطابق اس کا سبب یہ تھا،

انکم تحدثون عن رسول اللہ صلعم احادیث تختلفون فیہا والناس بعدکم اشد اختلافا فلا تحدثوا عن رسول اللہ شیئاً فمن سألکم فقولوا بیننا وبینکم کتاب اللہ الخ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳)	تم لوگ رسول اللہ صلعم سے ایسی حدیثیں بیان کرتے ہو کہ جنمیں اختلاف کرتے ہو، جب تمہارا یہ حال ہے تو تمہارے بعد آنے والوں میں اس سے زیادہ اختلاف ہوگا، اس لئے رسول اللہ صلعم سے کوئی حدیث روایت نہ کرو، جو شخص تم سے پوچھے اس سے کہدو کہ ہمارے تمہارے درمیان کتاب اللہ ہے،

اولاً یہ روایت مرسل ہے جیسا کہ حافظ ذہبی نے تصریح کر دی ہے، فقط ایک تابعی کا بیان ہے، پھر اس میں اس ممانعت کا سبب خود بیان کر دیا ہے کہ اس کا سبب مسلمانوں کو اختلاف سے بچانا ہے نہ کہ حدیث کا انکار اور اس کا ناقابل حجت ہونا، واقعہ یہ ہے کہ بعض لوگ بلا امتیاز ہر قسم کی حدیثیں بیان کرتے تھے، جو

باہم مختلف ہوتی تھین، اس سے مسلمانون مین اختلاف پیدا ہونے کا خطرہ تھا، اس لیے عوام کو روایتِ حدیث کی ممانعت کردی تھی لیکن اس سے روایتِ حدیث کا دروازہ بند کرنا مقصود نہ تھا اور زُہّاد خود حدیثون سے کیون تمسک کرتے حافظ ذہبی اس روایت کے بعد ہی اپنی راے لکھتے ہین،

فھذا المرسل یدلک ان مراد الصدیق التثبت فی الاخبار والتحری لا سد باب الروایۃ لانہ لما نزل بہ امر الجدۃ ولم یجد فی الکتاب کیف سال عنہ فی السنن فلما اخبرہ الثقۃ ما اکتفی حتی استظہر بثقۃ اخر ولم یقل حسبنا کتاب اللہ کما تقولہ الخوارج (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۳)

اس مرسل روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ابوبکر صدیق کا مقصد حدیثون کی تصدیق اور توثیق تھی نہ حدیثون کا دروازہ بند کرنا، تم نے نہین دیکھا کہ جب ان کے پاس دادی کے ترکہ کا معاملہ آیا (اسکا واقعہ اوپر گذر چکا ہے) اور کتاب اللہ مین انھون نے نہین پایا تو کیسے اس مسئلہ مین رسول اللہ کی سنت دریافت کی، اور جب ایک ثقہ نے ان کو خبر دی تو اسکو کافی نہین سمجھا، جبتک دوسرے نے تصدیق نہین کی اسوقت خوارج کی طرح انھون نے یہ نہین کہا کہ ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہے

ایسی حالت مین اس روایت سے جو مرسل ہے، حضرت ابوبکرؓ کے انکارِ حدیث کا نتیجہ کس طرح درست ہے، اس کی صحت کی حالت مین صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے عوام کو جو بلا امتیاز ہر طرح کی حدیثین روایت کرتے تھے، اختلاف کے خطرہ سے روکا تھا،

۲- دوسری روایت یہ ہے کہ آپ نے اپنا لکھا ہوا پانسو حدیثون کا مجموعہ جلا دیا تھا، اولاً یہ روایت ہی صحیح نہین ہے، اس کا راوی ابراہیم بن عمر بن عبید اللہ التیمی مجہول ہے، رجال کی کتابون مین اس کا ذکر ہی نہین جسکا راوی ایسا مجہول ہو اسکی روایت کا کیا پایہ ہو سکتا ہے، خود حافظ ذہبی بھی جنھون نے بہ حیثیت واقعہ نگار یہ روایت نقل کی ہے اسے قابلِ اعتبار نہین سمجھتے اور آخر مین لکھتے ہین کہ "لا یصح ذالک" یہ روایت ہی صحیح نہین ہے، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵) پھر اس سے استدلال کیا، اس علمی خیانت کو دیکھیے کہ

منکرین حدیث اوپر کا واقعہ تو ذہبی سے نقل کرتے ہین، اور آخر کا ٹکڑا جسمین اس روایت کے عدم صحت کا ذکر ہے، چھوڑ دیتے ہین، لیکن بالفرض اگر اسکی صحت تسلیم بھی کر لیجائے تو اس سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ حضرت ابوبکر حدیثون کو قابل حجت نہین سمجھتے تھے، اگر وہ ایسا سمجھتے تھے تو وہ پہلے ہی کیون لکھتے، اس کا سبب خود انھین کی زبان سے یہ تھا،

خشیت ان اموت وھی عندی فیکون فیھا احادیث عن رجل قد ائتمنتہ ووثقت ولم یکن کما حدثنی، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵)

مجھے یہ خوف معلوم ہوا کہ مین مرجاؤن اور یہ مجموعہ میرے پاس رہجائے اور اس مین ایسی حدیثین ہون جن کو مین نے ایسے آدمیون سے لیا ہو جنھین مین امین اور قابل وثوق سمجھتا ہون اور وہ درحقیقت ایسے نہ ہون،

اس تشریح سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپنے اس لئے نہین جلایا تھا کہ سرے سے حدیث ہی کے منکر تھے بلکہ آپ کو ان کے راویون پر پورا اعتماد نہ تھا، ایسی حالت مین ان کا جلادینا ضروری معلوم ہوا، لیکن یہ واقعہ ہی صحیح نہین ہے، اور خود اس عبارت مین "احادیث" اور "وثوق" کے دو لفظ ایسے ہین جو ان معنون مین قرن اول مین مستعمل نہ تھے، اس سے یہ روایت سراسر ناقابل اعتبار ہوجاتی ہے،

حضرت ابوبکر کی مخالفت حدیث کی بنیاد انھین دو حصون مین قائم کیجاتی ہے، جس کی حقیقت ظاہر کردی گئی،

خطبات مدراس

مولانا نے ۱۹۲۶ء مین مدراس مین سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤن پر آٹھ خطبے دیئے تھے جو نہایت مقبول ہوئے اور مسلمانون نے ان کو بے حد پسند کیا، ان آٹھ لکچرون مین نہایت موثر الفاظ مین اندرونی و بیرونی دلائل کیساتھ آنحضرت صلعم کی سیرۃ مبارکہ اور آپکی تعلیمات کا عطر اور خلاصہ پیش کیا گیا ہے، یہ اس لائق ہین کہ مسلمانون کے علاوہ غیر مسلمون مین ہدیۃً تقسیم کئے جائین اور عربی مدرسون اور مکتبون اور انجمنون مین ان کو پڑھایا جائے، ضخامت ۱۵۸ صفحے، قیمت: ۴ھ

منیجر

علی عادل شاہ ثانی المتخلص بہ شاہی کا اُردو کلیات

سنہ ۱۰۶۷ھ تا سنہ ۱۰۸۳ھ

از

مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی، مؤلف "یورپ مین دکھنی مخطوطات" حیدرآباد دکن

"مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی مؤلف "یورپ مین دکھنی مخطوطات" اردو کی ابتدائی تاریخ کی گشدہ کڑیون کی تلاش وجستجو مین سرگردان رہتے ہین، موصوف اس سے پہلے وجہی، نظامی اور ابراہیم عادلشاہ کی مثنویون کو پہلی مرتبہ ان صفحات مین روشناس کر چکے ہین آج وہ سلطنت عادلشاہی کے ایک تاجدار سلطان علی عادل شاہ کے کلیات کو پہلی مرتبہ روشناس کر رہے ہین، امید ہے کہ اسے بھی دلچسپی سے دیکھا جائیگا"

"سید ریاست علی ندوی، سب اڈیٹر معارف"

یہ ہمین معلوم ہے کہ بیجاپور کے آٹھوین حکمران سلطان علی عادل شاہ ثانی کا تخلص شاہی تھا اور وہ عموماً اردو زبان مین طبع آزمائی کیا کرتا تھا، مگر آج تک اس کے کلام کے متعلق کافی تفصیلات سے آگاہی نہین تھی، اس کی ایک مثنوی کے متعلق ہم نے ایک علٰحدہ مضمون لکھا ہے،

آج سلطان کے کلیات کا ناظرین سے تعارف کرایا جاتا ہے، اس کا ایک مخطوطہ ہم کو برہان پور سے دستیاب ہوا تھا، اور اب وہ دفتر دیوانی ومال سرکار نظام (حیدرآباد) کے کتب خانہ[1] مین محفوظ ہے،

[1] یہ دفتر سرکار آصفیہ حیدرآباد کا ہسٹاریکل ریکارڈ آفس ہے، اس مین فارسی عربی اردو اور انگریزی مخطوطات کا کافی ذخیرہ جمع کیا گیا ہے جس مین ایک بڑا حصہ نایاب اور کمیاب مخطوطات کا بھی ہے،

اس کلیات کے تعارف سے پیشتر خود سلطان علی عادل شاہ ثانی کی سوانح زندگی کو مختصراً بیان کرنا بے محل نہ ہوگا

بیجاپور کے عادل شاہی حکمرانون مین سلطان علی عادل شاہ ثانی آٹھوان تاجدار ہے، جو سلطان محمد عادلشاہ کا اکلوتا چشم وچراغ تھا۔ ۱۶ ربیع الثانی ۱۰۴۸ھ کو بیجاپور مین پیدا ہوا چونکہ سلطان محمد کے اس سے پہلے کوئی اولاد نہین ہوئی تھی اس لیے اس کے تولد پر بڑی خوشی منائی گئی، غربا کو خیرات تقسیم ہوئی، علماء شعراء اور امرا کو جاگیر و مناصب سے سرفراز کیا گیا شعرا نے قصیدے پیش کئے اور تاریخین نکالین، منجملہ اُن کے خواجگی آقا نے جو قطعہ موزون کیا تھا اس کا مصرعۂ تاریخی حسب ذیل تھا۔

مولود شہزادہ گفت کوکب شوکت رسید

خدیجہ سلطان شہر بانو جو سلطان محمد عادل شاہ کی ملکہ اور سلطان محمد قطب شاہ والی گولکندہ کی دختر تھی اس نومولود کو اپنے آغوش مین لیکر تعلیم و تربیت مین مصروف ہوئی، لائق معلم اور قابل مؤدب شہزادے کی تعلیم و تدریس کے لیے مامور کئے گئے، اس زمانہ کی سوسائٹی مین حکمرانی کی قابلیت حاصل کرنے کے لیے جس نصاب کو ختم کرنا ضروری تھا اس کا باحسن وجوہ انتظام عمل مین آیا، اس اہتمام اور انتظام علمی ماحول، قابل اور صاحب تدبیر ماں کی تربیت اور نگرانی کا اثر تھا کہ شہزادہ علی اپنے زمانہ کا نامور ادیب، بلند پایہ شاعر، قابل مدبر اور فنون جنگ مین آزمودہ کار سپہ سالار ثابت ہوا،

باپ کے انتقال پر محرم ۱۰۶۷ھ مین انتیس سال کی عمر مین سلطنت کی باگ ہاتھ مین لی، درباری شاعر عبدالنبی نے

نوبت شاہی زدہ بعہد محمد علی

سے تاریخ نکالی ہے،

محمد عادل شاہ کے زمانہ ہی مین سلطنت عادل شاہی کا شیرازہ درہم برہم ہونے لگا تھا، مغلیہ شاہنشاہی کی حکمت عملی اب اس امر کی مقتضی تھی کہ دکن کو بھی اپنی سلطنت کا ایک جزو بنالے، چنانچہ شاہجہان کی جانب سے اورنگ زیب نے حملہ کرکے بیدر و کلیانی وغیرہ پر قبضہ کرلیا، اور خود بیجاپور کی باری تھی کہ شاہجہان کی علالت کی

خبر آئی، اورنگ زیب نے عارضی طور پر صلح کر لی،

یہ وہ زمانہ ہے جبکہ سلطنت عادل شاہی مین اسباب زوال اپنا کام کر رہے تھے، ارکان و عمائد حکومت عیش پرستی کے خوگر ہو چکے تھے، نظم و انتظام کی چولین ڈھیلی پڑ رہی تھین،

اورنگ زیب سے صلح کے بعد عادل شاہی دربار نے ابھی سنبھالا نہین لیا تھا کہ اسی اثنا مین سیواجی نے حکومت کے خواب دیکھنے شروع کئے، عادلشاہی سپہ سالار افضل خان کا سیواجی کے ہاتھون دھوکہ سے مارا جانا تاریخ کا ایک غمناک اور دردانگیز واقعہ ہے، اس جرم کی سزا دینے کے لیے سدی جوہر المخاطب صلابت خان روانہ کیا گیا، صلابت خان سیواجی کی سازش کا شکار ہو گیا اور دونون شیر و شکر ہو گئے، اب خود سلطان نے فوج کشی کی، سیواجی کا فرار ہونا صلابت خان کا قلعہ پنالہ مین محصور ہو کر طالب عفو ہونا اور پھر سرتابی کرنا اور بالآخر شکست کھا کر انتقال کرنا سب کچھ تاریخ کے مشہور واقعات ہین، تفصیل کی ضرورت نہین،

علی عادل شاہ کے مصائب کا سلسلہ اسی پر ختم نہین ہوا، سلطنت عادل شاہی اعدا کے نرغے مین تھی لیکن سلطان نے اپنی فراست و دانشمندی اور قابلیت کے بل بوتے پر ان مشکلات پر غالب آنے کی کوشش کی، چنانچہ سلطنت مین کچھ اضافہ بھی ہوا، ملیبار اور بدنور وغیرہ فتح ہوئے، سلطان نے کرناٹک کے جانب توجہ کی تھی کہ سیواجی نے پھر سر اٹھایا، اورنگ زیب کے حسب خواہش علی عادل شاہ نے سیواجی کے قلع و قمع پر کمر باندھی، دربار مغلیہ سے بھی جے سنگھ کی سپہ سالاری مین فوج روانہ ہوئی، ابھی فوج آئی نہین تھی کہ سیواجی عادل شاہی لشکر سے مقابلہ کی تاب نہ لاکر پونہ کی جانب فرار ہو گیا، مغلیہ فوج نے پونہ کا محاصرہ کر لیا، سیواجی کی سازش جے سنگھ پر بھی کارگر ہو گئی، دونون مل کر بیجاپور پر حملہ کے لیے روانہ ہوئے، دو سال کی مسلسل ناکامی کے بعد مغلیہ فوج واپس ہو گئی، اس کے بعد سیواجی نے پھر ہاتھ پیر نکالے، لیکن صلح ہو گئی،

اب خود سلطان کا پیمانہ عمر بھی لبریز ہو گیا اور پینتیس ۳۵ سال کی بھری جوانی مین سولہ ۱۶ سال کے حکومت کے بعد سفر آخرت اختیار کیا، "پادشہ دین علی کرد وطن برجنان" تاریخ وفات ہے (۱۰۸۳ھ)

سلطان علی عادل شاہ ایک منصف مزاج، دادگستر اور رعیت پرور حکمران تھا، علم و فضل کا قدردان اور خود بھی ذی علم تھا، نہایت خوش مزاج، رنگین طبع اور لطیفہ گو، بذلہ سنجی مین مہارت تامہ رکھتا تھا، شعر و سخن مین ید طولیٰ حاصل تھا، علما و فضلا اور شعرا کا قدردان تھا اُس کے اسی انہماک کا نتیجہ تھا کہ اس کے زمانہ مین گھر گھر شعر اور شاعری کا چرچا تھا اور ہر طرف علمی چہل پہل تھی،

سلطان کو فنون لطیفہ سے اچھا ذوق تھا، شاعری اور موسیقی مین مہارت تھی، عمارات سے دلچسپی تھی، متعدد قصر و محل تعمیر کئے تھے،

اس کی علمی قدردانی اور ذوقِ شاعری کے متعلق عالمگیری مورخ خافی خان لکھتا ہے:-

"بادشاہ بود باہوش، سپاہ دوست و در سخاوت و شجاعت و وسعت خلق مشہور، فضلا و صلحا را دوست داشتے و شاعران را حرمت نمودے، خصوص در حق شاعرانِ ہندی زیادہ مراعات می فرمود"

اسی طرح ابراہیم زبیری نے بساتین السلاطین مین لکھا ہے:-

"چون طبع ہمایون بادشاہ اکثر میل بجانب لغت خاص خویش یعنی زبان دکھنی داشت، بر طبق الناس علیٰ دین ملوکہم شعرائے ہندی گو بسیار از خاک بیجاپور برخاستہ اند، خانہ بخانہ ہنگامہ شعر تازہ گوئی گرم داشتہ اند" (ص ۴۳۰)

قاضی نور اللہ جو اسی عہد کا مورخ ہے، اپنی کتاب تاریخ علی عادلشاہ مین لکھتا ہے:-

"این بادشاہ ظل اللہ را کہ در روز ازل از استاد و علمنا من لدنا علما کسبِ کمالات کونی و الٰہی و فضائل ظاہری و باطنی در مدرسہ خلق الانسان علمہ البیان کردہ کرسی نشین قرب خالقِ ذوالجلال و صور گزین جوار قادر متعال بود، گنج لیاقت و استحقاق سبب علیت ظہور مذکور خداوند علی الاطلاق در ذات عظیم المرتبت رفیع المنزلت آن نور سراپا

سرور دلیت نہادہ"

ان تفصیلات سے جس طرح یہ واضح ہے کہ سلطان کی علمی قابلیت مسلمہ تھی اور وہ علما و فضلا کا قدردان تھا یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کو ہندی یا بہ الفاظ دیگر اردو شاعری سے بھی خاص شغف تھا، یہی وجہ تھی کہ اس کے دربار مین بیسیون شعرائے نامدار جمع تھے جنمین نصرتی، ہاشمی، مرزا وغیرہ مشہور ہین، نصرتی ملک الشعرا تھا، اس کی تصنیفات گلشن عشق اور علی نامہ سے سلطان کے حالات پر جسطرح روشنی پڑتی ہے وہ اب عام طور سے معلوم ہے، اس کی صراحت اردو شہ پارے اور یورپ مین دکھنی مخطوطات سے ہوسکتی ہے، یہان اُن کی تفصیل کا موقع نہین مگر اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ نصرتی جیسا بلند پایہ شاعر خود سلطان کا خوشہ چین اور اسی کا شاگرد تھا،

یہ امر قابل افسوس تھا کہ تاحال سلطان کا کلام گوشۂ گمنامی مین تھا، مگر اب نہایت مسرت کیساتھ سلطان کے کلیات کو علمی دنیا کی خدمت مین پیش کیا جاتا ہے،

زیر بحث کلیات کے (۲۴۰) صفحے ہین، فی صفحہ چھ سطر ہین، خط نسخ نہایت پاکیزہ لکھا ہوا ہے، اعراب بھی دیئے گئے ہین، مطلا جدول ہے،

تمام اصناف سخن یعنی قصیدے، مثنویان، غزل، مخمس، متمن، رباعی، فرد، اسمین شامل ہین نا یخین بھی ہین

پہلے اس امر کی بھی صراحت ضروری ہے کہ اس کلیات کو سلطان علی عادلشاہ ثانی المتخلص بہ شاہی کا کلیات قرار دینے کے کیا وجوہ ہین،

(الف) کلیات مین متعدد جگہ شاہی تخلص آیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ شاہی علی عادلشاہ ثانی ہی کا تخلص تھا،

"روزے علی عادلشاہ مرزان کا را بحضور طلبیدہ مدارت وعنایات بد ونمود وتکلف نمود کہ زبان را بمدح بادشاہ آشنا سازد، مرزان گفت زبانے را کہ در حمد ونعت ومنقبت وقف گردیدہ درحکم من نانده بادشاہ مکرر تکلیف نمود ناچار یک دو مرثیہ بزبان سلطان گفتہ بجائے اسم خویش

تخلص علی عادل شاہ کہ شاہی بود بہ قسمے داخل نمودہ کہ ذو معنی واقع شدہ"۔ (برہان قاطع طبع ۱۹۳۳ء)

(ب) اشعار ذیل اس امر کا کافی ثبوت پیش کرتے ہین کہ یہ علی عادل شاہ ہی کا کلیات ہے،

تیرا یاد دن رات شاہی کا کاج — ترے فیض سون ہے اُسے تخت و تاج

مظفر علی شاہ کے ہاست کا — اچک تیر لاگیا نشان کے پلک (ص ۱۲)

لاکھ سون بھون چٹ بتوت سون سید سین بناوے — بھید پر دنگ گت علی عادل سیوک مرتضیٰ ترت نجاوے (ص ۱۵۸)

سلطان کی کنیت ابو المظفر ہونے کی تصدیق نہ صرف تاریخون سے ہوتی ہے بلکہ نصرتی کے ذیل (ص ۲۱۹) کے اشعار سے بھی اس کا ثبوت فراہم ہوتا ہے،

علی عادل شہ غازی شہنشہ بو المظفر کون — دیا ہے جس خدا ایسا کہ تھا جیسا سکندر کون

الٰہی سور یونت ان کو عالمگیر ہے جگ مین — تلک جم فتح و نصرت دے یو شاہ بو المظفر کون

ج:- کلیات کے عنوانات مین صراحت کیگئی ہے، "حضرت شاہی فرمودند"

د:- شرف برج اور بادشاہ محل کی تاریخین ۱۰۸۰ھ و ۱۰۸۱ھ کی برآمد کی گئی ہین، اس زمانہ مین علی عادل شاہ ثانی ہی حکمران تھا،

ہ:- شرف برج کی تاریخ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس تاریخ کا مصنف خود سلطان ہے،

و:- علی داد محل کی تعمیر اسی سلطان نے کی تھی اس کے قصیدے کا طرز بیان اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہی اس کا بانی ہے،

ان تفصیلات سے اس امر کی بخوبی تصدیق ہو جاتی ہے کہ یہ کلیات سلطان علی عادل شاہ ثانی ہی کا ہے، ایک اور امر کی صراحت بھی ضروری ہے کہ اس کلیات کی ترتیب کب ہوئی؟ کلیات کے خاتمہ پر کوئی تاریخ درج نہین ہے مگر اس مین بادشاہ محل کی تاریخ ۱۰۸۱ھ درج ہے اس سے واضح ہے کہ اس سنہ کے بعد ہی اسکی ترتیب ہوئی ہوگی،

کلیات کا کاغذ نہایت عمدہ زرافشان ہے، اور خط بھی نہایت پاکیزہ ہے، قیاس ہوتا ہے کہ شاید شاہی کتب خانہ ہی کا نسخہ ہو،

قصائد دکھنی قصائد کی بنا فارسی پر قائم ہوئی ہے اس لیے جو لوازم فارسی قصائد کے ہین وہی دکھنی قصائد مین نظر آتے ہین، تمہید، گریز، مدح، تعریف اور دعا، قصیدے کے اجزا ہوتے ہین، دکھنی قصائد مین نصرتی کے قصیدے خاص طور پر قابلِ ذکر ہین، جو تسلسلِ مضمون اور واقعہ نگاری کی حیثیت سے ممتاز ہین،

زیر بحث کلیات مین شاہی کے چھ قصیدے ہین، پہلا قصیدہ حمد مین ہے، دوسرا نعت مین، تیسرا منقبت حضرت علیؓ مین، چوتھا منقبت دوازدہ امام مین، پانچوان حوض، علی داد محل اور باغ کی تعریف مین، اور چھٹا چار در چار کے عنوان سے ہے، پہلے قصیدہ مین ابتدائی ورق نہ ہونے سے چند شعر کم ہین، موجودہ تعداد ۲۷ ہے، جو اشعار موجود ہین ان مین ابتدائی اشعار حسب ذیل ہین:-

عقل کا مکتب ہوا فہم کے پڑھنے بدل — عقل معلم اپن قصہ سکھایا کہن،
عقل خبردار ہے عقل ہمہ کار ہے — عقل کا جاسوس ہو مکہ پہ اچھے یو کرن
عقل کا موتی مگر مغز کے طبلے بہتر — خوب دساوے جھلک درجگ درعدن
عقل کسوٹی ہوئی طبع کے کسنے بدل — بوجھ رکھیا ہے صراف قلب کہرا جیو کنجن

اسی طرح عقل کی تعریف کرنے کے بعد:-

خاک کی پتلی بنا روح لے تن مین بھرا — جال چلا کر اول آپ سکھایا کمن
آب و آتش ملا خاک و ہوا تے کلا — چار عناصر لگا دیہ سنوار یا ہمن
دور پھرین جو تمام سجدہ کرین صبح و شام — لیکہ ستاریان سنگات چاند سورج ہور گگن
نور کا جھلکاٹ دے حور پری لاک سنوار — سات طبق سرک کے پور رکھیا ذوالمنن

دوسرا قصیدہ جو نعت مین ہے پچاس شعر کا ہے، یہ بہاریہ قصیدہ ہے، تمہیدی شعر ملاحظہ ہون:-

دیکھو نوروز جنجل یو بہارستان دیکھایا ہے — برگبن پھل و پھولان مین پون کے ہت کہلایا ہے
سرک کی اوج کی کرسی سنواریا دول ہو دن کر — چندر ناری بلانے گھر بسنت سارا بنایا ہے
براتی سب بلایا ہے شرف اپنا دیکھایا ہے — زری کسوت سراپا کر سوسج نو شو ہو آیا ہے
اودک جل تھل بھرے حوضان نہین ہی جانو بھوین پر — چندر کا مکھ دیکھانے تین سرج ارسیان منگایا ہے
گریز یون ہے،

ودبو لیا باغ مالی سون بڑا ہے نانون سو کس کا — کھیاؤ داسم احمد کا جنے دین آپ نپایا ہے
محمد شاہ مرسل کا منگیا جب نعت کہتے مین — مٹھائی پاکر من میرا یو مضمون چن کہ لیایا ہے
محمد سا نہین پیدا کیا کرتار ترجگ مین — اسی کے عشق تین سو نسار ترجگ کا برایا ہے
فرشتان کا نہ تھا پھیرا تدان تھا نور سو تیرا — ترے احکام محشر لگ جگت کے سر چڑھایا ہے
بڑا تج دین کا کس ہے دوجے دین سب پس ہو — ترے انگشت کے کس نین چندر دو کھند گرایا ہے

تیسرا قصیدہ منقبت حضرت علیؓ مین ہے، اس کے پچاس شعر ہین، تمہید:-

ارے کلال مجکون پیالا پلا کیا کا — تا مست ہو کہ دیکھون مکڑا علی پیا کا
پیو جیو کا گسائین پیوسون پرت لگائین — پینا شراب پیومل پانی ارت پیا کا
گریز:-

شاہ نجف ولی ہے تس نانون سو علی ہے — ودراز دان احمد سلطان اولیا کا
جس ذات مین محبت کرنا اچھے علی کی — حیران سدا پرے ودجیون سنگ آسیا کا
تج شہ جوان اگین مغلوب ہین عدو سب — تون شیر ہے ازل تھین موصوف انبیا کا

تلوار کی تعریف ملاحظہ ہون:

تج تیغ کی جھلک تھین بجلی چھپی گگن مین — شمشیر زن تھین ہے سردار اصفیا کا

تج تیغ تیز آگین اوسان سب بسریا پانی گیا ہے مکھ تھین چت بھول بیریا کا

خاتمہ :-

شاہی ہوا ہی عاشق سن نانون مرتضیٰ کا سایا اوسیج کا ہے تس سیس پر دیا کا

چوتھا قصیدہ دوازدہ امام کی منقبت مین ہے اس کے (۶۵) شعر ہین، تمہید :-

مج دل کے رسے میدان پر جب عشق کے فوجان چڑھے تب ہوش کے راوت جتی مخمور ہو بے خود پڑے

جو عشق کے سلطان کا فرمان کہت مین آئیا ابتال ہو پاتان یو دُو وضعت بدل نس دن کھڑے

امام حسین علیہ السلام کی تعریف مین کہتا ہے :-

سارے جہان مین نین ہوا تج سار کا شمشیر زن جس پر کیا یک وار تون دو دھڑ برابر ہو پڑے

تج کھرک کی ہور علم کی تعریف مین کیون کر سکون حق کی عنایت تھے ادبک یو دو صفت تج ہٹ چڑھے

پھر پھر ہوا لازم مجھے تعریف کہنا شاہ کی تو مطلع ثانی کیا رات شوق سون ہر یک پڑے

نا بولنے کچ جان تے تھے طبع کے جو گہر پڑے تر لوک مین شیانے دسے جب درس مین شہ کے چڑھے

پانچوان قصیدہ حوض - علی داد محل اور باغ کی تعریف مین ہے اس قصیدہ کے (۶۵) شعر ہین یہ لامیہ قصیدہ ایک زبردست قصیدہ ہے، اسی بحر اور ردیف مین نصرتی نے بھی ایک قصیدہ لکھا ہے، محمن کاکوری کا وہ مشہور قصیدہ نعت بھی جسکا پہلا مصرعہ، "سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل" ہے، اسی بحر مین ہے سلطان نے علی داد محل کو ۱۰۶۹ھ مین تعمیر کیا تھا اس کا باغ بھی مشہور و معروف تھا،

دسے مج نین مین اس حوض پہ چند نا یو نجھل دھڑیا ہے چاندنی جیونکہ اپس مکہ کے آ کل

صفائی دیکھ کر اس حوض کی چند ر دائم چلے آکاس پہ ات شوق سون امرت تے اوبل

پریان آچرج ہو کھیان دیکھ کر اس حوض کہ تین اچھے امرت تے بہریا حوض یو سمدر تے ڈ کل

علی داد محل کی تعریف :-

کسوایا اٹھوان سمدر بہر یا جب نیر سون حوض سزاوار اس کے آینگے ہے یو علی داد محل
پایا یو اچھے اس قصر کا پاتال تلک طاق کسریٰ ہوے معراج اسے زہ کے اکل

باغ کی تعریف:-

مقدم دیس ونس کا بیان کم زیادت کرکے بولیا ہون یہان تے ہین تعریف کچ یک باغ بدل

. . . . . .

بھرے ہین باغ کے تختے گلان ہر جنس تے کے خصوصاً رینی تس مین یو دسا دی جنجل

. . . . . .

دسے شربت کے یو کوزے جتے ناریل کے کپر میٹھے کئی نیر کے چشمے تے بہریا ہے منجل
نارنگی رنگ کا ہوس دہر لگی ایا غ مینے رنگائے تن کون سرا سر دیکھو ہور رنگ رس مین گل

خاتمہ:-

پہلان پھولان سون عمارت کی ہوئی جب یو صفت بھرے معنی سون یک یک بول دساوے افضل
دکھانے طبع کی قوت شاہی اس بحر منے بندھیا ہر بیت مین کئی لفظ یو صنعت کے نول
جان ہور دل تھے اچاہات دعا منگتا ہے تا اچھے امن مین سکھ چین تے یو خلق سگل
جو لگون نور سون دن کر اچھے ہور چاند و گگن جو لگون زہرہ ہے زاہر اچھے ہور پر زحل
مشتری سعد ہے جو لگ وعطارد ہے دبیر جو لگون پانچو منے آکاس پہ دستا ہے منگل
جو لگون رات دن دُپہر گھڑی جشن منے بجو انند سون اس گھر مین سدا تال منڈل

چھٹا قصیدہ چار درچار کے عنوان سے ہے اس کے (۱۹) شعر ہین، پہلا شعر حسب ذیل ہے:-

دیکھو اجہنا لکیا ہے یو بن نوی کلان سون بہر ایا ہے سرو صنوبر سمنکے پیلان پہلے مین پھولان اچھے مکار

مثنویان دکھنی شعرا طویل مثنویان لکھنے کے عموماً عادی تھے جہان تک ہماری معلومات ہین ان کے سخا

سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ دکن مین کسی غیر مسلسل نظم کے بجائے مسلسل نظم (مثنوی) کا وجود ہی پہلے ہوا ہے، دکھنی شعرا کی اکثر مثنویان فارسی سے ترجمہ ہوئی ہین مگر ایسی مثنویان بھی لکھی گئی ہین کہ جنکو مصنف کی دماغی اپج قرار دیا جاسکتا ہے، مثلاً وجہی کی قطب مشتری اور نصرتی کا علی نامہ وغیرہ،

شاہی کی ایک نامکمل طویل مثنوی (بدیع الجمال) کے متعلق ہم نے ایک علیحدہ مضمون لکھا ہے، اس کلیات مین بھی سلطان کی تین مثنویان ہین جنمین سے ایک بہتر شعر کی مثنوی خیبر نامہ کے نام سے لکھی گئی ہے، دو اور مثنویان سات سات شعر کی ہین،

خیبر نامہ مین جنگ خیبر کے حالات ہین، زیادہ تر واقعات نہایت صداقت کیساتھ نظم کئے گئے ہین، یہ مثنوی واقعہ نگاری کا اچھا نمونہ ہے، مختصراً انتخاب پیش ہے:-

اوّل حق کی توحید سون کر سخن — پچھن خوش اداسون بیان کر بچن
تجے ہے سزاوار حمد و ثنا — ترے حکم سون ہے نہنا ہور بڑا
اتا ایک قصہ سنون جنگ کا — کہ دو جنگ تھا دین کے ننگ کا
اتھا ایک خیبر کا قلعہ بکل — بڑے بہر کلان پر اکل تھے اٹل
سلح ظاہری باطنی سون سنوار — عنایت کئے شاہ کون ذوالفقار
روانا ہوے جنگ کے لئے نامدار — دو شاہ ولایت ادھک کام گار
چلے شہ وہین کفر کون توڑنے — اوجا سٹ پتھر کے بتان پھوڑنے
جو مرحب نے دیکھا برادر کتین — کھیا دو گیا تو لڑون گا سج مین
زرہ باندھ دوہری بندھا دو فرنگ — رکھیا دل مین جب شہ سون کرنے پلنگ
لیا ہات بھالا جو تھا تیں من — شتابی سون آکر کھڑا بیچ رن
جو دیکھا نظر بھر شہنشہ کامون — دو بولیا سخن یو اپس بوج سون

کہ سپنے مین دیکھیا ہون مین رات شیر — کیا پھاڑ پنجے سون آپس کون زیر
وہی شیر دستا ہے مج آج یو — غصے سون کرے گا مگر دہر کون دو
شہنشہ نے مرحب کون بیگی بلک — دو شق کر سٹے سیس تھی پا تلک

.. ..

یہودی جتے تھے ہوے سرنگون — غنیمت لگی ہات حد سون فزون
فتح کر قلعے کون شہنشاہ سور — پھرے لیکہ لشکر پیمبر حضور
پیمبر خبر سنکہ خوش حال دل — ہوئے تو انگے اعلی شہ سون مل

.. ..

تیرا یا دن رات شاہی کا کاج
ترے فیض سون ہو اُسے تخت و تاج

ایک دوسری مثنوی بھی ملاحظہ ہو:-

سونے کی صراحی سونے کا ہے جام — سونا گھول پتی ہے بھر بھر مدام
چندر مکھ سکی کا ادھک پیار کا — سونے کا ہے سیس پھول سرج سار کا
سونے کیان کلیان کر کرن مین بہڑی — سونے کی زنجیر گلے مین دھری
سینا ہے سکی کا سونے سار کا — سونا ہور موتی گلے ھار کا
سونے کا زرنیا سونے کا ہے آنگ — سونے کا ہے ٹیکا سونے کا ہے مانگ
سو دھن جب سنواری ہے پیچن کانگ — سونا آسرن لگ دہر یا سیس پگ

کرم تج پہ شاہی کا دستا ہے آج
سونے کا انجل ادت کرتی ہے لاج

غزلیات مثنویون کے بعد غزلیات ہین جنکی تعداد (۱۸) ہے، ان کے اشعار کی تعداد پانچ سے چودہ تک ہے، اشعار کی کل تعداد (۱۳۹) ہے نمونہ ملاحظہ ہو،

سارے جہان کے پارکھی پرکھون رتن کیونکر کہو — یاقوت ہور مرجان مین کو ہے رتن برتر کہو
بولے جہان کے پارکھی ہمنا نہ آوے بولنا — تمنا سہاتا بولنا اے شاہ بحر و بر کہو
بولیا ہون نت مین فکر تے بولو رتن کا فرق کر — گر کچ اچھے انصاف تو اس بول کون خوشتر کہو
مرجان مین صافی نہین یاقوت مین صافی اچھے — جس ذات مین صافی اچھے اس ذات کو ان بہتر کہو

یاقوت ہور مرجان کی شاہی لکھیا ساری غزل
سنکر جگت کے شاعران اس شعر کون افسر کہو

خوش بہانت ہو پیاری آتی انگنن مین جم جم — نت پیم مین لٹکتے دستی نین مین جسم جم
پھولی ہون ات خوشی سون ہو باغ باغ من مین — جب ہاتھ ملا کر پھرتے چمن مین جسم جم

درد تے ہوا ہے مج کہ مین تج کل نہین دیکھا — ہوا بے کل تیا مین کل کہ یک تل کل نہین دیکھا
تمارے حسن کی خوبی مقابل جب چندر سون ہوئی — تدانتی مین کلینکے کون کدھن نرمل نہین دیکھا

چل خوش سہاوے کمان کے اوپر — کمان پدمنی سے چلا ہے الگ
مظفر علی شاہ کے ہات کا — اچک تیر لاگیا نشان کے پلک

ابرو کمانان کھینچ کر مارے پلک کے تیر سون — زخمی ہوا دل کا ہرن لاگیا نشان تج ہات کا

تج بال کالے دیکھ کر بادل پھرین حیران ہو — تج بھال ہور نیلک کنے کیا چاند ہور کیا سورجے

ریختہ شمالی ہند مین ایک زمانہ تک اردو زبان ہی کا نام ریختہ تھا اور پھر نظم کو بھی عام طور سے ریختہ کہا جاتا تھا، بخلاف اس کے دکن مین اردو زبان کو کبھی ریختہ نہین کہا گیا اور نہ عام طور سے نظم کو ریختہ کا نام دیا گیا، البتہ وآی کے زمانہ سے نظم ریختہ کے نام سے بھی موسوم ہونے لگی ہے

یہ ریختہ ولی کا جاکر اُسے سُنا دو رکھتا ہے فکر روشن جوانوری کے مانند

ہمارا خیال ہے ولی نے بھی اسکو شمالی ہند کے سفر کے بعد ہی اختیار کیا ہوگا، کیونکہ دکن مین ریختہ سے مراد صرف وہ اشعار تھے جنمین مصرعے فارسی اور اردو ترکیبون سے مرکب ہوتے تھے، چنانچہ زیر تبصرہ کلیات مین ایک غزل ایسی موجود ہے اور اسکو ریختہ کے عنوان کے تحت لکھا گیا ہے اس غزل کے بعض اشعار ملاحظہ ہون،

دیدم نظر بہر روپ جو اس شوخ چکہ مستانہ را گفتم بیا مندر منے روشن بکن کاشانہ را

نامان کر اس بول کون انچل جھٹک دے جب چلی اُختم سون بولی مجھے با من مگو افسانہ را

تس کے فراقون یون وسکلا رسب انگار ہو یو دل معلم ہو مرا دیوے سبق پروانہ را

موزون متفا بولنے ہر یک کون کان طاقت اجرج کہیا شاہی غزل سننے بدل فرزانہ را

ریختی | ریختی کا موجد ہاشمی بیجاپوری متصور ہوتا ہے جو اسی علی عادل شاہ کے زمانہ مین تھا، زیر بحث کلیات مین بھی ایک غزل ایسی موجود ہے جسکو ریختی سے موسوم کرنا غیر درست نہ ہوگا، وہ اگرچہ اس کلیات مین غزلون کے تحت مین درج ہے، مگر عورتون ہی کی زبان مین ہے، یہ پوری غزل حسب ذیل ہے،

پیوسات ریجھ رہنا لذت اسے کہتے ہین آپ ریجھ پیر رجھانا صنعت اسے کہتے ہین

مج نین کے نگر مین لالن وطن کئے جب تب انجمن کے لوگان خلوت اسے کہتے ہین

مین جاؤن ہو پیا سنگ لاگے رہی ہون دائم یک تل جدا نہ ہونا وصلت اسے کہتے ہین

گل ہور گلاب میانے نہین کچ فرق ازلتے یون پیون سون مل رہی ہون الفت اسے کہتے ہین

ہت جو رچت بھلائے مین آپنی پیا کون عاقل جہان کے بولین حکمت اسے کہتے ہین

سوتن مین پیو مجکون جب سیج مین آلس کے بھو مان دے بلا دے عزت اسے کہتے ہین

چارون پہر پیا سنگ کئے بھانت کردن کے سنجوگ ہور ہی ہون عشرت اسے کہتے ہین

لالن کی چاد تمی مین پوری پرو کہ انجھیا ترلوک مین پیوانے شہرت اسے کہتے ہین

رون رون رسن کری مین شاہی کا نانون لینے پہر پہر دونا نون نسیا راحت اسے کہتے ہین

مخمس غزلون کے ساتھ ایک مخمس بھی ہے، یہ نظم شاعر کے پروازِ خیال اور زورِ بیان کی اچھی مثال ہے ذیل مین اس کا کچھ نمونہ بھی پیش کیا جاتا ہے:-

کوئی جاؤ کہو مج ساجن سات مین نیہ بندی تون کیتا گھات
دل مرا اپنے سات کیا مج برہے مین دن رات کیا
دل داری کا نا بات کیا سب بسرا سکہ ہے ہات کیا
کئے مج سون ایسی دہات کیا

کوئی جاؤ کہو مج ساجن سات مین نیہ بندی تون کیتا گھات
پیو مورت دیکھو سینے مین جب جاگو تب رہون پینے مین
لا دیپک برہا اپنے مین تن جائے جھک جھک جھپنے مین
آرام اچھے مج کھپنے مین،

کوئی جاؤ کہو مج ساجن سات مین نیہ بندی تون کیتا گھات
تج یاد کرتل ملتی ہون لہو تیل منے دل تلتی ہون
تن موم بتی ہو جلتی ہون اس جلنے سون نا ٹلتی ہون
سب رین برہ مین گلتی ہون

کوئی جاؤ کہو مج ساجن سات مین نیہ بندی تون کیتا گھات
کوئی آؤ سنو رے میرا حال پیو کیا مج سون جو کو تال
مین جاگت نت اٹھ انجو دہال کل پتی آنسو موتی مال
مج یک یک پل ہے لک لک سال

کوئی جاؤ کہو مج ساجن سات مین نیہ بندی تون کیتا گھات

مثمن | اس کلیات مین ایک مثمن بھی ہے جو حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز کی مدح مین ہے، اس کے بعض شعر ملاحظہ ہون،

تس رین محفوظ ہوات شوق سون کیتے بچن مدح مین اس ذات بابرکات کے کہو لیا رسن

طبع مج بولیا مثمن خوش عبارت خوش وزن حق کیا قدرت سون عالم تس مین یک روشن بدن

سو محمدؐ ہے حسینی سید قطب دکھن اس زمین کے کیا اتھے طالع جو کیتا ہے وطن

کہان سو یو دہرت ہور تس مین تون ہی جیون رتن جن لقب پایا ہی اپنی پیر تے گیسو دراز

رباعی | رباعی صرف ایک ہے،

سب دیس گیا ہے دھن تے لڑتے لڑتے کھٹ رات گئی ہے پانون پڑتے پڑتے

کیا نیکہ مدن کا اونج لگتا ہے مجھے رہے پانون سرے پرت کے چڑتے چڑتے

راگنیان | اس کے بعد متعدد راگنیان ہین، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ابراہیم عادل شاہ ثانی موسیقی کا ماہر تھا اور اپنی یادگار مین نورس[1] جیسی کتاب راگنیون کے متعلق چھوڑی ہے اسی طرح اس کے پوتے علی عادل شاہ کو بھی موسیقی مین کافی مہارت حاصل تھی،

سوہلا در مقام رام کلی | مجملہ متعدد راگ اور راگنیون کے ایک کا نمونہ پیش ہے،

آج راج ہے راج ہی راج ہی سائین گھر راج ہی سکھیان سکھیان مل گاؤ سوہلا سوہلا کاج ہے

بن آیو سجنی اور ساجن سچ سچ ساجن ہے مدن روپ نرنارن کو سر سہر تاج ہے

تاریخین | دو فارسی تاریخین بھی اس کلیات مین شامل ہین ایک شرف برج جسکا سال تعمیر ۱۰۸۰ھ ہی، اور دوسری تاریخ بادشاہ محل کی ہے، جس کی تعمیر ۱۰۸۱ھ مین ہوئی تھی،

[1] نورس کے متعلق ہمارا ایک مضمون معارف جلد ۲۹ نمبر ۶ مین شائع ہو چکا ہے،

پہلی | اس کلیات مین دو ایک پہلی بھی مذکور ہین ناریل کی پہلی حسب ذیل ہے،۔

میانے ملائی بہتر رس آس پاس بہوت دس

سلطان علی عادل شاہ کے کلام کا نمونہ جو مختلف اصنافِ سخن مین ہے پیش ہو چکا ہے اس سے سلطان کی قوتِ بیان اور ذوقِ سخن کی تصدیق ہوتی ہے،

اس کے قصیدے جہان ادق اور مشکل بحرین ہین، وہان آسان اور سہل بھی ہین، اس سے شاہانہ طمطراق رعب و داب کا اظہار ہوتا ہے، مثنویون سے واقعہ نویسی اور مرقع نگاری کی تصدیق ہوتی ہے، اس کی غزلین رنگین خیالی، عاشقانہ مضمون آفرین تخیل کی پرواز کو ظاہر کرتی ہین، تشبیہ اور استعارہ کو بھی کام مین لایا گیا ہے، مگر وہ بھی عام فہم، اس کے عاشقانہ کلام کو اگر زمانہ مابعد بلکہ آج کل کے کلام سے ملایا جائے تو زیادہ فرق سوائے زبان کی صفائی اور تخیل کی پرواز کے اور کچھ نظر نہین آتا،

معشوق کی وہی زلفِ سیاہ، رخسارِ گلگون اور چشمِ فتان کی تعریف ہے، اس کی ترچھی نظر سے عاشق گھائل ہوتا اور تیر نظر سے اس کا دل مجروح ہو جاتا ہے، شرابِ ناب سے سیری نہین ہوتی، معشوق چاند سے زیادہ حسین، شمع سے زیادہ روشن ہے، اس کا حسن سمندر کی طرح بے پایان گیسو شام کی طرح سیاہ گال سحر کی طرح سپید ہین،

کبھی معشوق اپنے عاشق کے ساتھ جانے کے لیے بے قرار ہے، اس کو جدائی اور فراق کے زمانہ مین نیند نہین آتی، دن کو چین ملتا ہے اور نہ رات کو آرام، پیا کے سوا کوئی ساتھی نہین، دل لہو کے تیل مین تلتا اور موم کی طرح جلتا ہے، اور وہ جدائی کے صدمہ سے گھل کر دُبلی ہو جاتی ہے، کوئی اس کے حال کو سننے والا نہین، اس کے آنسو موتی کے طرح نکلتے ہین، جدائی مین ایک ایک پل سال معلوم ہوتا ہے، عاشق کے بغیر دکھ بھاری اور دنیا اندھیری ہے،

اس طرح کے خیالات اور مضامین وہی ہین جو شعرائے مابعد کے کلام مین بھی نظر آتے ہین، اس سے

ظاہر ہے کہ عاشقانہ کلام مین زیادہ فرق نہین ہے،

یہ ہم کو معلوم ہے کہ سلطان نے دولت کے دامن مین آنکھ کھولی ہوش آیا تو عیش ونشاط کا چرچا سنا اور جوان ہوا تو ساغر وجام کا دور دیکھا، اس وقت بیجاپور کی معاشرت مین سادہ زندگی بلند مشربی اور عالی دماغی کا وجود نابود ہو رہا تھا، عالی شان قصرون کی زیبایش کے لیے سونے کو پانی کی طرح کام مین لایا جارہا تھا، ساقیانِ مہ وش اور زاہد فریب رانیان زینتِ محفل ہوتی تھین، اس لحاظ سے کلام کا رنگین خیالی اور عاشقانہ مضمون آفرینی سے مملو ہونا ناگزیر تھا،

اردو یا دکھنی شاعری کے وجود کو زیادہ عرصہ نہین ہوا تھا، عام طور سے سادگی اور صفائی عام فہمی لوازمِ سخن تھے، سلطان کا کلام بھی ان امور سے خالی نہین ہے،

بہرحال سلطان کا کلیات ایک بیش بہا خزانہ ہے، جس مین قیمتی موتی محفوظ ہین، خدا کرے یہ زیور طبع سے آراستہ ہو جائے،

مقالاتِ شبلیؒ

حصہ دوم

مولانا کے ادبی مضامین کا مجموعہ، ضخامت ۳۰۱ صفحے، قیمت:- ۱۲/

مقالاتِ شبلیؒ

حصۂ سوم

مولانا کے تعلیمی مضامین کا مجموعہ، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت:- ۸/

"فیجر"

پٹنہ کے چند آثار

از

جناب عبدالاحد شرف الدین پوری پٹنہ

صوبہ بہار مین راجگیر ایک ایسا مقام ہے جہان کی ایک عمارت کا نمبر دنیا کی عمارتون مین قدامت کے اعتبار سے تیسرا ہے چنانچہ مسٹر ہیوئن سانگ نے اپنی کتاب ان دی ٹرائلس آف ہیوئن سانگ (سنہ ۶۴۲ء) مین اور ڈاکٹر اس ونسنٹ اسمتھ نے بھی ہسٹ انڈیا مین یہان کے قدیم شہر اور قلعہ اور اس کی پرانی فصیل کو قدامت مین نہ صرف ہندوستان، بلکہ ساری دنیا مین تیسری عمارت قرار دیا ہے، اور پتھر کی ایک مستحکم دیوار قلعہ کی عمارت کے بعض حصص آج بھی موجود ہین،

راجگیر کے بعد صوبہ بہار کا موجودہ دارالحکومت پٹنہ جو عہد قدیم مین پاٹلی پتر تھا، نہ صرف صوبہ بہار بلکہ ساری مملکت ہند کا دارالسلطنت بنا جس کے حدود حکومت سرحد افغانستان تک وسیع تھے چنانچہ راجہ چندر گپت کے عہد (۳۲۱ ق م) سے بھی پہلے (۵۰۰ ق م) مین راجا بمبسار کے بیٹے راجہ اجاتسات شترو نے اول اول اپنا دارالحکومت راجگیر سے یہان منتقل کیا، اور اسکا نام پاٹلی پتر رکھا،

اس کے بعد عہد اسلامی مین جب شاہزادہ عظیم الشان سنہ ۱۶۹۷ء مین پاٹلی پتر آیا، اور اس نے اس شہر سے دلچسپی لی اور اسی زمانہ مین شہنشاہ اورنگ زیب کے حکم سے اس کا نام اپنے نام پر عظیم آباد رکھا، شہر کو اپنے شرف قدامت سے عہد قدیم سے مرکزیت حاصل تھی اس شاہزادہ عظیم الشان نے اپنی توجہ سے عہد اسلامی مین بھی اس کو پررونق بنا دیا، اور رفتہ رفتہ عہد اسلامی مین مشرقی ہند کا ایک پرعظمت اور معمور شہر بن گیا، جسکی چند نشانیان آج بھی جابجا کھڑی، عہد رفتہ کی یاد تازہ کرتی ہین ذیل مین یہان کے چند آثار پیش ہین،

بیگو حجام کی مسجد

یہ مسجد سلطان علاء الدین حسین شاہ بنگالی کی یادگار ہے، اون کے حکم سے ناظر خان نے ۹۱۰ھ مین تعمیر کرائی جو مسجد کے کتبہ مین درج ہے، اس مسجد مین ایک دوسرا کتبہ بھی موجود ہے، جو بیگ محمد نے لگوایا ہے، اس مسجد کے مصلے اور فرش مین چینی کے کام کی اینٹین اور سنگ رخام کے ٹکرے لگے ہوئے ہین، ہندوستان مین چینی کے کام کی اس طرح کی اینٹین دہلی اور گوڑ (بنگال) کی بعض عمارتون کے سوا کہین نظر نہین آتین، اس مسجد کا شمار یہان کی نادر عمارتون مین ہے،

خواجہ کلان تھانہ کے آگے سڑک کے جانب شمال چند گز کے فاصلہ پر ہے،

پتھر کی مسجد

جہانگیر کے عہد کی یادگار گزری محلہ مین مرزا معصوم کی ایک مسجد معلوم ہے، اوس کے علاوہ جہانگیر کے بیٹے پرویز شاہ کی بنائی ہوئی ایک دوسری مسجد ہے، جو پتھر کی مسجد کے نام سے موسوم ہے، بلکہ اسی نام سے وہ محلہ بھی یاد کیا جاتا ہے، کتبہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس مسجد کے لئے پتھر مجھولی سے لائے گئے تھے عمارت بالکل سادہ اور نقش و نگار سے معرا ہے، پتھر بھی کچھ قیمتی نہین اس کا کتبہ مسجد کے بیرونی محراب پر کندہ ہے، جس کا پتھر بالکل سیاہ ہے، اور حوادث روزگار سے کچھ مجروح بھی ہوگیا ہے، وہ کتبہ حسب ذیل ہے،

اللہ اکبر

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

در عہد نور چشم جہانگیر بادشاہ — پرویز شاہ عادل و باذل بوتل وداے

کیخسرو زمانہ و جمشید سلطنت — بر تخت مملکت جو سکندر جہان کشاے

کرد این بناے خاص نظر خوبی کہ ہست — در پیروی شرع محمد پوگوہ پاے، (؟)

مسمار ساخت قلعہ مجہولی دیت کدہ — وز سنگ و چوب تکیہ شد این مکان بنا
کردم سوال سال بنایش ز پیر عقل — گفتا بگو خرامی خیر المقام جائے ۱۰۳۶ھ

نواب سیف خان کی مسجد اور مدرسہ

شاہ جہان کے عہد میں نواب[1] سیف خان حاکم صوبہ بہار نے ۱۰۳۵ھ میں ایک عالیشان مدرسہ اور اسی کے پہلو میں ایک طویل و عریض مسجد لب دریا تعمیر کرائی، مدرسہ کی عمارت آفات زمانہ کے نذر ہوگئی لیکن اسکی یاد اوس محلہ سے جو آج بھی مدرسہ کے نام سے موسوم ہے، ابھی تک تازہ ہے، مدرسہ کی مسجد کی عمارت اچھی حالت میں پر فضا مقام پر موجود ہے، اس کے کتبہ کے حروف اور مٹتے زمانہ سے مٹ گئے، صرف چکنا پتھر باقی رہ گیا ہے،

عیدگاہ

یہ عیدگاہ گلزار باغ انیون کوٹھی کے متصل ہے، اس کے کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی نواب سیف خان نے ۱۰۳۵ھ میں اس کو بھی تعمیر کرایا تھا،

خواجہ عنبر کی مسجد

نواب شائستہ خان کے خواجہ سرا خواجہ عنبر نے یہ مسجد ۱۰۴۱ھ میں تعمیر کرائی، جو اس وقت اچھی حالت میں پٹنہ سیٹی کے صدر دروازہ کے سامنے موجود ہے،

دار العدل

دار العدل پر ذیل کا کتبہ ہے:-

بندہ نواب فخر الدولہ ممدوح زمان، — آن کہ در نامش حسن را با علی باشد قران
ساخت دار العدل جا کو بنا بر حسب داد — در ہزار یک صد و چہل و دو شمر در تاریخ آن ۱۱۴۲ھ

[1] نواب سیف خان کا اصل نام مرزا صافی تھا یہ ممتاز محل کی بڑی بہن کے شوہر تھے، اس حیثیت سے یہ شاہ جہان کے ہم زلف تھے،

اس کتبہ کو خواجہ کلان تھانہ کے کانسٹبلون نے قبر کا کتبہ سمجھکر تھانہ کے صحن مین ایک بوسیدہ قبر پر لگادیا تھا، کچھ دنون کے بعد وہ اوس قبر سے بھی علحدہ ہوگیا، اور پتھرون کے ڈھیر مین ایک سائبان مین پڑا ہوا تھا، اتفاقاً مولوی فصیح الدین صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ ساکن پٹنہ سٹی کی نظر اوس پر پڑی، اور اون کی کوششون سے انسپکٹر جنرل پولس نے اس کتبہ کو تھانہ کی دیوار مین لگوادیا، جہان اس وقت موجود ہے،

داؤد خان قریشی کے زمانہ مین جب دارالعدل بنا تو اس وقت دوسرا کتبہ اس پر لگایا گیا تھا، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ پہلا دارالعدل اسی خواجہ کلان تھانہ کے پاس تھا، یہ کتبہ بھی پہلے کتبہ کے پہلو مین دیوار مین لگا ہوا ہے، اس مین صرف یہ شعر لکھا ہے،

بہر عدل و داد مظلومان زدست ظالمان ساخت دارالعدل جعفر بندۂ داؤد خان،

مقبرہ پدر نواب سعادت خان،

محلہ دھولپور سے کچھ اور جانب جنوب سنگین چہار دیواری کے اندر نواب سعادت علی خان کے والد کا مزار ہے، یہ برہان الملک نواب وزیر اودھ بانی شہر فیض آباد کے دادا تھے، ۱۷۵۵ء مین محمد شاہ بادشاہ دہلی نے نواب صفدر جنگ کو علی وردی خان کی امداد مین مرہٹون سے لڑنے کیلئے عظیم آباد بھیجا، اثنائے قیام مین نواب صفدر جنگ تنہا اپنے جد مادری کے مزار کی زیارت اور فاتحہ کے لئے مقبرہ مین تشریف لائے، یہ جگہ مقبرہ پدر سعادت خان کے نام سے مشہور ہے[1]

مقبرہ نواب ہیبت خان،

زین الدین احمد خان احترام الدولہ بہادر ہیبت جنگ نواب علی وردی خان صوبہ دار بنگال و بہار کے بھتیجے اور داماد تھے، اپنے خسر کے بنگال جانے پر خاص بہار کے گورنر مقرر ہوئے، شمشیر خان اور سردار خان وغیرہ رہنگ کے پٹھان جاگیر داروں نے

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۱۳۲

نواب علی وردی خان کی ملازمت ترک کرکے پٹنہ پر اچانک قبضہ کرلیا، اور نواب ہیبت جنگ کو عمارت چہل ستون مین جو مدرسہ کی مسجد کے قریب تھی، دھوکہ سے قتل کروڈالا، یہ واقعہ ۱۷۴۳ء مین پیش آیا، صاحب سیر المتاخرین یہ واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے کہ

"رشید نارشید کارے از کمر کشیدہ بر سینہ ہیبت جنگ زد، اما چو دستش لرزان بود کارے نہ کرد، و محمد عسکر خان مقارن این حال فریاد کرد کہ ہان وہان این چہ بکھراہی است درین گرمے ہیبت جنگ نظر بالا کرد و این حالت دیدہ دست بقبضہ شمشیرے کہ رو برو داشت دراز ساخت، مراد شمشیر خان تہمتہ کہ در دست داشت کشیدہ بجان بقوت زد کہ از شانہ ہیبت جنگ گذشتہ تا بہی گاہ حمایل ببرید و ہیبت جنگ مردہ بر تکیہ مسند افتاد"[1]۔

نواب ہیبت جنگ کی لاش میر حیدر علی کوتوال شہر کی اجازت سے سید محمد اصفہانی لائے، اور تکفین کے بعد محلہ بیگم پور مین حوض ہی کی زر خرید زمین مین دفن کیا[2]

یہ مقبرہ ریلوے اسٹیشن پٹنہ سٹی سے دکھن پچھم سو گز کے فاصلہ پر بڑی چہار دیواری کے اندر ہے، اس مین ترشے ہوئے پتھر کی خوشنما جالیان لگی ہوئی ہین،

میر اشرف کی مسجد

یہ مسجد اس لحاظ سے خاص طور پر قابل ذکر ہی کہ اس کے فرش کی اینٹون پر سنہ کا کام ہی، مسجد کا زمانہ تعمیر ۱۱۸۷ھ ہی، اس طرح اس مسجد کی تعمیر پر ۱۶۴ سال گذر چکے، مگر فرش کے کام مین مطلقاً فرق نہین آیا ہے، چھت دمک رہی ہے، اس مسجد پر یہ کتبہ لگا ہوا ہی:-

چون بعہد خجستہ حامی دین،	شاہ عالم مہاور بادار،
مسجد ہمچو کعبۂ اشرف	معدن فیض خوش شد بنیاد
یا الٰہی بہ بخشش رحمت	کس کہ باعث شدہ بخیر معاد
بہر تاریخ گفت ہاتف غیب	تاجہان اشرف المساجد باد ۱۱۸۷ھ

[1] گورنمنٹ گزیٹیر ص ۱۲۰، [2] سیر المتاخرین ج ۲ ص ۵۹۰، ۵۹۱، ج ۲، ص ۵۹۲،

گولکپور کی ایک مسجد

یہ مسجد محلہ گولکپور مین اچھی صورت مین موجود ہے، دیوارین سنگین اور پائدار ہین، کسی خاص نام سے یہ مسجد مشہور نہین، یہان کے باشندے اسے شیعون کی مسجد کہکر محلہ کی دوسری مسجدون سے امتیاز دیتے ہین، کیونکہ آج کل یہ اسی جماعت کے قبضہ مین ہے، مسجد کے بانی کا نام شادمان تھا، ان کے متعلق کوئی تاریخی علم حاصل نہ ہو سکا، مسجد کو تاریخی استناد یہ حاصل ہے، کہ اس مین شاہ فرخ سیر تاجدار پٹنہ نے نماز ادا کی، نہین معلوم شادمان کا عہد فرخ سیر سے کس قدر پہلے ہے، فرخ سیر کے ۱۲۵ سال بعد اس مسجد کو شکستہ حال دیکھکر ایک بزرگ ذوالفقار علی نامی نے اسے مرمت اور درست کرایا، اور بعض چیزون کا اضافہ بھی کیا، یہ حالات مسجد کے ایک کتبہ سے معلوم ہوتے ہین، جو مسجد کے اندرونی در پر ایک سفید پتھر پر کندہ ہے،

بسم اللہ الرحمن الرحیم،

این مسجد یکہ باشد بانیش شادمان نام	کردہ نماز دروی فرخ سیر شہنشاہ
بوسیدہ شکستہ رفت دہ بود چندے	بازش درست کردہ یک متقی ذی جاہ
بہ ذوالفقار سازی لفظ علی چو منضم	یابی تو نام پاک آن سید حق آگاہ
تاریخ چون بجستم ای شاد ہبر انشا	ہاتف بگفت با من ترمیم کعبۃ اللہ[1]

شاہ فرخ سیر کی تاریخ پیدائش ۳ رجب ۱۰۸۵ھ ہے، وہ ۲۸ سال کی عمر مین صوبہ بہار آیا، اسی سال ۱۱۲۳ھ اوائل ربیع الاول مین تخت سلطنت پر پٹنہ (عظیم آباد) مین جلوہ افروز ہوا، اور اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کیا، پٹنہ مین چار پانچ مہینے کی اقامت کے بعد جہان دار شاہ سے لڑنے کیلئے اکبر آباد روانہ ہوا، اس کے بعد پھر تا حیات شاہ فرخ سیر کے پٹنہ آنے کا پتہ نہین چلتا، اس لئے اواخر ۱۱۲۳ھ یا اوایل ۱۱۲۴ھ مین اپنے زمانہ قیام پٹنہ مین شاہ فرخ سیر نے اس مسجد مین نماز پڑھی، اس لحاظ سے اس مسجد کی تعمیر کو اگر فرخ سیر ہی کے زمانہ سے شمار کیا جائے، ۲۸۱ سال ہو چکے ہین،

---

[1] اسی مضمون کا ایک دوسرا کتبہ مسجد کے صدر دروازہ پر بھی ہے،

اسلام اور تکمیل اخلاق

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

از مولانا عبدالسلام صاحب ندوی،

اسلام کا یہ دعوی ہو کہ دنیا کی مختلف قومون مین جو اخلاقی اجزا نامکمل طور پر پائے جاتے تھے اسلام نے اونکو مکمل کر دیا ہے چنانچہ خود رسول اللہ صلعم نے اپنی رسالت کا یہ مقصد بتایا ہے:-

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق. یعنی مین اس غرض سے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہون کہ فضائل اخلاق کی تکمیل کرون،

اب ہمین غور کرنا ہے کہ تکمیل اخلاق کی کسقدر صورتین ممکن ہین،

(۱) تکمیل اخلاق کی ایک صورت تو یہ ہو کہ زندگی کے کسی خاص شعبے یا زندگی کے تمام شعبون مین اخلاق کی جو مقدار پائی جائی چاہئے وہ کسی قوم یا کسی مذہب مین کم ہو، اس صورت مین تکمیل اخلاق کے معنی یہ ہین کہ یہ مقدار پوری کر دی جائے،

(۲) اسکے بالکل برعکس دوسری صورت یہ ہے، کہ ان شعبہاے زندگی مین اخلاق کی جسقدر مقدار درکار ہے، وہ کسی قوم یا کسی مذہب مین اس سے زیادہ ہو، مثلاً دنیا کے تمام مذاہب نے یہ تعلیم دی ہے، کہ انسان کو دنیا اور دنیا کے لذائذ مین زیادہ منہمک نہین رہنا چاہئے، لیکن اسی تعلیم نے ترقی کر کے رہبانیت کی شکل اختیار کر لی، اور دنیا مین ہزارون راہب ہزارون جوگی اور ہزارون مہنت پیدا ہو گئے، جو تجارت، ملازمت، زراعت غرض دنیا کے تمام جائز پیشون کو چھوڑ کر جنگلون اور پہاڑون مین زندگی بسر کرتے ہین اور دنیا کی تمدنی ترقیون کو نقصان پہنچاتے ہین، اب اس صورت مین تکمیل اخلاق کا مفہوم یہ ہوگا، کہ اس بڑھی ہوئی مقدار کو گھٹا دیا جائے،

فلسفہ اخلاق کی اصطلاح مین پہلی صورت کا نام تفریط اور دوسری صورت کا نام افراط ہے، جسکے معنی یہ ہین کہ اسلام نے جو نظام

اخلاق قائم کیا ہے، وہ افراط و تفریط کے درمیان ہے اور اسی درمیانی صورت کا نام فلسفۂ اخلاق کی اصطلاح مین اعتدال اور شریعت کی اصطلاح مین صراطِ مستقیم ہے،

(۲) تکمیلِ اخلاق کی ایک صورت یہ ہے کہ زندگی کے تمام شعبون مین جن فضائلِ اخلاق کی ضرورت ہے، اون مین بعض شعبے ایسے مناسب اخلاقی اجزا سے خالی ہون مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چونکہ متاہلانہ زندگی بسر نہین کی، اسلئے اون کے قائم کردہ نظامِ اخلاق سے یہ معلوم نہین ہو سکتا کہ خانگی زندگی مین انسان کو کن فضائلِ اخلاق کی ضرورت ہے،

اسی طرح جوگیون اور راہبون کی بے تعلق زندگی معاشرتی نظامِ اخلاق کے اجزا سے خالی ہوتی ہے اور اس صورت مین تکمیلِ اخلاق کے معنی یہ ہین کہ زندگی کے تمام شعبون کی مناسب تقسیم کیجائے اور ہر شعبے کو اس کے مناسب اخلاق کا حصہ دیا جائے،

اسلام نے ان تینون طریقون سے نظامِ اخلاق کی تکمیل کی ہے جسکی تفصیل سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ اسلام کا اخلاقی نظریہ کیا ہے،؟ اور اوس نے کون سی اخلاقی تھیوری قائم کی ہے ؟،

اس وقت تک جو اخلاقی نظریے قائم ہوئے ہین اون مین سے

(۱) ایک نظریہ یہ ہے کہ کسی فعل کی برائی اور بھلائی کوئی عقلی اور روحانی چیز نہین ہے، بلکہ اونکا دار مدار صرف قانونِ سلطنت پر ہے یعنی بادشاہ جس فعل کو ممنوع قرار دیدے، وہ بداخلاقی کی فہرست مین شامل ہو اور جسکو جائز رکھے وہ خوش اخلاقی کے سلسلے مین داخل ہو،

اس نظریہ کے رو سے گویا اخلاق اور قانون ایک ہی چیز ہین، لیکن اسلام اس نظریہ کی تائید نہین کر سکتا، کیونکہ اس سے شراب کی تجارت، یا طوائفون کا پیشہ جسکی موجودہ سلطنتون نے اجازت دی ہے جائز ہو جاتا ہے،

(۲) دوسرا نظریہ یہ ہے کہ افعال کے حسن و قبیح کا معیار ایک خاص طرح کی موزونیت و مناسبت ہے، جو عقل کو اون کے مختلف حصون کے درمیان معلوم ہوتی ہے، مثلاً کوئی وعدہ کرنا اور پھر اوسے پورا کرنا، ان دونون افعال کے درمیان بداہتہً ایک طرح کی موزونیت یا مناسبت پائی جاتی ہے، اسلام اس نظریہ کا نہ موافق ہے نہ مخالف،

(۳) تیسرا نظریہ یہ ہے کہ نیک کردار کا لازمی نتیجہ حصولِ مسرت ہے، اسلئے جو لوگ بداخلاقی مین مبتلا ہوتے ہین، اون کو اس کا علم نہین ہوتا کہ اونھین بجائے مسرت کے رنج و غم حاصل ہوگا، اس لحاظ سے نیک کرداری کا معیار عدمِ علم ٹھہرتی ہے یعنی جس قدر کسی

شخص کا علم ناقص یا کامل ہوگا، اسی نسبت سے وہ نیک کردار یا بدکردار ہوگا، قرآن شریف کی ایک آیت ہیں ہے کہ خدا سے صرف وہ بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں اس لئے اگر اس آیت کے مفہوم کو زیادہ وسیع کیا جائے تو اسلام اس نظریہ کا موید ہے،

(۴) چوتھا نظریہ یہ ہے کہ اخلاق کی بنیاد تمامتر خود غرضی پر ہے، یعنی جب لوگوں نے دیکھا کہ بعض افعال سے اوس کے کرنیوالے کو نقصان پہنچتا ہے، تو اون افعال سے بچنے کیلئے اونھوں نے ان کو بداخلاقیوں کا لقب دیا، اور اون کے مقابل افعال کو اعمال حسنہ قرار دیا، اسلامی نظام اخلاق کا نتیجہ بھی یہی ہے لیکن وہ تمام تر خود غرضی کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ فضائل اخلاق کو نجات اخروی کا ایک ذریعہ قرار دیتا ہے،

(۵) پانچواں نظریہ یہ ہے کہ افادہ یا سودمندی اصل معیار اخلاق ہے، جو افعال خود فاعل و نیز عام جماعت کے حق میں مفید ہوتے ہیں، وہ اخلاقاً بھی محمود و مستحسن ہیں، اور جن سے اس کے برعکس نتائج پیدا ہوتے ہیں، وہ قبیح و مذموم ہیں، یہ نظریہ بھی اوسی فلسفہ خود غرضی کی ایک مہذب شکل ہے، اور اسلامی نظام اخلاق کے نتائج سے قریب تر ہے،

(۶) چھٹا نظریہ یہ ہے کہ صرف وہ افعال نیک و محمود ہیں، جو عملاً تمام دنیا میں عالمگیر ہو سکتے ہیں، چوری قتل، دروغگوئی، بدعہدی اس بنا پر معیوب ہیں کہ یہ عالمگیر ہو ہی نہیں سکتے، اور اگر انھیں عالمگیر کیا جائے، تو موجودہ نظام عالم دفعتہً درہم برہم ہو جائے، یہ نظریہ جرمنی کے مشہور فلاسفر کینٹ کا ہے، اور عملی طور پر اسلام کا نظام اخلاق بالکل اسکے مطابق ہے، کیونکہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، اسلئے اس نے اپنے نظام اخلاق میں وہی اجزا شامل کئے ہیں، جو عالمگیر ہونیکی صلاحیت رکھتے ہیں، اور دنیا کی تمام قومیں اونکی پابند ہو سکتی ہیں، باقی خاص خاص ملکوں یا خاص خاص قوموں، یا خاص خاص شہروں کے مخصوص اخلاق اگر سوسائٹی کیلئے مضر نہیں ہیں، تو اسلام اونکو ناجائز نہیں قرار دیتا، لیکن درحقیقت وہ اسلامی نظام اخلاق کے حقیقی اجزا نہیں ہیں، بلکہ بیرونی چیزیں ہیں،

(۷) ساتواں نظریہ یہ ہے کہ نیکی کا اصل الاصول افراط و تفریط سے بچ کر قولے فیصلہ کا اعتدال کیساتھ استعمال کرنا ہے، مثلاً اگر ہم اعتدال کے ساتھ روپیہ صرف کریں تو وہ سخاوت ہے، اور اگر افراط یا تفریط سے کام لیں تو یہ اسراف یا بخل ہے، اور دونوں یکساں طور پر معیوب ہیں، یہ ارسطو کی تھیوری ہے، اور اسلام بھی اسکی تائید کرتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں مسلمانوں کا اخلاقی وصف یہ بتایا گیا ہے،

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما۔

یعنی خدا کے بندے وہ ہیں جو خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے، بلکہ انکا خرچ افراط اور تفریط کے درمیان بیچ کی راہ ہوتا ہے،

(۸) آٹھواں نظریہ یہ ہے کہ خود انسانی فطرت مین ایک حاسۂ اخلاقی یا ضمیر موجود ہے، جس کا کام یہ ہے کہ وہ افعال کی برائی یا بھلائی کو بتلاتا رہتا ہے، اور اس فیصلہ مین عقل و استدلال کو دخل نہین ہوتا، اس نظریہ کے رو سے افعال کی برائی یا بھلائی ایک روحانی اور وجدانی چیز ہے، اور اسی لحاظ سے حکما رمین جو لوگ روحانی طریقہ پر فلسفیانہ زندگی بسر کرتے تھے، اونھون نے یہی نظریہ اختیار کیا ہے، اور ہمارے صوفیۂ کرام کا میلان بھی اسی طرف پایا جاتا ہے، اور اسلام کا حقیقی اخلاقی نظریہ یہی ہے، چنانچہ خداوند تعالی فرماتا ہے،

لا اقسم بیوم القیامة ولا اقسم بالنفس اللوامه، — یعنی مین قسم کھاتا ہون روز قیامت کی، اور قسم کھاتا ہون انسان کے اس روح کی جو بُرے کامون پر اسکو ملامت کرتی ہے

یہی نفس لوامہ ہے جس کو آپ کا نشنس یا ضمیر بھی کہہ سکتے ہین،

اس کے چند آیتون کے بعد ارشاد ہوتا ہے،

بل الانسان علی نفسه بصیرة ولو القی معاذیره، — خود انسان اپنے نفس کی خبر رکھتا ہے گو وہ اپنی تئین بے گناہ ثابت کرنے کیلئے کتنے ہی حیلے کیا کرے،

انسان ایک جرم کرتا ہے، اور اس حالت مین اگر اس کا ضمیر مردہ نہین ہو گیا ہے، تو اس کا نفس لوامہ اوس کو ملامت کرتا ہے، اب وہ حیلے تراشتا ہے، کہ مین نے اگرچہ رشوت لی ہے لیکن اس مین معذور ہون کیونکہ میری تنخواہ میری ضروریات کے لئے کافی نہین، عملاً یہ حیلہ اوس کی تسکین کے لئے کافی ہے لیکن بایں ہمہ اوس کا ضمیر مطمئن نہین ہوتا، اور وہ بتاتا ہے کہ رشوت خواری ایک اخلاقی بلکہ قانونی جرم ہے، حدیث سے بھی اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلعم سے نیکی اور بدی کی حقیقت دریافت کی تو آپ نے فرمایا،

البر حسن الخلق والاثم ما حاك فی صدرك وكرهت ان یطلع علیه الناس. — یعنی نیکی حسن خلق یعنی کیرکٹر کے تناسب اور موزونیت کا نام ہے، اور گناہ وہ ہے جو تمھارے دل مین کھٹکے اور تم اوسکو پسند نہ کرو کہ لوگ اوسکو جانین یعنی تم اوسکے افشاء

یہان تک تو فلسفہ مذہب اسلام کا ساتھ دیتا ہے، یا یون کہئے کہ اسلام فلسفہ کی تائید کرتا ہے، لیکن اسلام کا قدم اب اس سے آگے بڑھتا ہے، اور ایک دوسرے ضمیر کی طاقت سے نظام اخلاق کو مستحکم کرتا ہے یعنی یہ کہ اگر بالفرض کسی شخص کا ضمیر مردہ ہوجائے، اور وہ برائی بھلائی کی تمیز نہ کرسکے، تو دوسرون کا اخلاقی فرض یہ ہے کہ وہ اس اندھیرے مین، اوس کو اپنے ضمیر کا چراغ دکھلاکر اوس کو بُرے کامون سے روکین، شریعت کی اصطلاح مین اسی کا نام احتساب ہے، اور پولیس کا پورا محکمہ اسی اصول پر قائم ہے، چنانچہ حدیث شریف مین آیا ہے،

من رای منکم منکرا فلیغیر	یعنی تم مین سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے، تو اوس کو اپنے
بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان	ہاتھ سے مٹادے، لیکن اگر اسمین ہاتھ سے مٹانیکی طاقت نہ ہو تو زبان
لم یستطع فبقلبہ و ذلک	سے مٹائے یعنی اوسکو نصیحت کرکر ڈانٹکر سے باز آنے کو زبان
اضعف الایمان	سے مٹانے کی طاقت بھی نہ ہو تو اوسکو دل سے مٹائے
	یعنی دل سے اسکو بُرا سمجھے لیکن محض دل سے بُرا سمجھنا ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے

لیکن نظام اخلاق کے قائم رکھنے کیلئے صرف یہی کافی نہین، انسان بہت سے مواقع پر اخلاقی جرائم کرتا ہے، اور وہان کوئی روک ٹوک کرنے والا نہین ہوتا، اس لئے ایک اور اعلیٰ تر ضمیر کی ضرورت ہوتی ہے، جو قوم مین ایک ایسی اخلاقی روح پیدا کردے، جو خود تمام بُرائیون سے روک دے، اسی اعلیٰ ترین ضمیر کا نام پیغمبر ہے، اور جب تمام قوم گمراہی مین مبتلا ہوجاتی ہے، اور کسیکو کوئی بُرا بھلا کہنے والا نہین رہتا، تو پیغمبر جو سراپا ضمیر اور سراپا روح، سراپا ایمان ہوتا ہے، اٹھتا ہے، اور اپنے آپ کو ہر قسم کے خطرات مین مبتلا کرکے پوری قوم کو بُرائیون سے روکتا ہے، دنیا کے تمام پیغمبر اسی قسم کا قومی ضمیر تھے، لیکن اس قسم کا سب سے بڑا ضمیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قالب مین نمودار ہوا، جس نے اور پیغمبرون کی طرح صرف ایک قوم اور ایک ملک کی گمراہی دور نہین کی، بلکہ تمام دنیا کو اپنے ضمیر کی روشنی سے گمراہیون کے تیرہ وتار غار سے نکالا، اب نظام اخلاق کے لئے بدیہی طور پر تین ضمیرون کی ضرورت ثابت ہوگئی، ایک ہر شخص کا ذاتی ضمیر، دوسرا قومی ضمیر، تیسرا پیغمبر کا ضمیر، لیکن یہ تینون ضمیر اسی زمین اور اسی دنیا مین رہتے ہین، اور برابر اپنا اپنا اخلاقی فرض ادا کرتے ہین، لیکن اس عالم سے اوپر اسلام چند اور ضمیرون کی ترتیب دیتا ہے، چنانچہ حدیث شریف مین

آیا ہے کہ خداوند تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے، تو جبرئیل کو بلا کر کہتا ہے، کہ مین فلان شخص سے محبت کرتا ہون، تم بھی اوس سے محبت کرو، تو اب جبرئیل بھی اوس کی محبت کرنے لگتے ہین، پھر وہ آسمانون کے اندر پکار کر کہتے ہین کہ خداوند تعالیٰ فلان شخص کو محبوب رکھتا ہے، تم بھی اوس کو محبوب رکھو، تو اب آسمانون کے فرشتے بھی اوس کو محبوب رکھنے لگتے ہین، پھر اوس شخص کو دنیا مین حسنِ قبول حاصل ہوجاتا ہے، اس کے برعکس جب خدا کسی بندے سے بغض رکھتا ہے تو جبرئیل سے بلا کر کہتا ہے، کہ مین فلان شخص سے بغض رکھتا ہون، تم بھی اوس سے بغض رکھو، تو اب جبرئیل بھی اوس سے بغض رکھنے لگتے ہین، پھر آسمانون کے اندر پکار کر کہتے ہین کہ خدا فلان شخص سے بغض رکھتا ہے، تم بھی اوس سے بغض رکھو تو آسمانون کے فرشتے بھی اوس سے بغض رکھنے لگتے ہین، پھر تمام دنیا کے لوگ اس سے بغض رکھنے لگتے ہین،

یہ فرشتون کا ایک مرتب گروہ ہے، جس کا کام یہ ہے، کہ جو لوگ اپنی اخلاقی اصلاح کرتے ہین اور لوگون کو اخلاقی اصلاح پر آمادہ کرتے ہین، وہ اون کو شب و روز دعائین دیتا رہتا ہے، اور اس دعا کی وجہ سے اون پر برکتین نازل ہوتی رہتی ہین، لیکن جو لوگ دنیا مین فتنہ و فساد پھیلاتے ہین، وہ ان پر لعنت بھیجتا ہے، اور اوس کی لعنت اون کے لئے حسرت و ندامت کا سبب بن جاتی ہے، یہ گروہ خدا اور خدا کے بندون کے درمیان سفارت کا کام کرتا ہے، اور انسانون کے دلون مین الہامی طریقے پر نیکی کا جذبہ پیدا کرتا ہے، اس گروہ کو شریعت کی اصطلاح مین، رفیق اعلیٰ ندی اعلیٰ یا ملاء اعلیٰ کہتے ہین،

ان فرشتون کو تمام دنیا سے وہی نسبت ہے، جو ہمارے دماغ کو ہم سے ہے، ہم ایک جلتے ہوے پتھر پر پاؤن رکھتے ہین، تو سوزش کا اثر اعصاب کے ذریعہ سے ہمارے دماغ تک پہنچتا ہے، اور ہم بے قرار ہوجاتے ہین، اسی طرح خداوند تعالیٰ نے نوع انسان کی اصلاح کے لئے فرشتون کا ایک ذکی الحس گروہ متعین کر دیا ہے، کہ جب کوئی شخص کوئی نیک کام کرتا ہے، تو اون کو مسرت محسوس ہوتی ہے، اور اس مسرت کا اثر خود اوس شخص پر اور نیز تمام لوگون پر پڑتا ہے، اور وہ اوس کو محبوب رکھنے لگتے ہین، اور جب کوئی شخص برائی کرتا ہے، تو یہ فرشتے اوس سے نفرت کرنے لگتے ہین، اور اوس نفرت کا اثر اوس شخص پر اور نیز تمام دنیا پر پڑتا ہے، اس لئے

اوس شخص کو خود اپنی ذات سے نفرت پیدا ہوتی ہے، اور تمام لوگ بھی اوس سے نفرت کرنے لگتے ہین، افلاطون بھی ہر نوع کے لئے فرشتون کا ایک گروہ تسلیم کرتا ہے جس کو رب الانواع کہتے ہین، غالباً ان رب الانواع سے اس کی مراد یہی فرشتے ہین،

لیکن ان تمام ضمیرون سے اعلیٰ تر ایک اور ضمیر بھی ہے یعنی خود خداوند تعالیٰ کو برائیون اور گناہون سے اس قدر نفرت ہے، کہ وہ اون کو کسی حالت مین برداشت ہی نہین کر سکتا، اسی طرح اچھے کام کرنے سے جو مدح و ستایش حاصل ہوتی ہے، اوس کا بھوکا بھی خدا سے زیادہ کوئی نہین، چنانچہ ایک حدیث مین آیا ہے،

مامن احد اغیر من اللہ من اجل ذلک حرم الفواحش. وما احد احب الیہ المدح من اللہ.	یعنی کوئی شخص خدا سے زیادہ غیرت مند نہین، اور اسی غیرت کی وجہ سے اوس نے بدکاریون کو حرام کر دیا ہے، نیز کسی کو خدا سے زیادہ تعریف بھی محبوب نہین.

ضمیر کا یہ مرتب سلسلہ زیادہ تر شخصی کام کرتا ہے، یعنی جب دنیا مین کوئی شخص بُرا یا بھلا کام کرتا ہے، تو وہ اسکو محسوس کرتا ہے، اور محسوس کرنے کے بعد اپنے اخلاقی فرائض انجام دیتا ہے، لیکن مجموعی طور پر تمام دنیا کے اخلاقی جائزہ لینے کے لئے ایک اور عام اور کلی ضمیر کی ضرورت ہے، جو بہ یک وقت تمام بُرے اعمال کی سزا اور تمام اچھے اعمال کی جزا دے، اسی عام اور کلی ضمیر کا نام قیامت ہے، جو بہ یک وقت ہر شخص کے اعمال کا جائزہ لے گی اور اس حیثیت سے قیامت کو ایک ایسے پیغمبر سے مشابہت حاصل ہے، جو اپنی عالمگیر رسالت کی وجہ سے قیامت ہی کی طرح تمام دنیا کا آخری ضمیر ہو، اور ایسا پیغمبر محمد رسول اللہ صلعم کے سوا آج تک دنیا مین مبعوث نہین ہوا، یہی وجہ ہے، کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے، کہ مجھ مین اور قیامت مین اس قدر قربت حاصل ہے، جس قدر ہاتھ کی انگلیون مین اتصال ہوتا ہے یعنی آپ دنیا کے سب سے آخری ملامت کرنیوالے ہین، اسکے بعد دنیا کی ملامت کیلئے کوئی دوسرا اخلاقی ضمیر قیامت کے سوا پیدا نہ ہوگا، اسی مناسبت سے خداوند تعالیٰ نے سورہ قیامہ مین قیامت کے ساتھ نفس لوامہ کی بھی قسم کھائی ہے، کیونکہ قیامت اور نفس لوامہ کے

ایک ساتھ ذکر کرنے سے ثابت ہوتا ہے، کہ ان دونون کے درمیان کوئی نسبت یا لگاؤ ہے، کیونکہ قیامت نفس کلی کی ملامت کرنے والی ہے، اس لئے کہ تمام دنیا ایک شخص واحد ہے، اور اوسکی رفتار ایک شخص کے حالات کی طرح یکسان طور پر پائی جاتی ہے، اس لئے جس طرح ہر انسان مین ایک نفس لوامہ ہے، جو اس کے گذشتہ اعمال پر ملامت کرتی ہے، اسی طرح تمام دنیا کیلئے بھی ایک نفس لوامہ ہونا چاہئے، جو دنیا کے تمام اعمال پر ملامت کرے،

اس تفصیل سے دو باتین نہایت بدیہی طور پر ثابت ہوئین،

(۱) ایک تو یہ کہ اگر آپ کو کوئی روحانی نظام اخلاق قائم کرنا ہو تو اوس کے لئے مذہب کے پورے سلسلے کو ماننا پڑیگا، اور خدا، فرشتے، پیغمبر، قیامت سب کے سب اوس کے لازمی جزو قرار پائین گے، الحاد اور بے دینی درحقیقت ایک سلبی نظام ہے، بلکہ درحقیقت وہ کوئی نظام ہی نہین، دنیا مین صرف مذہب نے نظام اخلاق کو قائم کیا ہے اور اوسی نے نظام اخلاق کو قائم رکھا ہے، آج تک اخلاق کی اصلاح الحاد اور بیدینی سے نہین ہوئی ہے، بلکہ ہمیشہ مذہب سے ہوئی ہے،

(۲) دوسرے یہ کہ مختلف فلاسفرون کے یہان جو اخلاقی نظریے منتشر طور پر پائے جاتے ہین، اسلام نے ان مین تمام قابل قبول نظریون کو جمع کر دیا ہے، اس لئے یہ بھی نظام اخلاق کا ایک تکمیلی پہلو ہے، جس کا اسلام نہایت بلند آہنگی کے ساتھ مدعی ہے،

تلاش سہیل

مولینا اقبال احمد خان صاحب سہیل ایم اے ایل ایل بی (علیگ) کے اردو اور فارسی کلام کا "دیوان بے شیرازہ" مرتب کیا جا رہا ہے، اس مجموعہ کے ساتھ ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب ایم اے پی ایچ ڈی (علیگ) شیخ الجامعہ دہلی کا مقدمہ اور مولینا کے سراپا سیرت اور سوانح پر جناب رشید احمد صدیقی ایم اے (علیگ) پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کا ایک مضمون بھی ہوگا،

مولینا کے تمام دوستون سے درخواست ہے، کہ اگر اون کے پاس مولینا کی کوئی نظم موجود ہو تو برادرم ذیل کے پتہ پر بھیجدینگے،

نیاز احمد صدیقی ایم اے (علیگ) شبلی منزل اعظم گڈھ

تلخیص و تبصرہ

وسط ایشیا مین اہم انکشافات،

ڈاکٹر سوین ہیڈن (Dr. Sven Hedin) تقریباً نصف صدی سے وسط ایشیا کے ریگستانون مین ان مقامات کی تلاش و تحقیق مین مصروف ہین جن سے اب تک تاریخ و جغرافیہ کے صفحات خالی تھے، اس سلسلہ مین حال کے نہایت اہم اکتشافات کا ذکر انھون نے نیویارک ٹائمز کے ایک مقالہ مین کیا ہے، جو بمبئی کرانکل (ہفتہ وار) مین آیا ہے، اس کا خلاصہ درج ذیل ہے،

سائنس کا خیال ہے کہ انسان عہد قدیم کی تاریکی سے اول اول وسط ایشیا کے کسی حصہ مین نمودار ہوا، اور وہان سے نکلکر اس کی اولاد مختلف نسلون اور قومون کی شکل مین تمام دنیا مین پھیل گئی، تعجب ہے کہ اُن مقامات سے جو بنی آدم کے آبائی مسکن سے انتہائی فاصلہ پر واقع ہین، حتیٰ کہ قطبین کے حالات سے بھی آج ہم اُس سرزمین کی بہ نسبت زیادہ واقف ہین، جو نسل انسانی کا گہوارہ اور حیات انسانی کا سرچشمہ ہے، جس سرزمین پر ہماری زندگی کی ابتدا ہوئی اس کی جگہ نقشہ مین ہنوز خالی ہے،

حال مین یعنی اس پشت کے اندر ہی ہم نے وسط ایشیا مین جا کر ان نشانات کا پتہ لگانا چاہا، جن سے نوع انسانی کی تاریخ کے ابتدائی ابواب مدون کئے جا سکین، وہان زمانہ قبل تاریخ کے حالات معلوم کرنے کی کوشش مین ہم کو ایک دوسرے راز سے واقفیت ہوئی جو نسبتہً بہت بعد کا ہے، تاہم ہماری مغربی تہذیب سے زیادہ قدیم ہے، یعنی اہل چین اور اون کے وحشی ہمسایون کے ابتدائی حالات، چنانچہ وہان ہم زمانہ قبل تاریخ کے ساتھ ہی عہد تاریخ کے ابتدائی دور کا بھی سراغ لگا رہے ہین، اور یہ کہنا مشکل ہے کہ اُن مین سے کون زیادہ دلچسپ ہے،

مین نے تقریباً نصف صدی مشرقی بعید مین تلاش و تحقیق مین صرف کر دی ہے، اور ۱۹۲۶ء سے اس عظیم الشان وفد

کی قیادت کر رہا ہوں، جو ایشیا کے نامعلوم حصوں کی دریافت پر مامور کیا گیا ہے، ہماری تفتیش و جستجو نے پانچ سال کے اُن پردوں کو بہت کچھ اٹھا دیا ہے، جن سے اُس براعظم کا اندرونی حصہ چھپا ہوا تھا، جو کچھ ہم نے اب تک معلوم کیا ہے وہی کئی جلدوں کو پُر کرنے کے لئے کافی ہے، تاہم ابھی اس سے بہت زیادہ اور معلوم کرنا ہے، یہ خطہ جو اب تک غفلت اور بے توجہی کا شکار تھا معلومات کا ایک غیر محدود ذخیرہ ہے، جس سے تحقیق کرنے والے بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں، ہم نے تو مشکل ابھی اس معدن کی سطح صاف کی ہے،

مشرقی نصف کرہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ چین کے شمال مغرب میں صحرائے گوبی واقع ہے، اور اس کے مغرب میں ترکستان کے ریگستان ہیں، یہ سلسلہ مغرب کی جانب بڑھتا ہوا فارس، فلسطین، عرب، اور سینا سے گذر کر ریگستان لیبیا اور صحرائے افریقہ سے مل گیا ہے، بحر الکاہل سے بحر اوقیانوس تک ایک منطقہ حارہ تمام دنیائے قدیم سے گذرتا ہوا چلا گیا ہے، ہمارا وفد جو کئی جماعتوں میں تقسیم ہو گیا ہے، ۱۹۲۶ء سے اس منطقہ کے سب سے کم معلوم حصہ کی دریافت و تحقیق میں مصروف ہے یعنی وہ حصہ جو تبت کے شمال اور سائبریا کے جنوب میں واقع ہے، ہم نے کچھ کام منگولیا کے اندرونی حصہ میں کیا ہے کچھ چینی ترکستان میں اور کچھ شمالی تبت میں،

ہمارا قافلہ پہلے صحرائے گوبی کی طرف روانہ ہوا، یہ سفر اُن سفروں کی پہلی کڑی تھا جن کا سلسلہ پانچ سال تک قائم رہا، انہیں ہم جنوبی میدانوں میں دشت پیمائی کرتے رہے، لیکن تقریباً ہر میل پر ہمیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہزاروں سال قبل جب تاریخ کی ابتدا بھی نہیں ہوئی تھی، یہاں انسانوں کی آبادی تھی، اور لوگ اس راستہ سے آمد و رفت رکھتے تھے، یہ زمین اگرچہ سنگلاخ اور بے آب و گیاہ ہے، تاہم یہی وسط ایشیا سے گذرنے کا راستہ ہے،

جس ریگستان میں ہمارے خیمے نصب تھے، اُسی میں چین کے تاجر بھی حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں اپنے خیمے نصب کرتے تھے، اسی مقام سے سنہ عیسوی سے قبل قدیم ریشم کی سڑک گذرتی تھی، جو دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے پرانی سڑک تھی، اور قافلے مغرب کی جانب سال سال بھر کے سفر پر چین سے تاشقند اور زیدن کے لئے روانہ ہوتے تھے، جہاں سے اُن کا قیمتی ریشمی سامان جہازوں کے ذریعہ سے روما جاتا تھا، یہ ریشم کی سڑک آج ریگ کے تودوں میں دفن ہے، تاہم بے شمار علامتوں سے اس کے وجود کا پتہ لگتا ہے، اس سڑک کے کنارے کنارے قلعہ بند شہروں کا سلسلہ تھا جن کے سپاہی تاجروں کی حفاظت شمال کی قوم ہن کے حملوں سے کرتے رہتے تھے، ہمیں ان قدیم قلعوں کے دیواریں ملتی ہیں اور ریت کھودنے کے بعد ان دیواروں کی جڑ میں دو ہزار قبل کے مخطوطات ملتے ہیں، چنانچہ

صحرائے گوبی مین ایک مقام پر جہان پہلے کوئی شہر آباد تھا ایک لگی مینار کے نیچے ہم نے ایسی ہزارون یادگارین پائین، ایک فٹ لمبی پتلی پتلی قمچیان جو ایک ہرکارہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک آسانی سے لیجا سکتا تھا، چمڑے کے تسمون سے بندلون مین بندھی ہوئی تھین، ان بندلون کی گرہون مین بیس صدیان گذر چکی تھین، ریگستان کی خشکی نے اُن چینی حروف کو اب تک محفوظ رکھا تھا، جو قمچیون پر لکھے ہوئے تھے، ہمارے اسٹاف کے ارکان نے جو چینی زبان تاریخ اور رسوم وغیرہ سے واقفیت رکھتے ہین، زمانہ قدیم کے ان پیغامات مین سے بعض کا ترجمہ کیا ہے، چنانچہ ان مین سے کسی بنڈل پر اسلحون اور پوشاک کی رسید لکھی ہوئی ہے، کسی پر ایک نوجوان سپاہی کے فوج مین داخل کرنے کے احکام اور اس کا نام عمر وطن اور پیشہ درج ہے، ایک پر یہ حکم لکھا ہوا ہے، "تم کو ہدایت کی جاتی ہے کہ آج شب مین تین سو تیر انداز شہر کے نوین پھاٹک کی حفاظت کے لئے تیار رکھو" آج یہ شہر صدیون کی تباہی اور بربادی کے بعد تقریباً نابود ہوگیا ہے لیکن کسی زمانہ مین ضرور ایک اہم شہر رہا ہوگا، کیونکہ اس حکم سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس مین کم سے کم نو پھاٹک تھے، دوسرے پرزہ درج ہے "تمکو اطلاع دیجاتی ہے کہ شہزادہ لوعنقریب تمھارے صدر مقام پر پہونچینگے، ان کے ساتھ پچیس ۲۵ سوار ہون گے، تمھارے ذمہ ان کی اور ان کے ساتھیون کی خوراک اور قیام کا انتظام ہے" ان قمچیون سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ خشک اور ویران مقام حضرت مسیح سے دو سو برس پہلے ایک مرتب اور آباد شہر تھا، قمچیون کے علاوہ اور بھی سیکڑون چیزین ہم نے قدیم ریشم کی سڑک کے کنارے ریگستان سے کھود کر نکالی ہین، اس سڑک پر کبھی بڑے بڑے تجارتی قافلے چین سے کاشغر ختن پورا اور شام کو جایا کرتے تھے،

اسی خطے ہو کر قدیم چینی زائرین پامیر اور ہندوستان کا سفر کرتے تھے، انھی مین فاضل ہیان سانگ مشہور چینی سیاح (تقریباً ۶۲۹ء) بھی تھا، اسی راستہ سے تقریباً ۱۲۷۴ء مین مارکوپولو بھی قبلائی خان کے دربار مین قسمت آزمائی کرنے گیا تھا، اس کی یاد کے احترام مین ہم نے اپنے لشکر کی سڑک کا نام "مارکوپولو سڑک" رکھا تھا، مارکوپولو سے پیشتر اہل چین مغرب کے متعلق بہت کچھ واقفیت رکھتے تھے، لیکن مغرب کو چین کے متعلق براہ راست کچھ بھی واقفیت نہ تھی،

اس ریگستان کی ہوا مین اتنی تیزی ہے کہ آدمی مشکل اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھا رہ سکتا ہے، ریگستانی طوفان سیاہ دیوارون کی طرح آسمان مین اُٹھتے ہین، اور روشن دن کو تاریک رات بنا دیتے ہین، بہت کم خیمے، ان طوفانون مین قائم رہ سکتے ہین،

معمولی دنون مین بھی ہواؤن کا شور الیسا رہتا ہے کہ سننے والون کو بعض اوقات انسانی آواز کا دھوکہ ہوجاتا ہے، مارکوپولو کا بیان ہے کہ جو لوگ ان ریگستانون مین گم ہوجاتے تھے اونھین ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے ساتھی ان کا نام لے کر پکار رہے ہین، ہم کو بھی کئی بار اس کا تجربہ ہوا ہے،

وسط ایشیا ماہرِ تربیات اور مورخ کے لئے ایک باغ ارم ہے یہان ان فوجی دیوارون کا بھی پتہ لگتا ہے جن کا کوئی نشان نقشہ مین نہین ملتا، یہ دیوارین موجودہ دیوارِ چین کے سیکڑون میل آگے شمال کی جانب چلی گئی ہین، اور اس سے سیکڑون برس زیادہ قدیم ہین، یہان تفتیش کرنے والا خارا خوتو (Khara Khoto) اور لولان (Lou Lan) جیسے فراموش شدہ شہرون کی ویران سڑکون پر چل سکتا ہے، جس کا نام معلوم کرنے کیلئے بھی اس کو ہزارون برس پیشتر کے چینی نقشون کا مطالعہ کرنا پڑے گا، لولان کی دریافت ہمارے انکشافات مین نہایت درجہ اہم اور حیرت انگیز ہے،

دو ہزار سال قبل کے چینی نقشون سے معلوم ہوتا ہے کہ لولان دریائے تارم کے دہانہ کے قریب واقع تھا، مشرقی ترکستان کا یہ خاص دریا جھیل لوپ نور مین گرتا تھا، یہ شہر اس جھیل سے اس قدر نزدیک واقع تھا کہ جھیل کا دوسرا نام ہی بحر لولان، (Lou Lan Hai) پڑگیا، اس زمانہ مین یہ شہر بہت آباد اور خوشحال تھا اور چین اور کاشغر کے درمیان ریشم کی سڑک پر ایک اہم مقام تھا، صدیون لوپ نور چینی جغرافیہ دانون کے علاوہ اور تمام جغرافیہ دانون کی نظر سے پوشیدہ رہی،

۱۹۰۰ء مین مین نے شہر لولان کے کھنڈر دریافت کئے، کھودائی کے بعد وہان لکڑی اور کاغذ پر لکھے مخطوطات دستیاب ہوئے جن سے اس امر مین شبہہ باقی نہ رہا، کہ یہ شہر لولان تھا، اور ۱۹۰۶ء مین یہ ایک آباد اور خوشحال شہر تھا، لیکن بحر لولان اب ساٹھ یا اسّی میل کے فاصلہ پر تھا یا ایک بڑا معمہ تھا، مجھے اس بات کا کافی ثبوت ملا کہ ایک وسیع جھیل جو ممکن ہے ۷۵ میل چوڑی رہی ہو ایک زمانہ مین شہر کی دیوارون کے پاس ہی واقع تھی، جھیل اب خشک ریگستان تھی، اسی سے ملی ہوئی یا بجبوفت چوڑی ایک دریا کی پٹی بھی تھی یہ بھی بالکل خشک تھی،

مین نے یہ نظریہ قائم کیا کہ قدیم نقشے درست تھے، لوپ نور ایک رواں جھیل تھی، اور ۱۹۰۶ء کے بعد اس نے اپنا مقام

تبدیل کردیا تھا، میرے نزدیک یہ بات واضح تھی کہ دریائے تارم کی قدیم تہ جو چوڑی اور گہری تھی، مٹی، نباتات اور ریت سے بھر گئی تھی، اور تارم مین ایک دوسرا راستہ اختیار کرکے ایک دوسری جھیل بنالی تھی جسکی وجہ سے لولان کی قدیم جھیل خشک ہوکر غائب ہوگئی،

لولان کا قدیم شہر آج پھر آباد ہو رہا ہے، دریائے تارم کے کنارے پھر پیداوار نظر آرہی ہے،

یہ صرف چند کارنامے ہین اُن کارناموں مین سے جو ہمارے وفد نے وسط ایشیا مین انجام دیے ہین، ہم محسوس کرتے ہین، کہ ہم نے اُس میدان مین بہت کچھ حاصل کرلیا ہے، جو از روئے سائنس ہماری مہم سے پہلے تقریباً نامعلوم تھا، ہم نے چین کی قدیم تاریخ کے متعلق بیش قیمت معلومات حاصل کئے ہین، ہمارے ماہر اثریات ڈاکٹر فونگ برگمین (Dr Folke Bergman) نے زمانہ حجریہ جدید کے پچاس ہزار نمونے جمع کئے ہین ڈاکٹر ڈیوڈ ہمل (Dr David Hummel) نے بے شمار پودے اور حشرات الارض اکٹھا کئے ہین، ہماری دو جماعتون نے جو شمالی تبت کے کوہستانون مین تفتیش و تحقیق مین مصروف تھین ایک وسیع خطہ کو دریافت کیا ہے، جسکی جگہ نقشہ مین ابتک خالی تھی، ہماری ایک جماعت نے جنوبی سنکاری مین قیمتی معلومات حاصل کئے ہین،

مختصر یہ کہ ہم ایک وسیع خطۂ زمین کو جو بحر الکاہل سے بحر کیسپین تک پھیلا ہوا ہے، اور اب تک دنیا کے چند لامعلوم حصون مین شمار کیا جاتا تھا، سائنس کی آنکھون کے سامنے لا رہے ہین، ہم نہین کہہ سکتے کہ ابھی اور کس قدر معلوم کرنا ہے لیکن لیکن گذشتہ پانچ سال کے واضح تجربہ کی بنا پر اتنا جانتے ہین کہ اُن ویران مقامات مین دنیائے علم کیلئے بیش بہا انکشافات تقریباً ہر روز ہوتے رہتے ہین،

"ع ز"

یورپ کی قدیم ترین یونیورسٹی سالرنو

جنوبی اٹلی مین سالرنو ایک بحری بندرگاہ ہے، جو قرون وسطیٰ مین ایک صحت گاہ ہونے کے ساتھ ایک علمی مرکز بھی تھا جہان بہت سے مشہور اطبا رہتے تھے، اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یورپ مین سب سے پہلے طب کی یونیورسٹی یہین قائم ہوئی، اگرچہ مورخین نے اس کی طرف بہت کم توجہ کی تاہم پروفیسر کارل سیدھوف نے جو تاریخ طب کے بہت بڑے

عالم ہین، اس موضوع پر بہت سے تاریخی ماخذ سے روشنی ڈالی ہے، اس کے بعد اور تمام مورخین نے اس یونیورسٹی کے متعلق تحقیقات کی اور اس تحقیقات کا خلاصہ مارچ ۱۹۳۳ء کے الہلال مین شایع ہوا ہے، جس کو ہم ناظرین معارف کی دلچسپی کے لیے درج کرتے ہین،

"چھٹی صدی عیسوی مین اٹلی ایک میدان کارزار بنی ہوئی تھی، اور شمالی جانب سے اوس پر حملے ہو رہے تھے، اس کے بعد گاتھک کا اقتدار جاتا رہا، اور جنوبی اٹلی بازنطینی حکومت کے زیر اثر آگیا، اس وقت اگرچہ اٹلی مین عام طور پر یونانی زبان رائج تھی لیکن بازنطینی اقتدار کے زوال کے بعد دوسری زبانین رائج ہوئین، اور متعدد مقامات پر لاطینی زبان رائج ہوگئی، پھر جب آٹھوین صدی مین مسلمانون نے ان ممالک کو فتح کیا تو یونانی کی جگہ مختلف مقامات مین عربی نے لیلی، اسی طرح جنوبی اٹلی مین بہت سے یہود بھی رہتے تھے، اور اونھون نے اور علوم یعنی لاطینی یونانی اور عربی کے مقابل مین عبرانی علوم کی اشاعت کی، اس کے بعد مسلمانون نے آٹھوین صدی مین بتدریج سسلی پر حملہ کیا اس کے بعد نوین صدی مین اٹلی کی سرزمین پر تاخت کی اور رفتہ رفتہ جنوبی اٹلی پر قابض ہوگئے، اور نیپلز اور سالرنو اون کے قبضہ مین آگئے اس کے بعد ۸۸۲ء مین مونٹ کاسینو بھی مسلمانون کے زیر اقتدار آگیا، اور اب اٹلی مین مسلمانون کی فوجی جد وجہد مکمل ہوگئی،

اب ہم کو جنوبی اٹلی مین رہبانیت اور کلیسا کی زندگی کی تاریخ بھی پیش نظر رکھنی چاہیے، سب سے پہلے سینٹ بنیڈکٹ (۴۸۰-۵۴۴) نے مونٹ کاسینو مین ایک بڑا کلیسا قائم کیا جس کے ساتھ لاطینی کتابون کا ایک بہت بڑا کتبخانہ بھی تھا اس کے بعد اور بہت سے رہبانون نے اس کی تقلید کی، اور جنوبی اٹلی کے تمام شہرون مین جن مین سالرنو بھی تھا بہت سے گرجے قائم کیے، سینٹ بنیڈکٹ نے جو نظام قائم کیا تھا، اوس کے روسے رہبانون کے لیے علمی بحث وتحقیق بھی ضروری تھی، اس لیے ان اطراف مین ایک خاص لاطینی زبان جسکو نقتان کہتے تھے، رائج ہوگئی، اور اس مین بہت سی کتابین لکھی گئین جن مین بعض فن طب پر تھین، اگرچہ قدیم یونانی زبان بھی مدتون رائج رہی، بلکہ متعدد یونانی گرجے بھی بالخصوص روسانو مین قائم تھے، تاہم حسب فضا مین یونانی اور لاطینی یہان زندگی بسر کر رہے تھے، وہ لغوی مباحث اور مذہبی نزاعات کے شور وغل سے گونج رہی تھی، اس لیے علمی خیالات کو ترقی نہ ہوسکی، لیکن جب عربون نے اس ملک کو فتح کیا تو عربی علوم وفنون کی اشاعت ہونے لگی، اور لوگون نے

اون علوم کی طرف توجہ کی، جنکو اہل عرب اپنے ساتھ لائے تھے، سالرنو مین پہلے ہی سے بڑے بڑے تجربہ کار اطبا موجود تھے اور انھون نے اپنے شاگردون کے فوائد کے لئے اپنے تجربات قلمبند بھی کر لئے تھے، ان کی قدیم ترین کتابین ۱۰۵۰ء مین لکھی گئی تھین، لیکن ابتدا مین یہ اطبا اپنی کتابون پر جو لاطینی زبان مین یونانی علوم کا ترجمہ تھین اپنے نام نہین لکھتے تھے، سالرنو مین خاص قسم کی علمی اور طبی کتابین گیارھوین صدی کے نصف اخیر مین شائع ہوئین، اور اطبائے سالرنو مین جاریو نبوس المتوفی ۱۰۵۰ء اور فانوس المتوفی ۱۰۸۵ء نے طبی کتابین لکھین، لیکن مشاہیر سالرنو کے زمانے مین جس شخص نے قرون وسطی کے ابتدا مین یورپ مین عربی علوم منتقل کئے وہ قسطنطین افریقی تھا جس نے ۱۰۸۶ء مین وفات پائی، وہ حکمت و فلسفہ کا شیدائی تھا، اس غرض سے اپنے اصلی مولد قرطاجنہ کو چھوڑ کر بابل گیا، اور وہان کلدانی، عربی اور ایرانی طب و حکمت مین تعلیم حاصل کی، پھر ہندوستان آیا، اور یہان مہدوؤن کے علوم و فنون سیکھے اسی طرح حبشہ اور مصر مین گیا، اور وہان کے علوم کی تعلیم حاصل کرکے ۳۹ سال کے بعد اپنے وطن کو واپس ہوا، لیکن اسکے علم و فضل پر اوسکے ہموطنون نے حسد کیا، اسلئے وہ وہان سے بھاگ کر ۱۰۷۶ء مین سالرنو چلا گیا، اور وہان بھیس بدل کر گمنامی کی زندگی بسر کرنے لگا، حسن اتفاق سے ایک مشرقی امیر نے جو وہان آتا جاتا رہتا تھا، اوسکو پہچان لیا، اور لوگون کو اس کے علم و فضل سے روشناس کرایا، اور اب وہان کے شرفا مین اس کا درجہ بہت بلند ہوگیا، لیکن چند ہی دنون کے بعد وہ مونٹ کاسینو کے گرجے مین چلا گیا، اور راہب ہوکر مختلف اجنبی زبانون کی کتابون کے ترجمے مین مشغول ہوگیا، اور مشرقی قومون کے بہت سے علوم کا ترجمہ کیا، لیکن وہ ان ماخذون کا اظہار نہین کرتا تھا، جن سے ترجمہ کرتا تھا، اور ان مصنفون کا نام نہین بتاتا تھا، جن کی کتابون کے اس نے ترجمے کئے تھے، بلکہ ترجمہ شدہ کتابون کو خود اپنی طرف منسوب کرتا تھا، لیکن اس کی ترجمہ کردہ کتابون پر غور و تنقید کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ سب کی سب عربی کتابون سے ماخوذ ہین، اور وہ صرف یہی عربی زبان جانتا تھا، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی طب کے اس ترقی یافتہ دور سے جب کہ دسوین صدی کے آخر اور گیارھوین صدی کی ابتدا مین قانون شیخ تمام مشرق مین رائج تھی، بالکل ناآشنا تھا، اس لئے اس کے علم طب کا ماخذ صرف وہ عربی طب ہے جو یونانی سے بذریعہ ترجمہ کے عربی زبان مین آیا تھا، اور اس نے شمالی افریقہ مین اس سے واقفیت حاصل کی تھی، اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مشرقی ممالک مین اس کی سیاحت کا واقعہ محض ایک فرضی افسانہ ہے، لیکن اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ یورپ مین سب سے پہلے اوسی نے عربی طب کو روشناس کرایا، اور اسی کے

ذریعہ سے اسلامی طب سالرنو کے مدرسہ مین داخل ہوا، اور وہان کے اطبا اور اسکی تعلیم مین منہمک ہوگئے، اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہیے، کہ آٹھوین صدی سے فرون وسطی کے اخیر تک دنیا کی فلسفیانہ، علمی اور سیاسی سیادت و اقتدار کی باگ اسلام کے ہاتھ مین تھی، اس لئے قسطنطین نے عربی علوم کے ترجمہ کی جو خدمت انجام دی، وہ گویا یورپ مین اسلامی علوم و فنون کی ایک جدید فتح تھی، اس لئے مدرسہ سالرنو پر بھی اسکا بہت بڑا اثر قائم ہوگیا، اور وہ بہت جلد ترقی کرکے یورپ مین طبی تعلیم کا بہت بڑا مرکز ہوگیا، اور جب نارمنون نے ۱۰۷۱ء مین سالرنو کو فتح کیا تو اس کو گویا ایک یونیورسٹی بنا دیا، اور تقریبًا ڈیڑھ سو برس تک اسی حیثیت سے اوس کی شہرت قائم رہی، خود نارمن سلاطین عربی علوم و فنون کی اشاعت کی حوصلہ افزائی کرتے تھے، چنانچہ تیرہوین صدی کی ابتدا کی ایک تصویر ملی ہے، جو اردو مین بھی شائع ہوچکی ہے، اس مین یہ دکھایا گیا ہے، کہ نارمن بادشاہ ولیم ثانی المتوفی ۱۱۸۹ء کے بستر علالت کے پہلو مین ایک عربی طبیب ہاشم نامی کھڑا ہوا ہے،

سالرنو کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ فریڈیک ثانی نے اوس کی یونیورسٹی کو اطبا کے امتحان اور جنوبی اٹلی مین اون کو طبابت کرنے کی اجازت دینے کا حق عطا فرمایا، اور یورپ کے تمام اطراف سے وہان بکثرت مرضی علاج کے لئے آتے تھے،

تاریخ صقلیہ جلد اوّل

از مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی،

مسلمانون نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی، اور آئین کی طرح اسکو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریبًا پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اسکی کوئی تاریخ اردو و انگریزی مین کیا عربی مین بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدون مین اوسکی تاریخ مرتب کی گئی ہے جنمین سے پہلی جلد اب شایع ہوگئی ہے، جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہے، اسمین صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملون کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام عہد بعہد کے دورون کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ و جزائر صقلیہ مین مسلمانون کے مصائب اور جلاوطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، ضخامت مجموعی ۴۰۵ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلی، قیمت ۱؎ للہ

منیجر

ادبیات

خونِ جگر

از

حضرت جگر، مرادآبادی

کوئی کمی نہ اے غمِ اشک آفرین رہے
یہ آستین رہے، کبھی یہ آستین رہے

کچھ اس ادائے آج وہ پہلو نشین رہے
جبتک ہمارے پاس رہے ہم نہین رہے

ایمان و کفر اور نہ دنیا و دین رہے
اے عشق شاد باش کہ تنہا ہمین رہے،

میری زبان پہ شکوۂ درد آفرین رہے
شاید مرے حواس ٹھکانے نہین رہے،

جب تک الٰہی جسم مین جانِ حزین رہے
نظرین مری جوان رہین، دل حسین رہے،

یارب کسی کے رازِ محبت کی خیر ہو،
دستِ جنون رہے نہ رہے، آستین رہے،

تاچند جوشِ عشق مین، دل کی حفاظتین
میری بلا سے، اب وہ جنونی کہین رہے،

مجھ کو نہین قبول دو عالم کی وسعتین،
قسمت مین کوئے یار کی دو گز زمین رہے،

جا اور کوئی ضبط کی دنیا تلاش کر،
اے عشق اب تو ہم ترے قابل نہین رہے

دورِ غمِ فراق کے یہ سخت مرحلے،
حیران ہون مین، کہ پھر بھی تم اتنے حسین رہے،

اے عشق نالہ کش، تری غیرت کو کیا ہوا
ہے ہے، عرق عرق، وہ تنِ نازنین رہے،

اللہ ری چشمِ یار کی معجز بیانیاں، ہر اک کو ہے گمان کہ مخاطب ہمیں رہے
ذات و صفاتِ حسن کا عالم نظر میں ہے، محدود سجدہ کیا مرا ذوقِ جبیں رہے،
کس درد سے کسی نے کہا آج بزم میں، اچھا یہ ہے، وہ "سنگِ محبت" یہیں رہے

اس عشق کی تلافیِ مافات دیکھنا،
رونے کی حسرتیں ہیں، جب آنسو نہیں رہے

راحت کدہ

از

جناب عبدالسمیع صاحب بال آنرصہبائی، ایم اے ایل ایل بی وکیل بیاکوٹ

دل کہ تمہارے عشق میں درد سے آشنا ہوا ریزۂ سنگ تھا مگر، گوہرِ بے بہا ہوا،
میرا سرِ جنوں پسند دیر و حرم میں تھا بلند تیرے حضور میں مگر شوق سے ہے جھکا ہوا،
فصلِ بہار آگئی، سارے جہان پہ چھا گئی، میرا دلِ حزیں مگر سوگ میں ہے پڑا ہوا،
دل کہ ریاضِ طور تھا میکدۂ سرور تھا آج وہ فور یاس سے خاک میں ہے ملا ہوا،
ٹوٹ گیا ہے سازِ دل فاش ہوا ہے رازِ دل سوزِ شکستِ آرزو نالوں میں ہے بھرا ہوا،
بحرِ جہاں ہے بیکراں زیست حبابِ ناتواں موجِ فنا ہوئی رواں دم میں وہیں ہوا ہوا،
"راحت جاں"! ترا اثر سب سے ہوا ہے بے خبر اک ترا ذکر ہے مگر تارکِ ماسوا ہوا،

سرگذشت ادبِ ترکی

ترکی ادب کی سرگذشت کا اجمالی خاکہ جسمیں ترکی ادب کی تاریخ یعنی ۶ کے قریب قریب تمام ابواب اور ہر دور کے ممتاز شعراء کا تعارف کرایا گیا ہے از مولوی سید ریاست علی ندوی، ہب اڈیٹر معارف حجم تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ کے ۲۰ صفحے، ۱۲ پر کے ٹکٹ بھیج کر طلب کریں، "منیجر"

باالتقریظ والانتقاد

"قرونِ وسطیٰ مین ہندوستانی تہذیب"

از

رائے بہادر مہامہوپادھیائے گوری شنکر ہیراچند اوجھا،

اس وقت ہندوستانی اکاڈیمی الہ آباد جن طریقون سے ہندوستانی زبان کی خدمت کر رہی ہے، ان مین اون کے سالانہ علمی لکچرون کا سلسلہ جو وہ ہر سال ملک کے برگزیدہ مصنفون اور انشاپردازون سے دلواتی ہے نہایت اہم متعدد لکچر کتاب کی صورت مین شائع ہو چکے ہین جن سے ہندوستانی علوم وفنون، مذہب اور تاریخ کے متعلق نہایت وقیع لٹریچر فراہم ہو گیا ہے، کتاب زیرِ نظر بھی ان تین خطبون کا مجموعہ ہے جو رائے بہادر مہامہوپادھیائے گوری شنکر ہیراچند جی نے ہندوستانی اکاڈیمی نے مورخہ ۱۳ر۱۴ر ستمبر ۱۹۳۶ء کو دلوائے، یہ خطبے اگرچہ ہندی زبان مین دئے گئے تھے لیکن اکاڈمی نے ان کا نہایت سلیس اردو ترجمہ ایک کتاب کی صورت مین شائع کیا ہے، جس سے اردو دان طبقہ بھی اون سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے،

مقرر نے تمہید مین اون کتابون کی فہرست دی ہے، جن سے ان خطبون کو مرتب کیا گیا ہے، اور اس کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ ہندوستانی تہذیب پر جن کتابون سے مدد لی جا سکتی ہے، ان سب سے مقرر نے فائدہ اوٹھایا ہے،

پہلی تقریر اون مذاہب پر ہے، جو قرونِ وسطیٰ مین ہندوستان مین پیدا ہوئے اور ترقی کی اسی سلسلے مین لکچرار نے اس دور کی معاشرت کو بھی لیا ہے، اور پوشاک، زیور، غذا اور اخلاق وعادات کی تفصیل کی ہے، اور جا بجا ان کے تغیر وتبدل کے اسباب وعلل بھی بیان کئے ہین مثلاً غذا کے متعلق لکھا ہے، کہ مہاتما بودھ کے قبل گوشت کا بہت رواج تھا، جین اور بودھ مذہب کے

اثر سے رفتہ رفتہ اس کا رواج کم ہوتا گیا، پردہ کے متعلق لکھا ہے کہ اس زمانہ مین پردہ کا رواج نہ تھا مسلمانون کے آنیکے بعد پردہ کا رواج شروع ہوا، غرض مذہب و معاشرت کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے اوس کے تغیر و تبدل اور عروج و زوال کی پوری تاریخ مستند حوالون سے بیان کردی ہے،

اس تقریر کا ترجمہ ۴۸ صفحون مین ختم ہوا ہے، اس کے بعد دوسری تقریر اس دور کی ادبیات پر ہے، اور اس سلسلے مین مقرر نے علوم و فنون کی تمام شاخون پر نہایت تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے، بالخصوص فلسفہ کی تمام شاخون پر نہایت مفصل سے گفتگو کی ہے، اسی سلسلہ مین تعلیم کی وسعت کا بھی ذکر کیا ہے، اور متعدد کالج، یا دارالعلوم یا یونیورسٹیون کا ذکر کیا ہے، مقرر نے اگرچہ ان تقریرون مین کہین تعصب اور بیجا طعن و تعریض سے کام نہین لیا ہے، تاہم نالندا کے دارالعلوم اور جامع ٹکشلا کے متعلق اگر یہ فقرے:-

"مسلمانون کے زمانہ مین اس یادگار اور فیض بار جامعہ کی ہستی خاک مین مل گئی"

"یہ جامعہ بھی مسلمانون کے زمانہ مین غارت ہوا"

ان کی زبان سے نہ نکلتے تو بہتر ہوتا، نالندا سے مقصود اگر بہار ہے، تو یقیناً نالندا کی تباہی اسلامی فتوحات کا نتیجہ ہے مگر ٹکشلا کی نسبت کوئی تاریخی شہادت ہماری نظر سے نہین گذری ہے، یہ تقریر پہلے سے زیادہ طویل ہے، اور تقریباً ڈیڑھ سو صفحات مین ختم ہوئی ہے، اس کے بعد تیسری تقریر نظام سلطنت اور صنعت اور حرفت پر ہے، اور اس مین ہندوستانی تجارت، مالیات اور فنون لطیفہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، اور ہر تقریر مین جابجا تصویرین اور نقشے دیے گئے ہین، پوری کتاب کی ضخامت ۲۳۵ صفحون کی ہے، اور عمدہ ٹائپ مین شائع ہوئی ہے، اور ہر حیثیت سے دلچسپ پر از معلومات اور دلآویز ہے، "ع"

عرب و ہند کے تعلقات

عرب و ہند کے علمی تجارتی، مذہبی تعلقات و روابط پر وہ پانچ خطبے جو مولینا سید سلیمان ندوی نے ہندوستانی اکاڈیمی الہ آباد مین دیے، وہ خوبصورت اردو ٹائپ مین مجلد شایع ہوئے ہین، قیمت للعہ ضخامت ۴۰۲ صفحے،

"فیجر"

مطبوعات جدیدہ

تاریخ تختِ طاؤس از مولوی محمد عبداللطیف خانصاحب قادری، اکسٹرا معلم گورنمنٹ ہائی اسکول

مین پوری (یو۔پی) ناشر رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز پبلشر بک سیلر لاہور قیمت مجلد عہ

"تاریخ تختِ طاؤس" مین جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، شاہجہانی تختِ طاؤس کی مفصل سرگذشت بیان کی گئی ہے، لیکن یہ مجموعہ صرف اسی تخت کی تاریخ پر مشتمل نہیں، مصنف نے "متن" و "حواشی" کے دو طریق تحریر مستقل طور پر قائم کئے ہین، متن مین تو تخت کی ساری سرگذشت کے ساتھ عہد شاہجہانی کے فنون جمیلہ کی گویا اجمالی سرگذشت درج کی گئی ہے، اور پھر عہد شاہجہانی سے دور حاضر تک اس تخت پر جو ادوار گذرے، اور بعد مین اس کے جو ہمنام تخت بنے، ان سب کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اور حواشی مین متن کے مندرجہ تاریخی اشخاص مقامات آثار سالانہ جشن و رسوم، اور مختلف تاریخی الفاظ و اصطلاحات کی تشریح کیگئی ہے اور اس طرح تختِ طاؤس کی مختصر سرگذشت کا مجموعہ ۲۰×۳۰ تقطیع کے ۱۶۴ صفحون مین پھیل گیا ہے،

لیکن اس مین شبہہ نہین کہ مصنف نے اس تخت کے ایک ایک جوڑ بند پر اس تحقیق تفصیل اور جزئی استقصا سے نظر ڈالی ہے جو اہم سے اہم تاریخی مباحث پر ڈالی جاسکتی ہے، اگرچہ مختلف روایتون کے بعد نقد و جرح مین کہین کہین وہ مباحث تشفی بخش ثابت نہین ہوئے ہین، کہین دور حاضر مین کسی رسالہ مین کسی شائع شدہ مضمون کے اقتباس سے کسی مستند ماخذ کی روایت کا رد کیا گیا ہے، اور نیز جزئی استقصا کے تخیل سے کہین کہین حواشی کا تعلق متن سے اس قدر دور کا نظر آتا ہے، کہ اگر وہ موجود نہ ہوتے تو کسی پڑھنے والے کو جستجو نہ ہوتی، اسی طرح حوالون کی بہتات ہے، اور کہین کہین وہ حوالے خود محتاج حوالہ ہین، مثلاً کہین کہین حوالہ مین محض "اتخاذ از مضمون خود شائع شدہ در جریدۂ فلان" ہے، اور کہین یہ نظر آتا ہے، کہ ہر مطبوعہ ورق کو لائق استناد سمجھ لیا گیا ہے،

حالانکہ آسانی سے مستند ماخذوں سے رجوع کرکے تحقیق کرلیجا سکتی تھی، مثلاً نادر شاہ کے سوانح "بڑی جنتری" سے ماخوذ ہین، عام ازین کہ جو واقعات درج ہین، وہ صحیح کیون نہ ہون لیکن مستند ماخذون کو چھوڑکر غیر مستند ماخذون سے اوسکو جمع کردینا، اس وقت نظر کے اقتضاء کے خلاف ہے، جو ترتیب کتاب کے وقت مصنف کے پیش نظر رہی ہے، اور دوسری طرف مصنف نے کسی مورخ کے محض ایک ایک جملہ یا لفظ پر صفحون مین بحث کی ہے لیکن اس کے یہ معنی بھی نہین ہین کہ تحت طاوس وغیرہ کے اصل فارسی ماخذون کی طرف رجوع نہین کیا گیا، مصنف نے عہد شاہجہان کے قریب سے قریب فارسی ماخذون سے فائدہ اوٹھانے کی کوشش کی، قابل شکایت صرف یہ ہے کہ ہر رطب و یابس کو ماخذ بنالیا،

لیکن بہرحال ان فروعی خردہ گیرون کو نظر انداز کرکے یہ کتاب دلچسپ اور لائق مطالعہ ہے، اور مصنف کی ذہنی استعداد اور تحقیق و تلاش کے رجحانات کی آئینہ دار ہے، اور عام ازین کہ موضوع کتاب پر مشتمل ہو لیکن خصوصاً عہد شاہجہانی، اور عموماً مغلی عہد کے فنون جمیلہ تعمیرات، مصوری اور نقاشی کا ایک خوشنما گلدستہ ہے جس سے ہندوستان کی اسلامی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے لطف اندوز ہوسکتے ہین،

کتاب کے آغاز مین جناب سید ظہیر الدین صاحب علوی ایم اے، وکیل فرخ آباد کا ایک "تبصرہ و تعارف" بھی ہے، لیکن اس کے اکثر مباحث بے محل، بلا ضرورت، اور تنقدین غیر صحیح ہین مصنف نے کتاب کے اشخاص، مقامات اور ماخذون وغیرہ کی مفصل فہرست (انڈکس) ابتدا مین منسلک کردی ہے،

جامع اللغات، مرتبہ جناب خواجہ عبدالمجید صاحب بی اے، ناشر جامع اللغات کمپنی گوبند رام اسٹریٹ لاہور،

جامع اللغات اگرچہ اردو کا لغت ہے لیکن اس کی تدوین اس نقطۂ نظر سے عمل مین آئی ہے، کہ اون الفاظ، لغات و محاورات ضرب الامثال اور مقولون کو یکجا کیا جائے، جو اردو، یا ہندوستانی بولنے والون مین سے کسی نہ کسی طبقہ کی زبان پر ہین، اور وہ اردو تحریرون مین صحیح یا غلط طور پر لکھے بھی جاتے ہین، اسی لئے کتاب کا نام جامع اللغات اردو دوالسنہ متعلقہ رکھا گیا ہے، اور اسی مناسبت سے اس مین اردو الفاظ و محاورات کے ماسوا، ہندی، سنسکرت، فارسی و عربی، پنجابی اور انگریزی کے ایسے بکثرت الفاظ اور محاورے بھی درج ہین، جن کا استعمال اگرچہ صحیح اردو مین جائز نہ ہو تاہم وہ اردو کے رسالون اخبارون اور کتابون مین کسی نہ کسی طرح

مشتمل ہیں، الفاظ و محاورات کے علاوہ اشخاص و مقامات وغیرہ کے نام اور اون کی تشریحیں بھی درج ہیں، کارکنان کتاب نے اس کی اشاعت کا ماہانہ انتظام کیا ہے، گویا جامع اللغات ۲۷۸۲۰ صفحوں کا ایک ماہانہ رسالہ ہے، جس کا ہر پرچہ یا لغت کا ہر حصہ عمدہ، سپید، چکنے کاغذ پر چھپتا ہے، اس وقت تک دو پرچے یا حصے ہمیں موصول ہو چکے ہیں جن میں آخری لفظ "آڈور" ڈ ہے،

اس لغت کی مدد سے محض ایک اردو داں، اردو کی ان تحریروں کو آسانی سے پڑھ سکتا ہے، جو "ہندوستانی" زبان کے بجائے "ہندوانی زبان" میں ہوتی ہیں، نیز انگریزی زبان کے بھی ایسے الفاظ ملجاتے ہیں، جو اردو میں بے تکلف لیکن بلا ضرورت استعمال کئے جاتے ہیں، مثلاً "اڈمشن" (داخلہ) لیکن اگر کتاب کو استقصا سے دیکھا جائے، تو شاید مسامحات سے بھی خالی نہ ہو مثلاً "ابوالمعالی" کے ضمن میں ایک ترک شاعر ایک ایرانی شاعر، اور مصنف تحفۂ اقادریہ کا تذکرہ موجود ہے لیکن اس کمیت سے زیادہ شہرت تمام تر حضرت ابوالمعالی علی عبدالملک الجیلی کو حاصل ہے، اُن کا تذکرہ موجود نہیں، اسی طرح امام ابوالحسن اشعری کو "ایک مصنف جس نے تقریباً چودہ کتابیں تصنیف کیں" بتانے کے بجائے یہ کہا جاسکتا تھا "مذہب اشاعرہ کے بانی ہیں جنکی کلام و عقائد میں کثرت کتابیں ہیں" مگر ان کی ذات کا نمایاں وصف مذہب اشاعرہ کا بانی ہونا ہی ہے، مگر ایسے مسامحات کو محض خردہ گیری ہی کہا جاسکتا ہے جسکا اندازہ کہیں کہیں لفظ ڈال لینے سے ہوجائے اور محاوروں اور ضرب الامثال میں جو اجنبیت ہمیں نظر آتی ہے، اون پر خاموش ہونا پڑتا ہے، کہ کسی نہ کسی "اردو تحریر" میں بہرحال اونکا استعمال ہوا ہوگا، ورنہ مصنف کو ان اوراق میں انھیں جگہ دینے کی کیا ضرورت پیش آتی، اور اس تصریح کی بھی شاید ضرورت نہ ہو کہ مفرد الفاظ و محاورات میں اردو کے علاوہ زیادہ الفاظ ہندی اور سنسکرت زبانوں کے ہیں، کہ انھی زبانوں کے نامانوس الفاظ ہمارے برادران وطن کے ایک طبقہ کی کرمفرمائی سے اردو میں، اردو داوں کی طلب و خواہش کے بغیر بڑھتے جاتے ہیں، بہرصورت مرتب کتاب جناب خواجہ عبدالمجید صاحب لائق صد ستایش ہیں، کہ وہ اپنی انفرادی کوششوں اور ذاتی ذمہ داریوں سے سالہا سال کی دیدہ ریزی کے بعد یہ مجموعہ تیار کرسکے ہیں، اور یقیناً اونکی موجودگی سے ہر قسم کی اردو تحریریں پڑھ لیجا سکتی ہیں، اور نیز صحیح اردو کے لغات و محاذات کے معنی و تشریح کے علاوہ اگر دوسری زبان سے آئے ہیں، تو اوس زبان میں اون کے حقیقی معنی کی طرف بھی رہنمائی کرسکتی ہے اور اشخاص و مقامات اور بعض اصطلاحات کا حل بھی لسکتا ہے، اور مجموعی حیثیت سے شاید دو کا یہ واقعی جامع لغات ثابت ہو

اچھی باتیں، از مولانا سعد الدین انصاری ندوی، ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی چھوٹی تقطیع کے ۱۶ صفحے قیمت ۴ ر

"اچھی باتیں" دراصل بچوں کے لئے آیات قرآنی کی تعلیم کا مجموعہ اسباق ہے، مثلاً مرتب نے کسی ایک آیت کو لیا، اور آیت اور بچوں کے ذوق کے مناسب حال، اوپر عنوان قائم کیا، آیت کے پہلو میں سلیس اور آسان زبان میں اردو ترجمہ درج کیا، اس کے نیچے تفسیر کا عنوان ہے، جس میں آیت کے مطالب کی تشریح بچوں کے ذوق اور فہم کا لحاظ رکھ کر موثر انداز میں کی ہے، اس طرح ایک ایک آیت کا ایک ایک سبق ایک ایک صفحہ میں التزام سے درج ہے، آیتوں کے انتخاب میں لحاظ رکھا ہے، کہ وہ بچوں کے لئے موثر ہوں، اور ان کی تعلیم و تربیت کا بھی کام دیں، اسلامی مدارس کیلئے اگر ایسے ہی رسالے ترتیب دئے جائیں تو نہ صرف مفید دینی خدمت ہو، بلکہ مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت آغاز ہی سے صحیح طریق پر انجام پائے،

سرکار دو عالم، مولفہ مولوی محمد حسین صاحب حسان ندوی، ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی حجم ۱۲۰ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ۴ ر

مولوی محمد حسین صاحب حسان ندوی نے بچوں کیلئے آنحضرت صلعم کی سیرت سلیس اور آسان زبان میں لکھی ہے، واقعات کو مختصر انداز بیان میں سمجھایا ہے، اور اخلاق نبوی کے بیان کو زیادہ جگہ دی ہے، سیرت نبوی میں جو مختصر رسالے بچوں کے لئے لکھے گئے ہیں، اول میں اس رسالہ کو نمایاں حیثیت حاصل ہے، بچوں کیلئے اس کا مطالعہ مفید ہوگا،

مُعِیْنُ اللَّبِیْب فی قصائد الحبیب مرتب مولینا محمد اعزاز علی صاحب ناشر ناظم کتب خانہ اعزازیہ دیوبند، سہارنپور، حجم ۴۰ صفحے، قیمت درج نہیں،

مولینا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم مہتمم دار العلوم دیوبند، دور حاضر کے فاضل میں تھے، زیر تبصرہ رسالہ انھی کے چند عربی قصائد کا مجموعہ ہے جس کے دو حصے ہیں، پہلے حصہ میں مختلف نظمیں، دعائے مضطر، شمائل و معجزات نبوی، فضائل مدینہ منورہ اور عروج و زوال اسلام پر ہیں، اور دوسرے حصہ میں مختلف اکابر و علما، مولانا محمود الحسن صاحب مرحوم اور مولانا احمد حسین صاحب مرحوم وغیرہ کی شان میں مرثیے اور قصائد ہیں، اور اسی طرح چند قصائد حضور نظام آصفجاہ کی شان میں بھی ہیں، توقع ہے کہ عربی علم و ادب سے ذوق رکھنے والے اہل علم اور مدارس عربیہ کے طلبہ اس سے مستفید ہوں گے،

"س"

جلد ۳۱	ماہ صفر المظفر ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ جون ۱۹۳۳ء	عدد ۶

مضامین

شذرات	سید سلیمان ندوی	۴۰۲-۴۰۴
انکارِ حدیث	مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین	۴۰۵-۴۳۰
ہندی فلسفہ	جناب بشیر احمد صاحب ڈار، ایم اے،	۴۳۱-۴۴۶
حضرت ناصر جنگ شہید کے بعض عنایت نامے،	جناب محمد غوث صاحب (عثمانیہ) حیدرآباد دکن،	۴۴۷-۴۵۵
"راستی وعذرداری"	جناب نبی احمد خاں صاحب رجسٹرار کتب خانہ رامپور،	۴۵۶-۴۶۰
نظامی گنجوی کی قبر،	جناب قاضی احمد میاں صاحب، اختر جوناگڑھی،	۴۶۱-۴۶۳
قصۂ آدم وحوا کی اثری تائید،	"ع"	۴۶۴-۴۶۷
جدید ترکی زبان میں ایک جدید تاریخ عالم۔	"ع ز"	۴۶۷-۴۷۰
اخبار علمیہ	"	۴۷۱-۴۷۴
خونِ جگر	حضرت جگر مرادآبادی،	۴۷۵
نظامِ زندگی،	جناب سید حامد حسین صاحب اٹرنی ایٹ لا (علیگ)	۴۷۶
مطبوعات جدیدہ	"ر"	۴۷۷-۴۸۰

تصوف اسلام

خالص اسلامی تصوف اور قدماء صوفیہ کے حالات وتصنیفات کا مفصل بیان ضخامت ۲۴۴، قیمت:- عہ

شذرات

تبلیغ دین مسلمانون کا فریضہ ہے، لیکن اس فرض کو ہم کہانتک ادا کر رہے ہین، اسکا جواب بجز ندامت اور اعتراف قصور کے ہم کیا دیسکتے ہین، آجکل کی دنیا مین تبلیغ کی سب سے منظم شکل اخبارات ورسائل ہین، ہمارے ادبی وعلمی رسالے تو شاید ہزارون ہون، لیکن ہمارے مذہبی رسالون کی تعداد مشکل سے چند ہو، اور خصوصاً ہمارے صوبہ مین تو ایک بھی ایسا مذہبی رسالہ نہین جسمین دین ومذہب کے متعلق اعلیٰ مضامین اور مسلمانون کے دینی وتمدنی واخلاقی اصلاحات پر معتدل خیالات شایع ہوتے درآنحالیکہ الحاد کے سرچشمے یہین کے دارالحکومت سے ابل رہے ہین، اسی بنا پر چند دردمند اصحاب نے یہ ارادہ کیا ہے کہ **اصلاح** کے نام سے لکھنؤ سے ایک ماہوار مذہبی واخلاقی واصلاحی رسالہ نکالین، ہمارے نوجوان عزیز مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب نگرانی ندوی نے اسکی ادارت کا بار اٹھانے کی ہمت کی ہے، قیمت سالانہ تین روپیہ ہوگی، دین کے دردمندون سے درخواست ہے کہ وہ خریداری سے اس مقدس کام کی اعانت کرین، پتہ دفتر اصلاح، نگرام ہاؤس لکھنؤ، اگر کوئی صاحب ہمت اس ضروری کام مین مالی مدد فرمائین تو اجر جزیل کے مستحق ہونگے،

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس طلبائے قدیم گو ایک مدت سے قائم تھی، مگر ادھر چند سالون سے وہ مردہ سی ہوکر رہ گئی تھی، اب مولوی رئیس احمد صاحب جعفری ندوی اور دوسرے ارباب ہمت برادران ندوہ کی کوششون سے اس نے نئی زندگی پائی ہے پچھلے سال دسمبر ۱۹۳۲ء کا اجلاس خاص طور سے اہم تھا کہ اسکے مقامی صدر استقبالی مولنا عبدالماجد صاحب دریابادی اڈیٹر سچ، اور صدر اجلاس مولنا مسعود علی صاحب ندوی تھے، اس اجلاس مین مولنا عبدالماجد صاحب نے صدر استقبالی کی حیثیت سے جو خطبہ پڑھکر سنایا تھا وہ ادب وانشا کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے علاوہ، اپنی روحانی تاثیر کے لحاظ سے بیحد قابل قدر تھا، کتنی آنکھین تھین جو اس خطبہ کے سنتے وقت اشکبار تھین، صاحب صدر مولانا مسعود علی صاحب کا زبانی

خطبہ حسب معمول زندگی اور زندہ دلی کی تصویر تھا، جس نے روتوں کو بھی ہنسا دیا،

گریانم و خندانم چون طفل بخواب اندر

مولوی رئیس احمد صاحب ندوی نے ندوۃ العلماء کے ان "اطفال قدیم" کے اس "گریان و خندان خواب" کا مرقع کاغذ پر کھینچکر، جلسۂ مذکور کی روداد کی صورت مین شائع کیا ہے، یہ مطبوعہ روداد جسمین دونون خطبے اور جلسہ کے مناسبہ کی غزلین، اور ہمدردون کے خطوط بھی شامل ہین، مولوی صاحب سے قرول باغ جامعہ ملیہ دہلی کے پتہ سے ملیگی،

اس دفعہ لاہور کے سفر مین یہان کی تاریخی عمارتون کے دیکھنے کا موقع ملا، یہ دیکھکر اور سنکر بڑا افسوس ہوا، کہ سکھون کے چند سالہ عہد حکومت مین یہان کی اکثر اسلامی عمارتون کو شدید نقصان پہنچایا گیا، یہان کی مسجدون اور مقبرون کے پتھرون اور طلائی کامون کو اکھاڑ اور کھاڑ کر امرتسر کے سکھ معبدون کو آراستہ کیا گیا، سب سے زیادہ افسوسناک منظر یہ ہے کہ لطافت و نزاکت کی مجسمہ بیگم نورجہان کے مقبرہ کی عمارت کے ایک ایک پتھر کو نوچکر اس طرح اسکو برہنہ کردیا گیا ہے کہ دنیا کی نسوانیت اسکی اس قابل رحم حالت پر ہمیشہ کے لیے سوگوار اور ماتم گسار رہیگی، خدا مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب پر اپنی رحمت نازل کرے کہ ان کی قومی غیرت نے بیگم اور اسکی لاڈلی بیٹی کی برہنہ قبرون پر سپید سنگ مرمر کی دو چادرین اڑھادی ہین، اور کتبہ کا پتھر لگاکر ان کے نامون کو مٹنے سے بچالیا ہے،

یہی کیفیت نورجہان کے بھائی، اور جہانگیر کے وزیر آصف خان کے مقبرہ کی کیگئی ہے، عمارت کے گوشہ گوشہ پر عبرت کی آنکھین آنسو بہا رہی ہین، خود جہانگیر کے مقبرہ کو گو ہاتھ نہین لگایا گیا ہے، تاہم اس کے سر کا تاج بھی اُتار لیا گیا ہے، یعنی مقبرہ کی دوسری منزل پر سپید مرمر کی بارہ دری تھی، یہ بارہ دری سکھون نے وہان سے اکھاڑ لی، اور ایک دوسری جگہ لے جاکر اس کو آسمان سے اتار کر زمین پر ٹپک دیا ہے، یعنی زمین پر اس کے ٹکڑون کو جوڑ کر دوبارہ باؤدری بنائی ہے، یہ بارہ دری بھی انقلابات کے گرد و غبار سے اٹکر زمین مین چھپ گئی تھی، چند سال ہوے

کہ اب حکومت انگریزی نے مٹی ہٹاکر اس سنگی خزانہ کو دوبارہ زمین سے نکالا ہے،

نہ گورِ سکندر نہ ہے قبر دارا ۔۔۔ مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

پچھلے مہینہ کی اسلامی دنیا مین مشرقی ترکستان مین وہ عظیم الشان انقلاب پیش آیا، جسکا انتظار ہماری آنکھون کو دس پندرہ برس سے تھا، ترکستان کا یہ اہم خطہ چھ صدیون سے چین نے قبضہ کر رکھا تھا، اسلامی تاریخ مین مسلمان فاتحون اور کشور کشاؤن کا گہوارہ رہا ہے، یہین وہ ایلک خانی خاندان جوآل افراسیاب اور ملوک خانیہ بھی کہلاتا ہے، تیسری صدی سے چھٹی صدی تک فرمانروا رہا ہے، جس نے ایک طرف محمود غزنوی اور دوسری طرف ملکشاہ سلجوقی کو مصاحت اور مصاہرت پر مجبور کر دیا تھا، چینیون نے اس پر بار بار حملے کئے ہین، اور پھر اس نے خود مختاری حاصل کر لی ہے ۱۸۷۸ء مین یعقوب خان کی سرداری مین اس ملک نے خود مختاری حاصل کی، لیکن سات برس کے بعد پھر چینیون نے پھر قبضہ کر لیا، نا اتفاقی کا برا ہو جس نے ہمیشہ ہر ملک کی خود مختاری کا خاتمہ کیا ہے، خدا اس دفعہ ہمارے ان مشرقی ترک بھائیون کو اس سے محفوظ رکھے اور دوسری طرف بالشویک روس کے پنجہ سے بچائے، تو یہ نئی اسلامی سلطنت کشمیر و تبت اور افغانستان و چین و روس کے بیچ مین اسلامی تمدن کا نیا منارہ بنکر کھڑی ہو،

قوم کے غمخوارون مین مشورے ہو رہے ہین، کہ مریض جان بلب کے علاج کے لیے مسلم لیگ کو پھر پوری اجتماعی قوت سے زندہ کیا جائے، یہ خیال مبارک ہے، مگر اس کے انسداد کی تدبیر کیا ہے، کہ ہم مین سے کسی اختلاف کے موقع پر پھر ایک جماعت ٹوٹکر ایک نئی مسلم لیگ، یا نئی مسلم کانفرنس نہ بنالیگی، جنگ عظیم کے بعد سے لیکر آج تک ہم نے بچون کی طرح سیاسی کھلونون کے بنانے اور توڑنے کے سوا اور کیا کیا ہے، جبتک ہم یہ عزم نہ کرلین کہ ہماری ہمیشہ ایک ہی سیاسی مجلس ہوگی، اور جو فرقہ کسی اختلاف کی بنا پر کوئی الگ رائے قائم کریگا، وہ اس مجلس کو توڑنے اور دوسری سیاسی مجلس کے بنانے کے بجائے وہ اس پرانی مجلس کا ایسا فریق اقلیت بنکر رہیگا جو آئینی جدوجہد سے اپنی اکثریت کیلئے ہمیشہ کوشان رہیگا، اس وقت تک مسلم لیگ کے احیا کی یہ دوبارہ کوشش بھی وقتی تفریح طبع سے زیادہ وقیع نہین ہے،

مقالات

انکارِ حدیث

(۲)

از مولوی شاہ معین الدین صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین

اب حضرت عمرؓ کے ان واقعات کو لیجئے، جو مخالفتِ حدیث کی بنیاد کہے جاتے ہیں،

۱۔ آپکی مخالفتِ حدیث کے ثبوت میں ایک واقعہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ آپ فرماتے تھے حسبنا کتاب اللہ یعنی ہمارے لئے خدا کی کتاب کافی ہے، اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ جب آپ خدا کی کتاب کو کافی سمجھتے تھے تو اسکا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ حدیثوں کو لائقِ التفات نہ خیال کرتے تھے، بیشک یہ جملہ حضرت عمرؓ کا ہے لیکن اسکو حدیث کی مخالفت سے دور کا بھی تعلق نہیں اور نہ اسکے وہ معنی ہیں جو منکرین حدیث نکالتے ہیں، حدیث اور رجال کی کسی کتاب میں یہ جملہ اس معنی و مفہوم میں میری نظر سے نہیں گذرا، حدیث کی طبقات و تاریخ میں بھی اس معنی میں یہ جملہ نہیں ملسکتا، حدیث کی کتابوں میں یہ جملہ صرف ایک موقع پر آیا ہے، اور یہ موقعہ وہ ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے مرض الموت میں فرمایا کہ قلم دوات لاؤ میں تمہارے لیے کچھ لکھ دوں تاکہ تم گمراہ نہ ہو تو حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ آپ غفلت کی حالت میں ایسا فرمایا ہے اور درد کی تکلیف آپکو زیادہ ہے ایسی حالت میں آپکو لکھنے لکھانے کی زحمت دینا مناسب نہیں ہے یہ جملہ کہا، اصل روایت کے الفاظ یہ ہیں قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن حسبنا کتاب اللہ، اسوقت آپ پر درد کا غلبہ ہے، تمہارے پاس قرآن موجود ہے ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہے، ظاہر ہے کہ اس کو مخالفتِ حدیث سے کوئی تعلق نہیں بلکہ خاص اس واقعہ سے متعلق ہے، دوسرے موقع پر یہ جملہ تاریخ اور بعض رجال کی کتابوں میں بھی ملتا ہے، جب مسلمانوں نے عجم فتح کیا تو وہاں کچھ عجمی کتابیں ہاتھ آئیں حضرت

عمرؓ کو ان کی اطلاع دیگئی، یا آپ کے پاس لائی گئیں" آپ نے فرمایا ہم کو ان کی ضرورت نہیں "حسبنا کتاب اللہ" کہاں کا جملہ کہاں پیش کیا جاتا ہے، کجا فرمانِ رسول اور کجا عجم کی زہر آلود فلسفیانہ کتابیں، "چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک" ممکن ہے اسی قبیل کے واقعات میں کہیں اور بھی یہ جملہ جسکا مجھے علم نہیں نکل آئے لیکن اسکو حدیث کی مخالفت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوسکتا،

نمبر ۲۔ دوسرا واقعہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے قرظہ بن کعب کو عراق بھیجتے وقت روایت حدیث کی ممانعت کی تھی، اور جب ممانعت کی تھی تو لامحالہ آپ مخالف رہے ہونگے، لیکن اولاً یہی صحیح نہیں کہ آپ نے مطلقاً روایت کی ممانعت فرمائی تھی، بلکہ تقلیل روایت کا حکم دیا تھا اور وہ بھی ایک خاص مصلحت کی بنا پر جس کو انھوں نے خود بیان کر دیا ہے،

فانکم تأتون اھل قریۃ لھم دوی بالقرآن	تم لوگ ایسے مقام پر جارہے ہو جہاں کے لوگوں کی آوازیں
کدوی النحل فلا تصدوھم بالاحادیث	قرآن پڑھنے میں شہد کی مکھیوں کیطرح گونجتی رہتی ہیں تم لوگ انکو
فتشغلوھم جردوا القرآن، واقلوا الروایۃ عن رسول اللہ وانا شریککم، (تذکرۃ الحفاظ)	حدیثوں میں روک کر قرآن سے غافل نہ کر دینا، قرآن کو بے آمیز رکھو اور رسول اللہ صلعم سے کم روایت کرو،

اس تشریح سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے مطلق روایت حدیث سے نہیں روکا تھا بلکہ فرمایا تھا کہ کم روایت کرنا اور وہ بھی اس خطرہ سے بچنے کے لیے کہ یہ ابھی نومسلم ہیں، ابھی قرآن کے سبق سے اُن کو فرصت نہیں ملی، احادیث کا درس کیا دیا جائے، ایسا نہ ہو کہ لوگ حدیث کی طرف متوجہ ہو جائیں اور قرآن کو چھوڑ بیٹھیں،

۳۔ تیسرا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ابوسلمہ نے ابوہریرہ سے پوچھا کہ تم عمرؓ کے زمانہ میں بھی اس طرح حدیثیں بیان کرتے تھے، انھوں نے جواب دیا، اگر میں ان کے زمانہ میں اسی طرح بیان کرتا تو وہ مجھے مارتے، (تذکرۃ الحفاظ)

لیکن یہ روایت کئی وجوہ سے ناقابلِ اعتبار ہے، اولاً اس کی سند مجروح ہے، اسکا سلسلۂ سند یہ ہے

دراوردی عن محمد بن عمرو عن ابی سلمہ عن ابی ہریرہ، اس روایت میں دراوردی راوی جن سے امام ذہبی نے یہ روایت نقل کی ہے، محدث عبدالعزیز دراوردی ہیں جنھوں نے ۱۸۶ھ میں وفات پائی (دیکھو تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۲۴۵) اور حافظ ذہبی چھٹی صدی کے آخر میں پیدا ہوئے، اس لیے دراوردی سے انکی روایت موقوف ہے، دوسرے محمد بن عمرو بن علقمہ جن سے دراوردی نے یہ روایت لی ہے، ناقدین کے نزدیک کچھ زیادہ قابل اعتماد نہیں ہیں، گو محدثین نے ان سے روایتیں کی ہیں لیکن ان کی روایات کے متعلق ائمہ فن کی یہ رائے ہے، ابن معین کا بیان ہے کہ لوگ ہمیشہ محمد بن عمرو کی روایت سے احتراز کرتے تھے، ابراہیم بن یعقوب جوزجانی ان کی روایتوں کو قوی نہیں سمجھتے تھے، ابن سعد انکی اکثر روایتوں کو ضعیف سمجھتے تھے، جو لوگ اچھی رائے بھی رکھتے تھے تو اسی حد تک کہ ان کی روایتوں کو بالکل نظر انداز کرنے کے لائق نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں، لا باس بہ یعنی ان کی روایت میں کوئی مضائقہ نہیں، ابن حبان انھیں لائق اعتماد سمجھتے تھے لیکن اس کے ساتھ کہتے تھے کہ وہ روایتوں میں غلطیاں کرتے تھے (تہذیب ج ۹ ص ۳۶۶) انکے ہوتے ہوئے محمد بن عمرو کی روایات اور وہ بھی اس قسم کی روایت کا جو اوپر نقل ہوئی ہے کیا پایہ ہو سکتا ہے،

لیکن بالفرض اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی اس سے حضرت عمرؓ کی مخالفت حدیث کا نتیجہ نہیں نکلتا، ایسا نتیجہ نکالنا قبول حدیث کے بارہ میں حضرت عمرؓ کے اصول اور ابوہریرہ کے حالات سے لاعلمی کا ثبوت ہے، حضرت عمرؓ کا یہ اصول تھا کہ وہ خبر احاد کو بغیر تائیدی شہادت کے قبول نہیں کرتے تھے، اس پر آیندہ مفصل بحث آئے گی، حضرت ابوہریرہؓ کا یہ حال تھا کہ وہ بال بچوں کی فکروں سے آزاد سارا وقت خدمت نبوی میں گذارتے تھے، خلوت وجلوت میں ہر وقت ساتھ رہتے تھے، (مسلم ج ۲ فضائل ابی ہریرہ،) اسلئے انھوں نے صدہا روایتیں ایسی سنی ہیں جن کے سماع میں کوئی دوسرا ان کا شریک نہیں ہے، ایسی حالت میں وہ ہر روایت کے ثبوت میں تائیدی شہادت کہاں سے پیش کرتے اور جب ثبوت نہ پیش کرتے تھے تو بہت ممکن تھا کہ حضرت عمرؓ سزا دیتے، اس لیے ابوہریرہ کے بیان کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ

حدیثوں کو قابلِ حجت نہیں سمجھتے تھے، اس لیے وہ راویوں کو سزا دیتے تھے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ خبر احاد کو بغیر تائیدی شہادت کے نہیں قبول کرتے تھے اور یہ حدیثوں کے باب میں انکی انتہائی احتیاط تھی، پھر بالفرض اگر انھوں نے کسی ایک شخص کو کسی خاص مصلحت کی بنا پر کثرت روایت سے روک بھی دیا تو ایک شخص کو روکنا اور بات ہے اور مطلق روایت حدیث کو بند کر دینا اور بات، اگر وہ مطلق روایت کو بند کر دیتے تو البتہ اسکو حدیث کی مخالفت میں پیش کیا جا سکتا تھا، لیکن اوپر کی روایت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں،

۴- چوتھا واقعہ ذہبی سے یہ نقل کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ، ابو درداء اور ابو مسعود انصاری کو کثرتِ روایت کے جرم میں قید کر دیا تھا، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷) اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ بعض صحابہ جو حدیثیں روایت کرتے تھے روایت کے اہل ہی نہیں تھے، ورنہ انھیں حضرت عمرؓ قید کیوں کرتے اور جب روایت کے اہل نہ تھے تو ان کی روایات بھی قابلِ حجت نہیں ہو سکتیں، لیکن یہ روایت ہی سرے سے ناقابل قبول ہے، اس کی سند میں چند در چند نقائص ہیں، پوری سند یہ ہے، معن بن عیسیٰ بن مالک عن عبداللہ بن ادریس عن شعبہ عن سعید بن ابراہیم عن ابیہ، اس کے راوی اول معن بن عیسیٰ اور امام ذہبی میں کئی صدیوں کا فصل ہے، معن نے ۱۹۸ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۵۳) اور حافظ ذہبی چھٹی صدی کے آخر میں پیدا ہوئے، اس لیے بغیر مسلسل سند کے اس روایت کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی، پھر سعید بن ابراہیم کے نام کا کوئی راوی جرح سے خالی نہیں ہے، لیکن اگر طباعت کی غلطی مان لیجائے تو سعد بن ابراہیم ہو سکتا ہے، اس نام کے ایک بزرگ شعبہ کے شیوخ میں ہیں، لیکن پھر بھی یہ روایت موقوف رہتی ہے، اس لیے کہ امام بیہقی کے نزدیک ابراہیم کا سماع حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں ہے، (تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۳۹) اس لیے حضرت عمرؓ کے کسی واقعہ میں بلا تسلسل سند کے تنہا ان کا بیان لائقِ اعتبار نہیں ہو سکتا،

پھر سب سے بڑھ کر اس واقعہ کی تردید یہ ہے کہ اس روایت سے جن بزرگوں پر کثرتِ روایت کا الزام قائم کیا جاتا ہے

وہ اس کے مجرم ہی نہ تھے ابن مسعود کی ہر قسم کی مرویات کی تعداد (۸۴۸) سے متجاوز نہین ہے، ان مین سے بھی کل ۶۴ متفق علیہ ہین ان کے علاوہ (۲۱) مین امام بخاری اور (۳۵) مین امام مسلم منفرد ہین اور ان سب کی مجموعی تعداد (۱۱۰) سے نہین بڑھتی (تہذیب الکمال ص ۲۱۴) جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، کہ ابو درداء اور ابو مسعود کی مرویات کی تعداد ان سے بھی کم ہے پھر ابن مسعود روایت حدیث مین اس قدر محتاط تھے کہ سال سال بھر گذر جاتا تھا اور اُن کی زبان سے قال رسول اللہ کا کلمہ نہ نکلتا تھا، جب کوئی حدیث بیان کرتے تھے تو خوف سے تمام بدن مین رعشہ طاری ہو جاتا تھا، حدیث کے الفاظ کو بجنسہٖ آنحضرت صلعم کی جانب منسوب نہ کرتے تھے بلکہ بہ سبیل احتیاط یہ کہدیتے تھے کہ رسول اللہ نے اسی طریقہ سے یا اس کے قریب قریب یا اس کے مشابہ فرمایا ہے، حدیثون مین رسول اللہ صلعم کے اصل الفاظ کو یاد رکھنا ضروری سمجھتے تھے اور اپنے شاگردون کو اسکی سخت تاکید کرتے تھے، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲ و ۱۳) عمر بن میمون بیان کرتے ہین کہ مین ایک سال تک ابن مسعود کے پاس آتا جاتا رہا، لیکن ان کی زبان سے رسول اللہ صلعم کی کوئی حدیث نہین سنی، اور قال رسول اللہ تو کسی روایت مین کہتے ہی نہ تھے، ایک مرتبہ ایک حدیث بیان کرنے مین بے ساختہ ان کی زبان سے قال رسول اللہ نکل گیا، تو ایسی شدید ہیبت طاری ہوئی کہ سخت کرب مین مبتلا ہو گئے، پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگا، پھر سنبھل کر کہا انشاء اللہ یا اس سے کچھ زیادہ یا کچھ کم (ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۱۱۰)

ایسی شدید احتیاط کے باوجود انھین حدیثون مین غیر محتاط کون کہہ سکتا ہے، ان کے ذاتی فضائل اور علمی کمالات کی بحث بہت طویل ہے، جس کا یہ موقعہ نہین، وہ اپنے مذہبی معلومات کے اعتبار سے تمام صحابہ کی جماعت مین نہایت ممتاز شخصیت رکھتے تھے، کلام اللہ کی ستر سورتین براہ راست رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے سنکر یاد کی تھین، کوئی سورہ ایسی نہ تھی جس کے شان نزول کا انھین علم نہ رہا ہو، حفظ اور علم قرآن مین آنحضرت صلعم انھین تمام صحابہ مین ممتاز سمجھتے تھے اور اس امتیاز کی سند بھی عطا فرمائی تھی، چنانچہ آپ نے مسلمانون کو چار آدمیون کو قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی تھی، ان مین

سب سے پہلا نام ابن مسعود کا ہے، (دیکھو مسلم ج ۲ فضائل ابن مسعود) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے، آپ کی مسواک کا انتظام، آپ کو جوتہ پہنانا، جوتہ اتارنا، آپ کا بستر درست کرنا، وضو کا پانی رکھنا، عصا کو لیکر چلنا، سفر مین سواری وغیرہ کا انتظام کرنا انھین سے متعلق تھا، ان خدمات کی وجہ سے صحابہ مین وہ "صاحب السواد" یعنی رسول اللہ کے سامان والے کے معزز لقب سے یاد کئے جاتے تھے، اس تقرب و خدمت کی وجہ سے یہ حضر و سفر مین ہر وقت ساتھ رہتے تھے اور کاشانۂ نبوی مین کثرت آمد و رفت اور نشست و برخاست کی وجہ سے وہ اعمال نبوی کے سب سے بڑے واقفکار مانے جاتے تھے اور صحابہ انھین رکن اہلبیت تصور کرتے تھے، (تفصیل کے لیے دیکھو طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۱۰۸ و ۱۰۹ و مستدرک حاکم ج ۳ تذکرہ ابن مسعود) ایسی حالت مین اگر ان کی روایات قابل اعتماد نہین ہوسکتین تو پھر کسکی ہونگی؟

خود حضرت عمرؓ اور دوسرے اکابر صحابہ ان کے کمالات علمی کے مداح و معترف تھے، حضرت عمرؓ انھین علم کا بھرا ہوا ظرف فرماتے تھے، (تذکرۃ الحفاظ ج اول، تذکرہ ابن مسعود) زید بن وہب راوی ہین کہ مین لوگون کے ساتھ عمر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے مین ایک دبلا پتلا مختصر آدمی آیا، اُسے دیکھ کر حضرت عمرؓ کا چہرہ بشاش ہوگیا، اور فرمایا علم کا بھرا ہوا ظرف ہے، علم کا بھرا ہوا ظرف ہے، علم کا بھرا ہوا ظرف ہے، یہ ابن مسعود تھے (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۱۱۰)

ان کو مسلمانون کی تعلیم و تربیت کے لئے معلم اور نمونہ بنا کر بھیجتے تھے، اور ان کی تقلید کا حکم دیتے تھے چنانچہ سنہ ۲۰ھ مین جب عمار بن یاسر کو کوفہ کا امیر بنا کر بھیجا تو عبداللہ بن مسعود کو بحیثیت وزیر اور معلم انکے ساتھ کیا اور اہل کوفہ کے نام خط لکھا،

قد بعثت الیکم عمار بن یاسر امیرًا وعبد اللہ	مین نے عمار بن یاسر کو امیر اور عبداللہ بن مسعود کو معلم
بن مسعود معلما و وزیرًا وھما من النجباء	اور وزیر بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے یہ دونون رسول اللہ
من اصحاب رسول اللہ صلعم من اھل بدر	صلعم کے مقتدر صحابہ مین اور بدری ہین، تم لوگ ان کی

فاقتدوا بهما واسمعوا وقد اثرتكم بعبد الله على نفسي ۔ (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳)

اقتدا کرنا اور ان کی اطاعت کرنا، میں نے تم کو اپنے اوپر ترجیح دے کر عبداللہ کو تمہارے پاس بھیجا ہے،

یہی نہیں بلکہ جو شخص مذہبی معاملات میں ان سے محبت کرتا تھا اس کو سزا دیتے تھے، ایک شخص کا ازار لٹکا ہوا تھا، ابن مسعود نے اُسے ٹوکا اور کہا ازار اونچا کرو، اس نے کہا تم بھی اپنا ازار اونچا کرو، انھوں نے کہا میں تمہاری طرح نہیں ہوں میری پنڈلیاں پتلی ہیں

حضرت عمرؓ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اس آدمی کو مارا اور کہا کہ تم ابن مسعود سے محبت کرتے تھے (اصابہ ج ۴ ص ۱۳۰)

ایسی حالت میں کہاں تک یہ روایت قابل قبول ہو سکتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابن مسعود کو کثرت روایت کے جرم میں قید کیا تھا،

حضرت ابو درداؓ بھی بڑے صاحب علم صحابی تھے خود امام ذہبی لکھتے ہیں کہ ابو درداء امام ربانی حکیم الامت ان صحابہ میں تھے جنھیں خدا نے علم عطا کیا تھا، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۲۱ و ۲۲)، مسروق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ کے اصحاب میں چھ بڑے صاحب علم صحابہ تھے، عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ معاذ بن جبلؓ ابو درداءؓ اور زید بن ثابتؓ کلام پاک براہ راست زبان وحی والہام سے حفظ کیا تھا (بخاری) ابو درداء ان چار عالم قرآن صحابہ میں ہیں، جنھوں نے حیات نبوی ہی میں قرآن کی سورتیں جمع کر لی تھیں، (بخاری) امام الامت حضرت معاذ بن جبلؓ سے لوگوں نے درخواست کی کہ ہمیں کچھ وصیت فرمائے، ارشاد فرمایا علم و ایمان اپنی اپنی جگہ پر ہیں، جو اُسے تلاش کرے گا وہ پائے گا، تم لوگ ابو درداء سلمان بن مسعود اور عبداللہ بن سلام کے پاس علم تلاش کرنا، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۲۳) یہ اس شخص کے علمی کمالات کی سندیں ہیں، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسے قید کیا تھا، پھر ابو درداء مکثرین کے زمرہ ہی میں نہیں آتے، ان کی مرویات ابن مسعود سے بھی کم ہیں، یعنی کل ۱۷۹ ہیں، ان میں

بھی صرف دو حدیثین متفق علیہ ہین اور ۳ مین بخاری اور ۸ مین مسلم منفرد ہین، (تہذیب الکمال ص ۲۹۹)
حضرت ابو مسعودؓ بھی صاحب کمال اور بدری صحابی تھے، ان کی مرویات ابو درداء سے بھی کم ہین
یعنی کل ۱۰۲ اور ان مین سے صرف ۹ متفق علیہ ہین اور ایک مین امام بخاری اور ۷ مین امام مسلم منفرد ہین
(تہذیب الکمال ص ۲۶۹) ایسی حالت مین آخر الذکر دونون کسی طرح مکثرین حدیث مین آہی نہین سکتے،
پھر حضرت عمرؓ انھین اس جرم مین سزا کیسے دے سکتے تھے،

آخر مین یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ ابن مسعود اور ابو مسعود بدری صحابی ہین، جنکے اگلے پچھلے
تمام گناہ بحکم قرآن معاف ہین، اس لیے اگر یہ کوئی جرم بھی کرتے تب بھی حضرت عمرؓ انھین سزا نہین دے سکتے
تھے، حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کا بہت مشہور واقعہ ہے. جس زمانہ مین آنحضرت صلعم نے مکہ پر چڑھائی
کی خفیہ تیاریان شروع کین، اس زمانہ مین حضرت حاطبؓ ابن ابی بلتعہ آنحضرت صلعم کے پاس مدینہ مین
تھے، اور ان کے بال بچے مکہ مین، اور عزیزون مین کوئی اُن کی حفاظت کرنے والا نہ تھا، اس لئے
حاطب نے اپنے کسی مکی دوست کو بال بچون کی حفاظت کے خیال سے مسلمانون کی تیاریون کی خبر کر دی،
لیکن یہ خط راستہ ہی مین پکڑ لیا گیا، اور آنحضرت صلعم کے سامنے پیش ہوا، آپ نے حاطب سے پوچھا، حاطب
یہ کیا، انھون نے معذرت مین صحیح صحیح واقعہ بیان کر دیا، کہ مکہ مین میرا کوئی عزیز نہ تھا اس لئے مین نے
بال بچون کی حفاظت کے خیال سے ایسا کیا، آپ نے ان کی معذرت سنکر فرمایا، انھون نے سچ کہا ہے،
حضرت عمرؓ بہت غضبناک ہو رہے تھے، انھون نے عرض کی، اس نے اللہ اور رسول اور مومنین کی
خیانت کی ہے، اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دون، آپ نے فرمایا کیا یہ بدر مین شریک نہ تھے؟
خدا نے ان کے تمام گناہ معاف کر دیئے ہین، اور فرمایا ہے جو تمہارا دل چاہے کرو تمہارے لئے جنت
واجب ہو چکی، اور مین نے تمہارے تمام گناہ معاف کر دئے، یہ سنکر حضرت عمرؓ کی آنکھون سے آنسو جاری
ہو گئے، اور عرض کیا اللہ اور اسکا رسول ہی بہتر جانتا ہے، (بخاری فضائل من شہد بدرا ج ۲ ص ۵۶۶)

ایک طرف بدری صحابہ کا یہ مرتبہ تھا کہ ایک شدید اور سنگین قومی جرم مین جسکی اگر بروقت اطلاع نہ ہوگئی ہوتی تو اس کا نتیجہ مسلمانون کے لیے سخت مہلک تھا، آنحضرت صلعم حاطب بن ابی بلتعہ کو محض بدری ہونیکی وجہ سے معاف فرادیتے ہین، اور حضرت عمرؓ کے غیظ و غضب پر ارشاد فرماتے ہین کہ تم کو نہین معلوم یہ بدری صحابی ہین جن کے تمام گناہ خدا نے معاف کردیئے ہین! اس ارشاد پر حضرت عمرؓ کا سارا غیظ و غضب آنسوؤن سے بدل جاتا ہے، دوسری طرف یہی عمر ایک بدری صحابی کو کثرت روایت کے جرم مین قید کرسکتے تھے اسے کون عقل تسلیم کرسکتی ہے،

۵- پانچوان واقعہ ایک طویل روایت کے ناقص اور مسخ شدہ ٹکڑے سے پیش کیا جاتا ہے کہ "حذیفہ حدیثین بیان کرتے تھے رسول اللہ صلعم کی، تو سلمان نے کہا تم اس سے باز آؤ، ورنہ مین عمر کو لکھ دونگا" اس غلط مسخ شدہ ٹکڑے سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ اگر حضرت عمرؓ روایت حدیث کے مخالف نہ ہوتے تو سلمان حذیفہ کو انھین اطلاع دینے کی کیون دھمکی دیتے، لیکن یہ واقعہ ہی اس شکل مین صحیح نہین ہے، پوری روایت مین اس کا مطلب ہی بالکل بدل جاتا ہے، پوری روایت یہ ہے،

عن عمرو بن ابی قرہ قال کان حذیفہ بالمدائن فکان یذکر اشیاء قالہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاناس من اصحابہ فی الغضب فینطلق ناس ممن سمع ذالک من حذیفہ فیاتون سلمان فیذکرون بہ قول حذیفہ فیقول سلمان حذیفہ اعلم بما یقول فیرجعون الی حذیفہ فیقولون لہ قد ذکرنا قولک لسلمان فما صدقک ولا کذبک فاتی حذیفہ	عمرو بن ابی قرہ روایت کرتے ہین کہ حذیفہ مدائن مین ایسی باتین بیان کرتے تھے جنھین رسول اللہ صلعم نے غصہ کی حالت مین اپنے بعض اصحاب کے متعلق فرمائی تھین، لوگ انھین حذیفہ سے سنکر تصدیق کے لیے سلمان کے پاس جاتے تھے اور ان سے حذیفہ کا بیان ذکر کرتے، اسے سنکر سلمان کہتے حذیفہ جو کہتے ہین اسکو زیادہ جانتے ہین، یہ جواب سنکر یہ لوگ حذیفہ کے پاس لوٹ آتے اور کہتے ہم نے تمھارا قول سلمان کے سامنے بیان کیا وہ نہ اسکی تصدیق کرتے ہین اور نہ تردید، ایک دن حذیفہ خود سلمان کے پاس آئے اور ان سے کہا

سلمان وهو فی مقبله فقال یا سلمان ما یمنعک
ان تصدقنی بما سمعت عن رسول الله صلعم
فقال سلمان ان رسول الله صلی الله علیه
وسلم کان یغضب فیقول فی الغضب لناس
من اصحابه ویرضی فیقول فی الرضی لناس
من اصحابه اما تنتهی حتی تورث رجالا
حب رجال ورجالا بغض رجال وحتی توقع
اختلافا وفرقة ولقد علمت ان رسول الله
صلی الله علیه وسلم خطب فقال ایما رجل
من امتی سببته سبة او لعنته لعنة
فی غضبی فانما انا من ولد آدم اغضب کما
یغضبون وانما بعثنی رحمة للعالمین فاجعلها
علیهم صلوة یوم القیمة والله لتنتهین
او لاکتبن الی عمر
(ابوداؤد وکتاب السنت باب النهی عن سب اصحاب
رسول الله صلعم)

سلمان جو کچھ تمنے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے اسکے بارہ
میری تصدیق سے تمہین کونسی شے مانع ہوتی ہے سلمان
نے کہا رسول اللہ صلعم سے (عام انسانون کی طرح)
کبھی غصہ ہوتے تھے اور غصہ کی حالت مین اپنے بعض
اصحاب کے متعلق کچھ کلمات فرما دیتے تھے اور کبھی خوش
ہوتے تھے اور خوشی کی حالت مین اپنے بعض اصحاب
کے متعلق کچھ فرما دیتے تھے۔ تم اسوقت (ان باتون کے
بیان کرنے سے) باز نہ آؤ گے جبتک (انھین بیان
کرکے) کچھ آدمیون کی طرف سے کچھ آدمیون کے دل مین
محبت اور کچھ آدمیون کیطرف سے کچھ آدمیون کے دل
مین بغض کرکے اختلاف اور تفرقہ نہ پیدا کر دو گے،
تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایک خطبہ مین فرمایا
ہے کہ مین نے غصہ کی حالت مین اپنی امت کے جن آدمیون
کو برا بھلا کہا ہو یا اسپر لعنت بھیجی ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ
مین بھی آدم کی اولاد مین ہون اور انھین کی طرح غصہ
ہوتا ہون، خدا نے مجھکو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے اسلئے
قیامت کے دن ان گالیون اور لعنتون کو ان آدمیون
کے حق مین دعا بنا دونگا، یہ تبا کر سلمان نے حذیفہ سے
کہا اگر تم اس قسم کی اختلاف انگیز روایتون سے باز

کہان مسلمانون مین بغض اور منافرت پھیلانے والے واقعات کی اشاعت سے منع کرنا، اور کہان اشاعت کی ممانعت، جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلمانؓ نے حذیفہؓ کو جن باتون کی اشاعت سے منع کیا تھا اور حضرت عمرؓ کو اطلاع دینے کی دھمکی دی تھی وہ کوئی مذہب کے متعلق امر و نہی کی حدیث یا آیۂ نبوی نہین تھا بلکہ ایسی وقتی اور جذباتی باتین تھین جو آپ نے غصہ اور رضا کی حالت مین بعض لوگون کے متعلق فرمائی تھین اور ان کا کوئی دائمی اثر نہ تھا، اور بعد مین جنکی اشاعت سے مسلمانون مین بغض و منافرت پیدا ہوجانے کا قوی احتمال تھا، بہت ممکن ہے کہ یہ باتین بعض بنی ہاشم اور بنی امیہ کے افراد کے متعلق رہی ہون، حقیقت یہ ہے کہ اس قبیل کے واقعات سے اگر وہ کسی حد تک صحیح بھی مان لیے جائین تو یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ حضرت عمرؓ حدیث کے مخالف تھے اور اس کو قابلِ احتجاج نہین سمجھتے تھے، ایسا نتیجہ پیدا کرنا حدیث کے رد و قبول کے بارہ مین حضرت عمرؓ کے اصول سے لاعلمی کا ثبوت ہے، گو زمانۂ مابعد مین محدثین نے یہ اصول بنا دیا کہ تمام صحابہ عدول ہین اور قرنِ اوّل کی روایات مین کسی ضعف کا احتمال نہین، لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ سہو و نسیان خصائص بشری مین سے ہین جنسے کوئی انسان مستثنیٰ نہین، صحابہ کی عدالت مسلم ہے اور ان کی جانب سے رسول اللہ پر کذب کا امکان نہین، لیکن سہو و نسیان کی انسانی خصوصیت سے تو انھین مستثنیٰ نہین کیا جاسکتا، نیز خلفاء کے زمانہ مین خلافتِ الٰہیہ کی تشکیل ہو رہی تھی، روزانہ نئے نئے واقعات اور نئے نئے مسائل پیش آتے تھے، جن مین خلفاء کا فیصلہ اصولِ دین بنجاتا تھا، ان تمام باتون کو پیش نظر رکھکر، حضرت عمرؓ نے احادیث کی چھان بین اور اسکی تصدیق و تحقیق اور رد و قبول مین وہ تمام احتمالات ملحوظ رکھے، جو ایک عام انسان کی بات قبول کرنے مین رکھنے چاہئین، چنانچہ اسی احتیاط کے ماتحت وہ خبرِ آحاد کو بغیر تائیدی شہادت کے قبول نہ کرتے تھے، کہ ایک انسان سے بھول چوک بہت ممکن ہے، لیکن تائیدی شہادت کے بعد جب انھین حدیث کی صحت کا پورا یقین ہوجاتا تھا، تو اسے بلا تامل قبول کرلیتے تھے اور اس کے مطابق فیصلہ دیتے تھے، چنانچہ اسقاطِ حمل کی دیت مین مغیرہ کی روایت محمد بن سلمہ انصاری کی شہادت کے بعد، مکان کی بیع مین حضرت عباسؓ

کی روایت چند انصاری بزرگون کی شہادت کے بعد قبول کی (تذکرۃ الحفاظ ج اوّل ص ۷) استیذان مین (یعنی صاحب خانہ سے تین مرتبہ اندر داخل ہونے کی اجازت مانگنی چاہئے، جب تین مرتبہ کے بعد بھی نہ ملے تو واپس چلا جانا چاہئے) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت تائیدی شہادت کے بعد قبول کی (مسلم باب الاستیذان) لیکن ان شہادتون سے صرف حدیث کی تصدیق مقصود ہوتی تھی نہ کہ انکار اگر سرے سے انکار مقصود ہوتا تو تصدیق کیون طلب کرتے، اور تصدیق کے بعد اوس پر عمل کیون کرتے،

کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تھی یا کسی مسئلہ کے متعلق آنحضرت صلعم کا کوئی فرمان نہ معلوم ہوتا تھا تو صحابہ کے مجمع مین کھڑے ہوکر پوچھتے تھے کہ کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے، تکبیر جنازہ، غسل میت، جزیہ مجوس اور اس قسم کے صدہا مسائل کے متعلق حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہ سے پوچھکر احادیث کا پتہ چلایا،

حدیث کی روایت مین دوسرا امر انھون نے یہ ملحوظ رکھا (جسے بعض ظاہر بین انکی مخالفت حدیث مین پیش کرتے تھے) کہ آپ انھین حدیثون کے ساتھ زیادہ اعتنا کرتے تھے، جو دین یعنی عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق سے تعلق رکھتی تھین، لیکن جنھین مذہب سے چندان تعلق نہ تھا، مثلاً دعا، قصص، حکایات، پیشین گوئیان، لباس و معمولات نبوی وغیرہ کی طرف چندان توجہ نہ کی کہ انھین مذہب اور اصول دین سے کوئی تعلق نہین ہے، لیکن عام رواۃ کی نظر اس قدر دقیقہ رس نہین تھی اور وہ ہر قسم کی روایتین خواہ مذہب سے متعلق ہون یا غیر متعلق بیان کرنا ضروری سمجھتے تھے، اور بیان کرتے پھرتے تھے، ایسی حالت مین اگر حضرت عمرؓ نے کسی راوی کو روکا بھی ہوگا تو اسی قسم کی روایات سے، ناواقفون نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ حدیثون کے مخالف تھے، حالانکہ حضرت عمرؓ کی یہ انتہائی دقت نظری تھی کہ انھون نے متعلق بہ مذہب اور غیر متعلق روایات مین تفریق قائم کردی،

اس سلسلہ مین ایک احتمال اور پیدا ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین جو بارگاہ نبوی کے سب سے زیادہ مقرب ہین، بہت کم حدیثین مروی ہین، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیثون کی طرف توجہ کرتے تھے، اس

استدلال میں ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ خلفا نے حدیثیں روایت کی ہیں، یا نہیں، کم یا زیادہ سے بحث نہیں (انکی قلت روایت کا سبب آگے چل کر معلوم ہوگا) نفس روایت حدیث سے خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہوں اس کا فیصلہ ہو جاتا ہے، اگر خلفا، حدیثوں کے مخالف ہوتے تو سرے سے ان کی کوئی روایت ہی نہ ہوتی، حالانکہ اس سے منکر حدیث بھی انکار نہیں کر سکتا کہ خلفا کی روایتیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، حضرت ابوبکرؓ سے (۱۴۲) حدیثیں مروی ہیں (تہذیب الکمال ص ۲۰۴) حضرت عمرؓ سے (۵۳۹) حدیثیں مروی ہیں، (ایضاً ص ۲۴۲)، حضرت عثمانؓ کی (۱۴۶) روایات ہیں، (ایضاً ص ۲۶۱) حضرت علیؓ کی ۵۸۶ روایات ہیں (ایضاً ص ۲۷۴) اور یہ اہل سنت کی حدیثوں کی تعداد ہے، ورنہ اگر حضرات شیعہ کی حدیثوں کو بھی شمار کر لیا جائے تو حضرت علیؓ کی مرویات کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو جاتی ہے،

جب اس قدر مسلم ہے کہ خلفا نے روایت کی ہے خواہ وہ کم سہی تو یہ بھی ثابت ہے کہ وہ حدیثوں کے مخالف نہ تھے، باقی رہا یہ احتمال کہ ان کے تقرب بارگاہ نبوی کے باوجود دوسرے کثیر الروایہ صحابیوں کی روایات کے مقابلہ میں ان کی مرویات اس قدر کم کیوں ہیں کوئی حقیقت نہیں رکھتا، محدثین کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جسمیں رائے اور اجتہاد کو دخل نہ ہو تو اس میں خواہ وہ رسول اللہ کا نام لے یا نہ لے اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اس نے رسول اللہ سے سنا ہے، اور جب عام صحابیوں کے متعلق جمہور خلفائے راشدین بھی شامل ہیں یہ حکم ہے تو خلفا کے متعلق بدرجۂ اولیٰ ہوگا اور یہ اصول بالکل قرین قیاس ہے، معمولی سمجھ کا انسان بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ مثلاً حضرت عمرؓ نے تمام ممالک محروسہ میں لکھ بھیجا تھا کہ زکوٰۃ فلاں فلاں چیزوں پر فرض ہے تو اس میں اسکا احتمال ہی نہیں کہ انھوں نے اپنی رائے سے لکھا ہوگا، اس لیے کہ وہ شارع نہ تھے کہ اسکے مجاز ہوتے بلکہ انھوں نے رسول اللہ ہی سے اسکو سنا ہوگا، یہ اور بات ہے کہ انھوں نے حکم رسول کا حوالہ نہیں دیا اور انھیں اس کی ضرورت بھی نہ تھی، کیونکہ وہ خود صاحب الامر تھے جن کا کام حکم نافذ کر دینا تھا، اس

اصول کے ماتحت خلفاے راشدین کے نافذ کردہ وہ تمام قوانین جو مذہب سے متعلق ہین اور جنمین ان کے اجتہاد کو دخل نہین ہے، درحقیقت حدیث ہی پر مبنی ہین، اسلئے انکے عہد کے تمام مذہبی قوانین کو انکی مرویات ہی شمار کرنا چاہئے،

حضرت عثمانؓ کے انکارِ حدیث کے ثبوت مین صرف یہ ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ محمد بن علی حضرت عثمانؓ کے پاس رسول اللہ صلعم کا ایک نوشتہ لائے انھون نے کہا مجھے اس سے معاف رکھئے" (توجیہ النظر ص ۱۶)

اوّلاً اس واقعہ کی صحت ہی مشکوک ہے، طاہر جزائری نے معلوم نہین کہان سے بلا حوالہ نقل کردیا ہے، کسی حدیث کی کتاب مین میری نظر سے نہین گذرا، لیکن اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو اسکی شکل یہ نہین ہے جو پیش کیجاتی ہے، دوسرے واقعات کی طرح اسے بھی ناتمام نقل کرکے اس سے غلط نتیجہ نکالا جاتا ہے، پورا واقعہ یہ ہے،

ان عثمان حمل الیہ محمد بن علی بن ابی طالب من عند ابیہ کتاب النبی صلعم فی الزکوٰۃ فقال اغنها عنا، (توجیہ النظر)	محمد بن علی بن ابی طالب حضرت عثمانؓ کے پاس زکوٰۃ کے بارہ مین آنحضرت صلعم کا ایک تحریری حکم لائے انھون نے کہا مجھ کو اس کی ضرورت نہین ہے،

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے اس نوشتہ کو اسلئے واپس نہین کیا تھا کہ اسے قابلِ حجت نہین سمجھتے تھے بلکہ اسکی ضرورت ہی نہ تھی، زکوٰۃ کا مسئلہ مشتبہ مسئلون مین نہین ہے بلکہ اس کے متعلق حدیثون مین تفصیلی احکام موجود ہین، اور آنحضرت صلعم کی زندگی ہی سے ان پر عمل ہو رہا تھا، آپکی وفات کے بعد جب ارتداد کا فتنہ اٹھا اور بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا تو حضرت ابوبکرؓ نے اسی دلیل سے ان پر تلوار اٹھائی کہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ مین زکوٰۃ کی جو شرح معین تھی اور جو جو لوگ جس قدر زکوٰۃ ادا کرتے تھے اگر وہ اس مین اونٹ کے چھچھڑون کے برابر بھی کمی کرنا چاہین گے تو مین ان سے جہاد کرونگا، ایسی حالت مین زکوٰۃ کے متعلق تمام مسائل اسی زمانہ مین منقح ہو چکے تھے اور اس وقت سے حضرت عثمانؓ کے عہد تک ان پر عمل ہوتا چلا آرہا تھا، اس لئے

محمد بن علی کے نوشتہ سے حضرت عثمانؓ کے معلومات مین کوئی مزید اضافہ نہین ہوتا، لہذا نوشتہ واپس کرنا انکار حدیث پر محمول نہین کیا جا سکتا،

تمسک بالحدیث والسنہ مین حضرت عثمانؓ کا بھی وہی عمل تھا جو ان کے پیشرؤن کا تھا،

احکام و قوانین کی احادیث کا تو ذکر کیا، حضرت عثمانؓ آنحضرت صلعم کے تمام اقوال بلکہ آپ کے حرکات و سکنات تک کی پیروی کرتے تھے، ایک مرتبہ وضو کرکے متبسم ہوئے، لوگون نے اس بے موقعہ تبسم کی وجہ پوچھی، فرمایا مین نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم کو وضو کرکے اس طرح مسکراتے ہوئے دیکھا تھا (مسند احمد بن حنبل ج اول ص ۵۸) ایک مرتبہ ایک جنازہ سامنے سے گذرا، فوراً کھڑے ہوئے اور فرمایا آنحضرتؐ بھی ایسا ہی کرتے تھے، (ایضاً ص ۸۰) ایک مرتبہ مسجد کے دوسرے دروازہ پر بیٹھکر بکری کا گوشت منگوا کر کھایا اور بغیر تازہ وضو کئے ہوئے نماز کے لیے کھڑے ہوگئے، پھر فرمایا آنحضرت صلعم نے بھی اسی جگہ بیٹھکر نوش فرمایا تھا اور اسی طرح کیا تھا (ایضاً ص ۶۲) لوگون کو اعمال نبوی کی تعلیم دیتے تھے، ایک مرتبہ عصر کے وقت سب کے سامنے وضو کرکے دکھایا اور فرمایا رسول اللہ اسی طرح وضو کرتے تھے، (ایضاً ص ۶۷ و ۶۸)

حدیث رسول کی طاعت اور پابندی کی اس سے بڑھکر سند کیا ہوسکتی ہے کہ اسکی پابندی مین جان تک دیدی، جب مدینہ مین آپ کے خلاف شورش بپا ہوئی تو مغیرہ بن شعبہ نے اس سے محفوظ رہنے کے لیے مختلف مقامون پر چلے جانے کا مشورہ دیا، انمین ایک نام مکہ کا بھی تھا، حضرت عثمانؓ نے مکہ نہ جانے کی وجہ یہ بیان کی کہ مین وہان چلا جاؤن تو ان باغیون سے امید نہین کہ حرم الٰہی کی حرمت کا لحاظ کرینگے اور جنگ نہ کرینگے، اور مین رسول اللہ کی پیشین گوئی کے مطابق وہ شخص بننا نہین چاہتا جو مکہ جاکر اسکی بے حرمتی کا باعث ہوگا، (مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۷ ملخصاً) یا جب باغیون نے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا، اس وقت صحابہ اور عام مسلمان ملاکر سات سو آدمی آپ کے گھر مین موجود تھے، (ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۹) بعض جان نثارون نے مشورہ کہ آپ مقابلہ کیون نہین کرتے، فرمایا رسول اللہ نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا، اور مین اسی

صابر ہون (ایضاً ص ۴۶) غرض پاس فرمان رسول کی وجہ سے طاقت رکھتے ہوئے مقابلہ نہین کیا اور جان دیدی، ایسی حالت مین یہ کہنا کہ وہ حدیث وسنت کی طرف التفات نہ کرتے تھے، کیسے درست ہو

۳- تیسری دلیل یہ دیجاتی ہے کہ محدثین ہر صحابی کو مستند، قابل یقین اور سچا مان کر ان کی روایتون کو قبول کر لیتے ہین، حالانکہ انھین مین ایسے صحابہ بھی ہین جنکو کلام اللہ نے مردود الشہادہ قرار دیا ہے اور مثال مین حضرت حسانؓ بن ثابت کا نام پیش کیا جاتا ہے، کہ واقعہ افک مین حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والون مین یہ بھی تھے جنکے متعلق کلام پاک کا یہ فیصلہ ہے،

والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا	جو لوگ عفیفہ اور پاکدامن عورتون پر تہمت لگائین اور
باربعۃ شہداء فاجلدوھم ثمانین	اسکے ثبوت مین چار گواہ نہ لاسکین، تو انھین اسی کوڑے
جلدۃ ولا تقبلوا شہادتھم ابدا،	مارو اور انکی شہادت کبھی قبول نہ کرو،

لیکن معترضین اس موقعہ پر اسے نظر انداز کر دیتے ہین کہ اس شہادت سے مراد معاملات اور مقدمات کی شہادت ہے نہ کہ روایت حدیث، لیکن اگر یہ حکم عام بھی مان لیا جائے تو بھی پوری آیت کے حکم کو دیکھنا چاہئے، یا صرف اپنے حسب منشا، ایک ٹکڑا لے لیا، اور باقی حصہ کو جو منشا کے مخالف پڑتا ہو نظر انداز کر دیا جائے، اس حکم کے بعد ہی یہ استثنا ہے،

الا الذین تابوا من بعد ذالک واصلحوا	مگر کیے پیچھے جن لوگون نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی
فان اللہ غفور رحیم،	(وہ مستثنیٰ ہین) بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے،

حضرت حسان بن ثابتؓ مقتدر صحابی ہین، دربار رسالت کے شاعر تھے اور آنحضرت صلعم کی جانب سے کفار کو جواب دیتے تھے، آپ نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ روح القدس حسان کے ساتھ ہے، لیکن منافقون کے دام مین آگئے تھے، لیکن جب تحقیقات سے واقعہ غلط ثابت ہوا اور قرآن نے خود اس کی تردید کی تو حسان کو اپنے کیے پر پشیمانی ہوئی، خود حضرت عائشہؓ نے انھین معاف کر دیا تھا چنانچہ جب آپ کے سامنے

حسان کو کوئی برا کہتا تھا تو اس کو منع کرتی تھین اور فرماتی تھین کہ وہ آنحضرت صلعم کی جانب سے کفار کو جواب دیا کرتے تھے، اور آپ کی مدافعت کرتے تھے (بخاری ج ۲ ص ۵۰۹) اس لیے حضرت حسانؓ الذین تابوا واصلحوا کے حکم سے مستثنیٰ ہوگئے، لیکن اگر کسی کو اس کے بعد بھی اُن کے مردود الشہادہ ہونے پر اصرار ہے تو زیادہ سے زیادہ ان کی روایات قابل اعتماد نہ تسلیم کرے، یہ بھی عجب اتفاق ہے کہ مقدر صحابہ کی جماعت مین غالباً حضرت حسانؓ ہی وہ بزرگ ہین جنسے صرف ایک حدیث مروی ہے اسلئے مردود الشہادہ صحابہ سے قبول روایت کا اعتراض ہی غلط ہوجاتا ہے، لیکن اگر ان کی روایات ہوتین بھی تو اُن سے تمام صحابہ کی مرویات کی تضعیف کیونکر ہوسکتی ہے، قصوروار ایک شخص ہو اور ملزم ساری جماعت ٹھہرائی جائے یہ کونسا اصول اور قانون ہے،

۴ - چوتھی دلیل یہ پیش کیجاتی ہے کہ حدیثون کے متعلق صحابہ کی راے اچھی نہ تھی اور وہ انھین قابل اعتماد نہ سمجھتے تھے، اس لیے صحابہ کم روایت کرتے تھے، اور اس کے ثبوت مین حسب ذیل واقعات پیش کیے جاتے ہین،

ابن عباس کہتے تھے کہ ہم اس وقت رسول اللہ سے حدیث بیان کرتے تھے، جب آپ سے جھوٹی حدیثین روایت نہین کیجاتی تھین، لیکن جب سے لوگ ہر قسم کی رطب ویابس روایتین بیان کرنے لگے، اس وقت سے ہم نے حدیث بیان کرنا چھوڑ دیا (مسند دارمی) ابن عباس کہتے تھے کہ تم کو قال رسول اللہ اور قال فلان کہتے وقت، اس کا خوف نہین معلوم ہوتا کہ تمپر عذاب نازل کیا جائے یا زمین تم کو لیکر دھنس جائے (ایضاً) امیر معاویہ سے ایک حدیث بیان کیگئی، جس کو انھون نے غلط خیال کیا، اور تصدیق کیلئے ام المومنین ام سلمہ کے پاس گئے، اور کہا یا ام المومنین، جھوٹی باتین رسول اللہ کی طرف منسوب ہوگئی ہین ہمیشہ کہنے والا یہی کہتا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے، حالانکہ وہ بات آپ نے نہین فرمائی تھی، (ابن مردویہ) امام شعبی کہتے ہین کہ مین ابن عمر کے ساتھ سال بھر بیٹھا، اس عرصہ مین انھون نے کوئی حدیث نہین بیان کی، (مسند دارمی) سائب بن یزید بیان کرتے ہین کہ مین مکہ کے راستہ مین سعد بن ابی وقاص کا ہم سفر رہا، پھر وہان سے مدینہ واپس آیا، اس سفر مین مین نے ان سے کوئی حدیث نہین سُنی (مسند دارمی) مجاہد کہتے ہین

کہ مین مدینہ تک ابن عمر کے ساتھ رہا مگر مین نے ان کو حدیث روایت کرتے ہوئے نہین سنا (مسند دارمی) ثابت بن قطبہ انصاری کہتے ہین کہ عبداللہ بن مسعودؓ مہینہ مین ایکبار حدیث بیان کرتے تھے، (مسند دارمی) ان واقعات سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ یہ تمام بزرگ حدیثون کے مخالف تھے ورنہ وہ حدیثون کے متعلق بری رائے کیون ظاہر کرتے، اور اتنی کم روایت کیون کرتے، اس موقع پر پھر مجھے وہی کہنا پڑتا ہے کہ ان واقعات سے یہ استدلال کوتاہ نظری کا نتیجہ ہے، اگر ان بزرگون کے حالات اور حدیثون پر معترضین کی نظر ہوتی تو وہ ہرگز انکار حدیث کا نتیجہ نہین اخذ کر سکتے تھے، اب واقعات کی شکل مین انکی تفصیل ملاحظہ ہو،

پہلے ابن عباسؓ اور امیر معاویہ کے بیان کو لیجئے، ان سے زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین لوگون نے غلط روایتین شروع کر دی تھین، اس سے حدیثون کا انکار کہان سے نکلتا ہے، ابن عباسؓ خود کہتے ہین کہ "ہم حدیثین روایت کرتے تھے، لیکن جب سے لوگون نے ہر قسم کی رطب ویابس حدیثین بیان کرنا شروع کر دین اسوقت سے ہم نے روایت چھوڑ دی، یعنی انھون نے روایت اس لئے نہین چھوڑی کہ وہ حدیث کے منکر تھے یا اسے قابل حجت نہین سمجھتے تھے، بلکہ اس لیے کہ لوگون نے قول رسول مین آمیزش شروع کر دی تھی، اسلئے ابن عباس کا ترک روایت جس کے معنی اس موقع پر قلت کے ہین بربنائے احتیاط تھا نہ کہ بربنائے انکار حدیث، ورنہ وہ ہمیشہ سے حدیثون کی روایت نہ کرتے حالانکہ ایسا نہین اس موقعہ پر ترک بمعنی قلت ہے اس لیے کہ ابن عباس کی اس احتیاط کے باوجود ان کی (۲۶۶۰) روایتین حدیث کی کتابون مین موجود ہے جنمین سے ۷۵ متفق علیہ ہین اور ۲۸ مین امام بخاری اور ۴۹ مین امام مسلم منفرد ہین (تہذیب الکمال ص ۲۰۲) ابن عباس مکثرین حدیث مین ہین اور حفاظ حدیث صحابہ کے زمرۂ اول مین انکا شمار ہے ایسی حالت مین ترک کو اصلی معنون مین لینا اور ابن عباس کو منکرین مین شمار کرنا کہانتک صحیح ہے، باقی ان کا یہ قول کہ تم کو قال رسول اللہ کہتے وقت خوف نہین معلوم ہوتا الخ غیر محتاط راویون

کے متعلق ہے، ظاہر ہے کہ رسول کی جانب حدیث کا غلط انتساب کرنے والا اس سے زیادہ کسے جانے کا مستحق ہے، لیکن اس سے سچے راویوں پر کیا اعتراض عائد ہوتا ہے،

امیر معاویہ کے بیان سے بھی صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ بعض غیر محتاط راویوں نے رسول کیجانب غلط حدیثیں منسوب کرنا شروع کردی تھیں خود امیر معاویہ کا حدیثوں سے انکار نہیں ثابت ہوتا، اگر وہ نفس حدیث کے منکر ہوتے تو حضرت ام سلمہؓ کے پاس روایت کی تصدیق کیلئے کیوں جاتے ہیں، یہ تو حدیثوں میں اپنے سب سے بڑے حریف حضرت علیؓ سے استفادہ کرتے تھے (موطا امام مالک القضا فیمن بعد مع امراتہ جلد) خود انھوں نے (۱۳۰) حدیثیں روایت کی ہیں (تہذیب الکمال ص ۳۸۱) جو دوسرے صحابہ کے مقابلہ کم ہیں، اس کا سبب یہ تھا کہ یہ فتح مکہ کے زمانہ میں اسلام لائے اور قبول اسلام کے بعد بھی مکہ ہی میں رہے، اس لئے آنحضرت صلعم کی صحبت کا انھیں موقع نہ ملا،

بقیہ حضرت ابن عمر، عبداللہ بن مسعود اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کے کم روایت کرنے کے واقعات محض اتفاقی ہیں، یعنی جن لوگوں کا یہ بیان ہے اتفاق سے ان کے سامنے ان بزرگوں نے نہ بیان کیا ہوگا، یا ان لوگوں کو خود اس دوران میں ان سے سننے کا اتفاق نہ ہوا ہوگا، اسلئے کہ ان بیانات کے باوجود ابن عمر کی مرویات کی تعداد (۱۶۳۰) ہے ان میں سے (۱۷۰) متفق علیہ ہیں اور ۸۱ میں امام بخاری اور ۳۱ میں امام مسلم منفرد ہیں (تہذیب الکمال ص ۲۰۷) ابن عباس کی طرح ابن عمر بھی حفاظ حدیث صحابہ کے زمرۂ اول یعنی مکثرین حدیث میں ہیں، یہ آنحضرت صلعم کے بعد ساٹھ برس تک زندہ رہے، اور اس طویل مدت میں صرف علم و افتا اور حدیث کی خدمت کرتے رہے، (اسد الغابہ تذکرۂ ابن عمر) اسی طرح ابن مسعود کی مرویات کی تعداد (۸۴۸) ہے (تہذیب الکمال ص) البتہ حضرت سعد بن ابی وقاص مکثرین حدیث میں نہیں ہیں چنانچہ ان کی مرویات کی تعداد (۲۷۱) ہے، جنمیں ۱۵ متفق علیہ ہیں اور ۵ میں بخاری اور ۸ میں مسلم منفرد ہیں

ان بزرگوں کے "انکار حدیث" کے ثبوت میں اوپر جو واقعات نقل کئے گئے ہیں، یا اس قبیل کے

اور جو واقعات ملتے ہون انکا ان سے احتیاطی الحدیث کے سوا اور کچھ ثابت نہین ہوتا اور اسکا انکار نہین بلکہ واقعہ ہی،

۵- پانچوین اور سب سے اہم دلیل یہ پیش کیجاتی ہے، کہ حیات نبوی سے لیکر بنی امیہ کے اختتام تک حدیثین نہین لکھی گئین اور اس طویل مدت مین بغیر حدیثون کے مسلمانون کا کام چلتا رہا، اس کے بعد جب بنی عباس کا زمانہ آیا اور دنیاوی علوم کیطرف توجہ ہوئی تو حدیثون کے لکھنے کا بھی خیال پیدا ہوا، اس طرح آنحضرت صلعم کی وفات کے دو ڈھائی سو برس بعد حدیث کی موجودہ کتابین لکھی گئین، چنانچہ امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور تمام بڑے بڑے محدثین اسی زمانہ مین تھے، اور جو قول رسول آنحضرت صلعم کے دو ڈھائی سو برس بعد لکھا گیا ہو اس پر اعتماد نہین کیا جاسکتا اس لئے حدیثون کا سارا سرمایہ ناقابل اعتبار ہے،

اس دلیل کے دو حصہ ہین ایک یہ کہ حیات نبوی اور خلفائے راشدین اور بنی امیہ کے زمانہ مین حدیثین نہین لکھی گئین، اور یونہی کام چلتا رہا، دوسرا یہ کہ حدیث کی موجودہ کتابین آنحضرت صلعم کی وفات کے دو ڈھائی سو برس بعد لکھی گئین، اس لئے اعتبار کے قابل نہین،

پہلا حصہ تو سراسر غلط اور خلاف واقعہ ہے، ان مین سے بعض اجزاء کی تردید اوپر گذر چکی ہے، اس موقع پر پھر اس پر تفصیلی بحث کیجاتی ہے، اس قسم کا دعوی معترضین کی کوتاہ نظری اور تاریخ حدیث سے ناواقفیت کا ثبوت ہے، واقعہ یہ ہے کہ عہد رسالت، عہد خلفائے راشدین اور عہد بنی امیہ مین سے کوئی ایسا دور نہ تھا جس مین حدیثون کے مجموعے نہ مرتب کئے گئے ہون، یہ دوسرا امر ہے کہ دستبرد زمانہ سے وہ بعینہ محفوظ نہ رہ سکے، ورنہ اس حیثیت مین وہ اب تک محفوظ ہین کہ بعد کی کتب مدونہ مین وہ تمام مجموعے شامل ہوگئے، اس لئے گو وہ ممتاز و مستقل صورت مین نہین، مگر موجودہ کتب کے اجزاء بنگئے ہین،

اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے آنحضرت صلعم سے حدیثون کے قلمبند کرنے کی اجازت لے لی تھی، اس اجازت کے بعد انھون نے ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جس کو وہ صادقہ کہتے تھے یہ مجموعہ ان کی عزیز ترین متاع تھا مجاہد کا بیان ہے،

عن عبد الله بن عمرو قال ما یرغبنی فی الحیوۃ الا الصادقۃ والوھظ فاما الصادقۃ فصحیفۃ کتبتھا من رسول اللہ صلعم واما الوھظ فارض تصدق بھا عمرو بن العاص کان یقوم علیھا (مسند دارمی ص ۶۸)

عبداللہ بن عمرو بن العاص بیان کرتے تھے کہ مجھ زندگی کی خواہش صرف صادقہ اور وہظ کی وجہ سے ہے صادقہ وہ صحیفہ ہے جسکو مین نے رسول اللہ صلعم سے لکھا اور وہظ ایک جاگیر ہے، جسے عمرو بن العاص نے صدقہ کیا ہے جسکے وہ منتظم تھے،

حضرت ابوہریرہؓ نے اپنی تمام مرویات قلمبند کی تھین، مستدرک حاکم مین فضل بن حسن اپنے والد کا واقعہ بیان کرتے ہین،

قال (حسن بن عمرو) حدثت عن ابی ھریرۃ بحدیث فانکرہ فقلت انی سمعتہ منک قال ان کنت سمعتہ منی فانہ مکتوب عندی فاخذ بیدی الی بیتہ فاراني کتابا من کتبہ من حدیث رسول اللہ صلعم فی جدذلک الحدیث فقال قد اخبرتک انی ان کنت حدثتک فھو مکتوب عندی (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۱۱)

(حسن بن عمرو) کہتے تھے کہ مین نے ابوہریرہ سے ایک حدیث بیان کی انھون نے اس سے انکار کیا، مین نے کہا اسکو مین نے تمسے سنا ہے، انھون نے کہا اگر تم نے مجھ سے سنا ہوگا تو وہ میرے پاس لکھی ہوگی اور میرا ہاتھ پکڑ کے اپنے گھر لے گئے، اور مجھکو اپنی حدیث رسول کی کتابون مین سے ایک کتاب دکھائی اسمین وہ حدیث مل گئی، پھر کہا مین نے تم سے پہلے ہی کہدیا تھا کہ اگر مین نے تمسے روایت کی ہوگی تو وہ میرے پاس لکھی ہوگی،

ظن غالب یہ ہے کہ عہد نبوی مین یہ مجموعہ لکھا ہوگا کیونکہ زبان نبوی سے سنکر لکھتے تھے، ورنہ خلفاء کے زمانہ مین تو یقیناً مرتب ہو چکا تھا، اس لیے کہ امیر معاویہ کے زمانہ مین ابوہریرہ کا انتقال ہوا، اور اس سے پہلے وہ لکھ چکے ہون گے،

عہد رسالت کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ مین آئے، خلفائے راشدین مین حضرت علیؓ نے

چند فقہی حدیثیں لکھی تھیں، اور اس تحریر کو وہ صحیفہ کہتے تھے (بخاری کتاب العلم باب کتابت العلم) باقی خلفاء کے متعلق جہانتک علم ہے انھوں نے کوئی باقاعدہ حدیثوں کا مجموعہ نہیں لکھا لیکن بہت سے فقہی مسائل جو احادیث ہی پر مبنی تھے لکھ کر ممالک اسلامیہ میں شائع کئے، خصوصاً حضرت عمرؓ وقتاً فوقتاً عمال و افسروں کو مذہبی احکام و مسائل لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے، مثلاً نماز پنجگانہ کے اوقات کی تعیین کے متعلق تمام عمال کو مفصل ہدایت نامہ بھیجا، یہ ہدایت نامہ امام مالک نے بجنسہٖ موطا میں نقل کیا ہے (دیکھو موطا امام مالک ص ۴ مطبع احمدی دہلی) یا جمع بین الصلوٰتین کی ممانعت کے متعلق تمام ممالک میں تحریری فرمان جاری کیا (موطا امام محمد مطبع مصطفائی ص ۱۲۹) گو یہ احکام حدیث کی شکل میں نہیں ہیں، لیکن حدیث ہی سے ماخوذ ہیں، اس لیے حضرت عمرؓ نے گو حدیثیں نہیں قلم بند کیں لیکن اس کا منشا اور مقصد قلمبند فرمایا، اور حکم دیا کہ "قیدوا العلم بالکتابۃ" علم کو لکھکر قید کرو (مسند دارمی ص ۶۸) یہ ظاہر ہے کہ اس سے مراد حدیث ہی ہے، اس لئے کہ ان کے زمانہ میں قرآن و حدیث کے علاوہ کوئی علم نہ تھا اور قرآن لکھا جا چکا تھا، اس لیے حدیث ہی کے متعلق یہ حکم ہو سکتا ہے، اس قسم کے اور بہت سے احکام ہیں، جنکی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں، خلفاء کے علاوہ بہت سے صحابہ اور تابعین جنہیں سے بہتیرے خلافت راشدہ کے زمانہ میں تھے اور بہتیرے بنی امیہ کے زمانہ میں حدیثوں کو قلمبند کرنے کا حکم دیتے تھے اور اپنے تلامذہ کو قلمبند کراتے تھے،

حضرت انسؓ بن مالک اپنے لڑکوں سے فرماتے تھے کہ علم (حدیث) کو لکھکر قید کرو، سعید بن جبیر روایت کرتے ہیں کہ میں ابن عباس اور ابن عمر سے رات کو جو حدیثیں سنتا تھا اسکو کجاوہ کی لکڑی میں لکھ لیتا تھا، دوسری روایت میں ہے کہ میں ابن عباس سے جو کچھ سنتا تھا اس کو صحیفہ میں لکھ لیتا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مشہور محدث غلام نافع ان کے سامنے ان کی حدیثیں لکھا کرتے تھے، آبان حضرت انسؓ سے سنکر ان کے سامنے حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے، بشیر بن نہیک حضرت ابوہریرہؓ سے حدیثیں لکھا کرتے تھے، استفادہ کا زمانہ ختم کرنے کے بعد جب رخصت ہونے لگے تو حدیثوں کی کتاب لیکر ابوہریرہؓ

کے پاس آئے اور ان کے سامنے پڑھکر کہا کہ یہ وہ حدیثین ہین جو مین نے آپ سے سنکر لکھی ہین آپ نے اثبات مین جواب دیا، برار کے تلامذہ ان سے حدیثین لکھا کرتے تھے، حضرت امام حسن نے اپنے صاحبزادون، بھتیجون کو ہدایت فرمائی تھی کہ تم ابھی بچے ہو ایک دن بڑے ہوگے اس لیے علم سیکھ لو اور تم مین سے جو شخص اسکو روایت کرنے اور یاد رکھنے پر قادر نہ ہو اس کو چاہئے کہ لکھکر اپنے گھر مین رکھے، اس قسم کے ایک نہین صدہا واقعات ہین ہم نے صرف چند بطور مثالاً لکھدیئے، تفصیل کے لئے دیکھو مسند دارمی ص ۶۸،

یہ واضح رہے کہ ان مین ابو ہریرہ، ابن عمر، ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم بڑے مقتدر صحابی ہین، باقی تابعی ہین، یہ لوگ کتابت حدیث کا حکم دیتے تھے اور لکھاتے تھے، ان مین سے تمام صحابہ خلفائے راشدین کے زمانہ سے لیکر بنی امیہ کے زمانہ تک تھے اور تابعین مین سے کچھ خلافت راشدہ کے آخر کے ہین اور کچھ خالص بنی امیہ کے عہد کے اس لیے یہ کہنا کہ خلفائے راشدین اور بنی امیہ کے زمانہ مین حدیثین نہین لکھی گئین صحیح نہین ہے، اب خالص اموی دور مین آئیے، مروان امیر معاویہ کے زمانہ مین جبکہ وہ ان کی جانب سے مدینہ کا گورنر تھا، حضرت ابو ہریرہؓ کو بلاکر ان سے حدیثین سنتا تھا اور ان کو قلمبند کراتا تھا (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۰۹ و ۵۱۱) ہشام بن عبد الملک کو جب ضرورت پیش آتی تھی تو حدیثون کی طرف رجوع کرتا تھا، اور حدیثون کے تحریری مجموعون سے اسکی مقصد برآری ہوتی تھی، رجاء بن حیوۃ روایت کرتے ہین کہ ایکمرتبہ ہشام بن عبد الملک نے اپنے ایک عامل کو مجھ سے ایک حدیث پوچھنے کا حکم دیا اگر وہ میرے پاس لکھی ہوتی تو مین اسے بھول چکا تھا (مسند دارمی ص ۶۹) ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اموی فرمانروا حدیث نبوی سے بے نیاز نہ رہ سکے اور ان کے زمانہ مین حدیثون کے مجموعے بھی موجود تھے،

جب خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز اموی کا زمانہ آیا تو انھون نے مرکز حدیث مدینۃ الرسول اور تمام ممالک اسلامیہ مین فرمان جاری کرکے حدیثون کے مجموعے مرتب کرائے چنانچہ قاضی ابو بکر محدث کو جو ان کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے لکھا،

انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلعم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم وذھاب العلماء ولا یقبل الا حدیث النبی صلعم (بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث تلاش کرکے ان کو لکھ لو کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے ختم ہو جانے کا خوف ہے، لیکن سوائے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی چیز نہ لکھی جائے،

مسند دارمی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی ابوبکر کے علاوہ تمام اہل مدینہ کے نام یہ حکم صادر ہوا تھا،

عن عبد اللہ بن دینار قال کتب عمر بن عبد العزیز الی اھل المدینۃ ان انظروا حدیث رسول اللہ صلعم فاکتبوہ فانی خفت دروس العلم وذھاب اھلہ (مسند دارمی ص ۶۸)

عبد اللہ بن دینار روایت کرتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے اہل مدینہ کو لکھا کہ رسول اللہ صلعم کی حدیثیں تلاش کرکے لکھو مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے ختم ہو جانے کا خوف ہے،

حافظ ابن حجر عسقلانی ابو نعیم کی تاریخ اصفہان کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ

کتب عمر بن عبد العزیز الی الآفاق انظروا حدیث رسول اللہ صلعم فاجمعوہ (فتح الباری ج اول ص ۱۷۴)

عمر بن عبد العزیز نے تمام دنیائے اسلام میں فرمان لکھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں تلاش کرکے جمع کرو،

غرض تمام دنیائے اسلام سے حدیثیں جمع کرکے انھیں کل ممالک محروسہ میں شائع کیا چنانچہ جامع بیان العلم حافظ ابن عبد البر قرطبی میں سعد بن ابراہیم کی یہ روایت ہے،

قال امرنا عمر بن عبد العزیز بجمع السنن فکتبنا ھا دفترا دفترا فبعث الی کل ارض لہ علیھا سلطان دفترا، (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۳۵)

ہمکو عمر بن عبد العزیز نے احادیث نبوی جمع کرنے کا حکم دیا، ہمنے اسکے دفتر کے دفتر لکھے، عمر بن عبد العزیز نے جہاں جہاں انکی حکومت تھی ایک ایک دفتر بھیجا،

ان تاریخی حقائق کے بعد یہ کہنا کہ خلفائے راشدین اور بنی امیہ کے زمانہ میں حدیثیں نہیں لکھی گئیں کس حد تک

ثبوت ہے؟ اس سلسلہ میں یہ دعوی اور بھی زیادہ عجیب اور حیرت انگیز ہے کہ صحاح سے پہلے جو رسول اللہ کے دو ڈھائی سو برس بعد لکھی گئیں، حدیثوں کا اور کوئی مجموعہ مرتب نہیں ہوا، معلوم نہیں اس دعوی کے وقت امام ابوحنیفہ المتوفی سنہ ۱۵۰ھ امام شافعی المتوفی سنہ ۲۰۴ھ امام احمد بن حنبل المتوفی سنہ ۲۴۱ھ کی مسندوں اور امام مالک المتوفی سنہ ۱۷۹ھ کی موطا کو کیوں فراموش کر دیا جاتا ہے، خصوصاً موطا امام مالک جو اپنے پایہ کے لحاظ میرے نزدیک صحیحین سے بھی زیادہ بلند مرتبہ ہے اور بات ہے کہ اسے صحیحین کے جیسا قبول عام حاصل نہ ہوا، ان میں سے مسند احمد بن حنبل کے سوا باقی کل کتابیں دوسری صدی کے اندر اندر اور صحاح سے پہلے کی ہیں، بلکہ مسند بھی صحاح سے پہلے کی ہے، یہ تمام کتابیں کتب فروشوں کے یہاں عام طور سے ملتی ہیں، کوئی نایاب نہیں، پھر انھیں کیوں نظر انداز کر دیا جاتا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ صحاح سے بہت پہلے دوسری صدی کے اندر اندر حدیثوں کے بہت سے مجموعے مرتب ہو چکے تھے جو دست برد زمانہ سے بالکل معدوم ہو گئے اور اب صرف ان کے نام باقی ہیں، بلکہ بہتوں کے نام بھی باقی نہیں ہیں، ابن ندیم نے بہت سے ایسے محدثین کے نام گنائے ہیں جنھوں نے حدیثیں مدون کی تھیں، ان میں سے بعض نام یہ ہیں:-

سفیان ثوری المتوفی سنہ ۱۶۱ھ ابوعبدالرحمن محمد بن عبدالرحمن المتوفی سنہ ۱۵۹ھ، عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج المتوفی سنہ ۱۵۰ھ زائدہ بن قدامہ ثقفی المتوفی سنہ ۱۶۰ھ، محمد بن فضیل بن غزوان ضبی المتوفی سنہ ۱۹۵ھ، یحیی بن زکریا بن زائدہ المتوفی سنہ ۱۸۳ھ، وکیع بن جراح بن ملیح رواسی المتوفی سنہ ۱۱۶ھ، عبدالرحمن بن عمرو المعروف بادزاعی، المتوفی سنہ ۱۵۹ھ ولید بن مسلم المتوفی سنہ ۱۹۴ھ، ہشیم بن بشیر سلمی المتوفی سنہ ۱۸۳ھ، عبداللہ بن مبارک المتوفی سنہ ۱۸۱ھ وغیرہم، (دیکھو فہرست ابن ندیم الفن السادس من المقالۃ السادسہ)

ان تمام بزرگوں نے فقہی حدیثوں کے مجموعے مرتب کئے تھے جنھیں سے آج کسی کا پتہ نہیں یا بہت کم کا پتہ ہے، یہ واضح رہے کہ یہ لوگ دوسری صدی کے ہیں، اگر تیسری صدی کے آغاز والوں کو بھی لیا جائے

جسکا زمانہ صحاح کے قبل کا ہوگا، تو ان کی تعداد دو چند اور سہ چند ہو جاتی ہے،

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ایک اہم اور اصولی امر کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے ہم کو حدیث کی کتابت یا عدم کتابت سے بحث ہی نہین اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے، کہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ سے لے کر بنی امیہ کے اختتام تک حدیثین نہین لکھی گئین تب بھی حدیث و سنت کے ناواجب العمل اور ناقابل حجت ہونے پر کوئی اثر نہین پڑتا، اصل شے تواتر عمل ہے ہم کو دیکھنا یہ چاہئے کہ ان زمانون مین مسلمانون کا عمل کیا تھا جس چیز پر آنحضرت صلعم کی دس سالہ مدنی زندگی مین ہزارون صحابہ، پھر خلافت راشدہ کے سی سالہ دور مین ہزارون صحابہ لاکھون تابعی پھر بنی امیہ کے صد سالہ دور مین سیکڑون ائمۂ اسلام، لاکھون تابعی اور تبع تابعی اور کڑورون مسلمان بلا اختلاف پابندی کے ساتھ عمل کرتے چلے آئے ہین اور آج تک وہ عمل جاری ہے، اسکو ناواجب الطاعۃ اور ناواجب العمل کس طرح کہہ سکتے ہین، صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمۂ مذہب، علمائے اسلام بلکہ کسی قابل ذکر مسلمان نے آج تک احکام و اعمال نبوی مین فروعی اختلاف کے سوا جو حدیث و سنت ہی سے متفرع تھے، کوئی اصولی اختلاف کیا ہے یا اس کے خلاف عمل پیرا ہوا ہے، اگر کوئی مثال ہو تو پیش کرنی چاہئے ورنہ پھر امت اسلامیہ کے سواد اعظم کے عملی تواتر کو جسمین صحابہ، تابعین، علمائے اسلام اور ائمۂ مذہب سبھی تھے کون رد کر سکتا ہے اور کون عقل اسے تسلیم کر سکتی ہے، ومن انکر فعلیہ البرھان،

سب سے آخر مین یہ سوال باقی رہجاتا ہے کہ حدیث کی جو کتابین رسول اللہ صلعم کے دو ڈھائی صدی بعد لکھی گئی ہون وہ قابل استناد ہو سکتی ہین یا نہین، اور حدیث کی موجودہ متداول کتابین کس حد تک قابل اعتماد ہین، اس پر انشاء اللہ کسی اور موقع پر مفصل بحث کی جائے گی،

خطبات مدراس مولفہ الفاضل سید سلیمان ندوی سنہ ۱۹۲۶ء مین مدراس مین سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤن پر آٹھ خطبے دئیے تھے جو نہایت مقبول ہوئے اور مسلمانون نے ان کو بے حد پسند کیا، ان آٹھ لکچرون مین نہایت موثر انداز مین اور تاریخی دلائل کیساتھ آنحضرت صلعم کی سیرت مبارکہ اور آپکی تعلیمات کا عطر اور خلاصہ پیش کیا گیا ہے، یہ اس لائق ہین کہ مسلمانون کے علاوہ غیر مسلمون مین ہدیۃً تقسیم کئے جائین، اور عربی مدرسون اور مکتبون اور انجمنون مین انکو پڑھایا جائے، ضخامت ۱۵۸ صفحے، طبع دوم، قیمت ۱- عہ "منیجر"

حضرت ناصر جنگ شہید

کے

بعض عنایت نامے

از جناب محمد غوث صاحب، (عشرتی) حیدرآباد دکن

حضرت مغفرت مآب آصفجاہ اوّل کے انتقال کے بعد سرزمین دکن مین حضرت مرحوم کی جانشینی کیلئے جو اختلاف پیدا ہوا، اس کے متعلقہ کاغذات اب گویا عنقا ہین، اس عہد کا جو بھی کاغذ فی الوقت دستیاب ہو جائے وہ ایک قیمتی دستاویز ہے، حسن اتفاق کہ اس زمانہ پرآشوب کے بعض اصلی کاغذات قدیم بستون کے ٹٹولنے مین برآمد ہوئے ہین، سیواجی کے باپ شاہ جی کے حملہ کے بعد سے تنجاور پر مرہٹہ راجاؤن کی حکومت تھی جسوقت حضرت ناصر جنگ شہید مسند آصفی پر متمکن ہوئے اس زمانہ مین راجہ پرتاب سنگھ تنجاور کے حکمران تھے، اس زمانہ مین جنوبی ہند کے راجہ اور نواب سب کو اپنی سلامتی کے لیے آصف جاہی زلہ ربائی ضروری تھی، راجہ پرتاب سنگھ بھی اس سے مستثنیٰ نہین تھے انھون نے بھی حضرت ناصر جنگ شہید سے اظہار عقیدت کیا اور نذر گذرانی، پیشگاہ شہادت مآب سے بھی الطاف و عنایات کا اظہار ہوا اور عنایت نامے بہ دستخط و مہر خاص نافذ ہوتے رہے، فی الوقت اس قسم کے گیارہ عنایت نامے پیش نظر ہین، یہ سب اس زمانہ کے حسب دستور افشانی کاغذ پر زیب تحریر پائے ہین، سب کے سرنامون پر "ہوالکریم" درج ہے اور سب کے سب مزین بہ "بیض خاص" ہین، دو عنایت نامون پر خط خاص سے بھی کچھ عبارت زیب تحریر فرمائی گئی ہے،

اس زمانہ مین خط اور لفافہ پر تاریخ درج کرنے کا عموماً دستور نہین تھا، کاتب کی مہر صرف لفافہ پر ہوتی تھی، مکتوب الیہ کا نام بھی لفافہ ہی پر درج ہوتا تھا، مراسلہ کاتب و مکتوب الیہ ہر دو کے نام و مہر سے معرا ہوتا تھا، اس لحاظ سے اس زمانہ کے

خطوط و فرامین وغیرہ جب لفافہ کے بغیر ہمدست ہوتے ہین تو کاتب و مکتوب الیہ اور تاریخ کتابت کا پتہ چلانا بہت مشکل ہوجاتا ہے،

پیش نظر عنایت نامون کا بھی یہی حال ہے، بدقسمتی سے اس کے لفافے غالباً مکتوب الیہ ہی کے دفتر مین تلف کردیئے گئے ہین، البتہ یہ امر باعث تشفی ہے کہ لفافون پر جو مہر ثبت ہوتی تھی اسکو علحدہ کرکے ان عنایت نامون کی پشت پر چسپان کردیا گیا ہے، جو مہر چسپان ہے وہ یون ہے:-

"نظام الدولہ ۱۱۵۲"

مزید خوش قسمتی سے ایک عنایت نامہ پر "۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱۶۳ھ بھی مرقوم ہے، سب عنایت نامون کا آغاز "شہامت و جلادت دستگاہا" کے القاب سے ہوا ہے،

بہرحال باوجود صاحب عنایت نامجات کا نام مرقوم ہونے کے یہ امر متحقق ہے کہ یہ عنایت نامے راجہ پرتاب سنگھ والی تنجاور کو ہی مرحمت ہوئے تھے[1]،

۱- سنہ ۱۱۵۹ھ مین اعلیحضرت مغفرت مآب آصفجاہ اوّل نے حضرت ناصر جنگ کو میسور کی جانب روانہ فرمایا تھا،

[1] تنجاور سے سرسری واقفیت حاصل کرنے کے لیے کے۔ آر سبرامنین صاحب ام اے (مدراس) کا ایک انگریزی رسالہ موسوم بہ "مرہٹہ راجہ از آف ٹنجور" بہت مفید ہے،

ان عنایت نامون پر نوٹ لکھنے مین حسب ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے،

۱- تحفۃ الاخبار، ۲- توزک والاجاہی، ۳- توزک آصفیہ، ۴- گلزار آصفیہ۔ ۵ مآثر الامرا، ۶- مرقع دکن اور ۷- تاریخ ہندوستان تالیف تھامسن صاحب (انگریزی)

ان مین سے تحفۃ الاخبار اور توزک والاجاہی کرناٹک کی تاریخ پر مشتمل ہین دونون تاحال غیر مطبوع ہین، ان کا ایک ایک نسخہ حیدرآباد مین دفتر دیوانی مال وغیرہ کے بیش قیمت کتب خانے مین فراہم کیا گیا ہے، یہ دونون کتابین ایک مستقل مضمون کی محتاج ہین، توزک آصفیہ اور گلزار آصفیہ حیدرآباد کی تاریخ پر مشتمل ہین، دونون کتابین طبع ہوگئی ہین،

تاکہ میسور کے راجہ سے پیشکش وصول کیجائے، چنانچہ سری رنگ پٹن مین پہنچکر پیشکش وصول فرمائی گئی اور بعد ازان جانب اورنگ آباد مراجعت عمل مین آئی،[1] معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل عنایت نامہ نواح میسور ہی سے راجہ پرتاب سنگھ کے نام پر نافذ ہوا،

"مبالغ خطیر مین جملہ پیشکش بذمہ آن جلادت دستگاہ باقیست، نظر براین معنی عزم مصمم داشتیم کہ بحول وقوۃ الٰہی بعد انفراغ معاملت سری رنگ پٹن متوجہ تعلقہ آن جلادت دستگاہ شویم لیکن چون درین روزہا شہامت پناہ محمد محفوظ خان بحضور[2] رسیدہ ملازمت نمود و کیفیت برآوردن انا ستگیا و مستقیم بودن آن جلادت دستگاہ برجادۂ اطاعت و فکر سبیل زر پیشکش بعرض رسانید لہذا در توجہ ان طرفہا توقف فرمودیم و عقیدت شعار خوجہ امید را کہ از فدویان معتمد ست فرستادیم، می باید کہ زر باقی پیشکش را مع نیاز معقول برائے ما معرفت شہامت پناہ انور الدین خان[3] بہادر ارسال نمایند والا فوج نظفر موج تعلقہ خود رسیدہ دانند، بعض ارشادات از نوشتہ شہامت پناہ محمد محفوظ خان بہادر معلوم خواہد شد"

۲ - ذیل مین جو عنایت نامہ نقل کیا جاتا ہے وہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ حکمرانی سے پہلے کا ہے، ممکن ہے کہ یہ عنایت نامہ پہلی فرانسیسی جنگ کے سلسلہ مین صادر ہوا ہو،[4]

"وکلائے انگریزان بحضور رسیدہ تعدی فرانسیسان بعرض رسانیدند چنانچہ در باب معاونت انہا شہامت مرتبت انور الدین خان بہادر از حضور بندگان حضرت[5] واذین جا تاکید رفتہ، باید در امداد و اعانت انگریزان پرداختہ نگذارند کہ احدے از تعلقہ داران بادشاہی رسد غلہ و سرت و بارود وغیرہ بہ مردم پھول چوری کہ مصدر شورش و فساد اند رساند درین باب تاکید بکار باید برد"

[1] مآثر الامرا جلد سوم صفحہ ۸۵۰ - سری رنگ پٹن حسب بیان مآثر الامرا، اس زمانہ مین راجگان میسور کا دارالامارہ تھا، [2] نواب محمد علی خان والاجاہ کے بھائی، [3] نواب محمد علی خان والاجاہ کے والد جنکو حضرت آصفجاہ نے اس نواح کی نظامت پر مامور کیا تھا [4] اسکی تفصیل مضمون مندرجہ مجلہ عثمانیہ نمبر ۲ و ۳ جلد چارمین ہو چکی ہے، [5] غالباً حضرت آصفجاہ اول مراد ہین -

۳- حضرت آصفجاہ مغفرت مآب کی وفات کے بعد نواب ناصر جنگ شہید مسند پدری پر رونق بخش ہوئے، اس موقع پر راجہ پرتاب سنگھ نے بھی اظہار عقیدت کرکے ۲۴ اشرفی نذر گذرانی اور عرضداشت پیش کی، شہادت مآب کی بارگاہ سے قبولیت نذر اور عرضداشت مرسلہ کا جو جواب مرحمت ہوا وہ یہ ہے،

"خط مرسل با چہل و دو اشرفی نیاز رسید و موجب سرور خاطر گردید، بہ مقتضائے خلوص ارادت و رسوخ عقیدت تردد دلتے کہ ازان جلالت دستگاہ ظہور نمودہ شایان تحسین و آفرین است، بنصر و تائید الٰہی اصلاح و انتظام امور و مہام ان حدود مکنون خاطر است و عنقریب از قوۃ بہ فعل می آید، آن تہمت پناہ مترصد ظہور این لطیفہ غیبی بودہ، پیش از پیش مراسم دولت خواہی را کہ مسلک قویم اطاعت و انقیاد است بتقدیم رسانیدہ بہ ہمین آئین نویسان حالات باشند، زیادہ چہ نوشتہ شود"

۴- ۱۱۶۱ھ مین حضرت مغفرت مآب آصف جاہ اول نے جان عزیز جان آفرین کے سپرد کی اور فتنہ و فساد کا ایک نیا عالم وجود مین آگیا، سرزمین دکن جنگ و جدل اور دغا و فریب کے شرمناک اور دردانگیز مناظر کی تماشہ گاہ بنگئی، سارے دکن مین باہمی نزاعون کا ایک نہایت پرپیچ جال بچھ گیا، قحط الرجال کی جو شکایت شاہ فرخ سیر کے زمانہ مین تھی وہ اب عالمگیر ہو چکی تھی، خودسری کے تخیل کی ہمہ گیری تھی، درست ہے کہ اس وقت بھی بقیۃ السیف مشرقی ارباب دانش و بینش حالات کی نزاکت سے سہمے جا رہے تھے لیکن ان کے ہاتھ اس قدر قوی نہین تھے کہ آنے والے طوفان کو روک دیتے اور جن افراد مین اس افراتفری کے فرو کرنے کی قوت تھی وہ تیغ و تفنگ کے شکار ہو گئے"

بہرحال حضرت مغفرت مآب کے جانشین شہادت مآب ناصر جنگ کے برخلاف آپکے ہمشیرزادہ حافظ ہدایت محی الدین خان مظفر جنگ صوبہ دار بیجاپور نے علم بغاوت بلند کیا، اور نواب انوار الدین خان شہید سے قبل نظامت ارکاٹ جس خاندان مین چلی آتی تھی اس کے ایک رکن نواب حسین دوست خان چندا صاحب کو صوبہ داری کرناٹک کے دعوی کی سوجھی، نواب انوار الدین خان شہید اسوقت دربار آصفی کے مقرر کردہ صوبہ دار کرناٹک تھے انھون نے نواب مظفر جنگ کو اپنے دعوی سے باز آجانے کی نہایت اخلاص سے بہت ترغیب دی، نواب

انورالدین خان کو ان کے پاک اور نیک[1] دون مین تقریباً پوری کامیابی حاصل ہوچکی تھی، نواب مظفر جنگ نے اپنی نازیبا حرکت سے تائب ہوجانے کا ارادہ کرہی لیا تھا کہ فرانسیسی ڈپلومیسی بازی لے گئی، بقول صاحب "تحفۃ الاخبار" نواب مظفر جنگ کی اطلاع کے بغیر لشکر انوری پر بے خبری مین دھاوا بول دیا گیا، اس تہلکہ مین دکن کے لیے حضرت مغفرت مآب کے انتقال کے بعد دوسری مصیبت یہ آئی کہ نواب انورالدین خان بھی شہید کردیئے گئے، (سنہ ۱۱۶۲ھ)

اب نواب مظفر جنگ کے ساتھ جیتنے والے ارکاٹ مین داخل ہوئے اور نواب مظفر جنگ کو مسند آصفی کا وارث ٹھہرایا، نواب محمد علی خان والاجاہ بہادر اس وقت ترچناپلی مین مقیم تھے، اُن کے والد نواب انورالدین خان شہید نے ان کو ان اضلاع کا انتظام سپرد کیا تھا، نواب والاجاہ بہادر نے نواب مظفر الملک کی حکومت تسلیم نہین کی اور حضرت ناصر جنگ شہید کو حالات سے مطلع کیا، اس وقت راجہ پرتاب سنگھ کے نام پر جو عنایت نامہ صادر ہوا وہ یہ ہے،

"بے ہدایت شقی[2] از برگشتگی طالع طریق بغی نمودہ با انبوہ او باش در الکہ کرناٹک انتشار دارد لہذا موکب منصور بہم عنانی عساکر نصرت و تائید ربانی عنقریب متوجہ ان سمت[3] میشود و باغی شقی[4] علف صمصام انتقام بہادر آن نصرت آئین میگردد، بہمہ جہت مستقل بودہ بابسالت دستگاہ محمد علی خان[5] از صمیم قلب شرایط موافقت و مرافقت بجا آرند و رفیق و شریک تردد ات باشند و این معنی طراعث افزایش توجہ خاطر و مثمر نتائج شناسند، زیادہ چہ نوشتہ شود"

ارکاٹ مین چند دن قیام کرکے نواب مظفر جنگ پانڈی چری کیجانب روانہ ہوئے، وہان نواب حسین دوست خان چند اصاحب[5] اور ڈوپلے کی مشورت سے طے ہوا کہ فی الوقت نواب والاجاہ بہادر سے مقابلہ نادرست ہے، ان کا مقابلہ نہایت سخت ہوگا، اس کے لیے معقول رقم کی ضرورت ہے، لہذا تنجاور پر تاخت کرنی چاہیئے کہ مال و دولت کے حصول کی بڑی توقع ہے، تنجاور پر یورش عمل مین آئی، معلوم ہوتا ہے کہ اسکی

[1] حافظ ہدایت محی الدین خان مظفر جنگ مراد ہین، [2] ملک کرناٹک مراد ہے [3] نواب مظفر جنگ مراد ہین [4] نواب والاجاہ بہادر مراد ہین
[5] دیکھو بقیہ حاشیہ برقم ۴۵۲،

اطلاع پیشگاہ شہادت مآب میں عرض کیگئی، جو جواب شرف صدور پایا وہ اس طرح ہے:۔

"خط مرسل متضمن آوارگی باغی شقی[1] در نواح تنجاور و حرکات سفیہانہ باغوائے چند اے ادبار نصیب شریر بے[2] پرو محاصرہ قلعہ و استقلال آن شہامت پناہ رسید و مضامین بوضوح انجامید بنصر و تائید بست و پنجم شہر صفر ختم بالخیر و الظفر سواد مدکری (؟) مخیم جاہ و جلال گردید و فوج جرار خونخوار مرہٹہ برسم منقلا تعین شد کہ پاشنہ کوب بسر وقت اشقیا رسیدہ علف تیغ انتقام سازد و موکب منصور نیز جلو ریز عنقریب رسیدہ، بقیۃ السیف را قتل و اسیر می کند و ساحت ان ملک از لوث شرارت باغی شقی پاک میشود، ان شہامت پناہ باستقلال تمام سرگرم مدافعہ سفہا بود[3] لشکر ظفر اثر را بہم عنانی تائیدات الٰہی رسیدہ دانند زیادہ چہ نوشتہ شود۔"

۶۔ شہادت مآب نے بغاوت کے سدباب کے لیے خود بنفس نفیس جانب کرناٹک عزیمت فرمائی تھی، عنایت نامہ نمبرہ اثنائے راہ ہی سے مرحمت ہوا ہے، اس اثنا میں مخالفون کی جد و جہد اپنے پورے شباب پر تھی، غالباً راجہ پرتاب سنگھ نے وقت بوقت حالات سے مطلع کرنے کا التزام رکھا تھا،

معلوم ہوتا ہے کہ تنجاور پر جو یورش کیگئی تھی اسمیں نواب مظفر جنگ کو کامیابی نہیں ہوئی، اس کی اطلاع عرض کیگئی تو ارشاد ہوا کہ

"الحمد للہ والمنۃ باغی شقی[4] آوارۂ دشت ادبار شد و اطمینان کلی از فتنہ او و امنیت تام در ان حدود بحصول پیوست لہذا بہ شہامت پناہ انوار الدین خان[5] نوشتیم، کہ خود را بحضور رساند از آنجا کہ خان مذبور بکرات اثبات حقوق بران جلادت پناہ نمودہ و شرائط امداد و اعانت بجا آوردہ

---

[1] نواب مظفر جنگ نے ان کو صوبہ داری کرناٹک پر مامور کردیا تھا لیکن نواب والاجاہ بہادر نے ان کی صوبہ داری چلنے نہیں دی، [2] نواب مظفر جنگ مراد ہیں، [3] نواب حسین دوست خان چندا صاحب سے مراد ہیں [4] غالباً نواب مظفر جنگ مراد ہیں، [5] نواب محمد علی خان والاجاہ بہادر مراد ہیں،

وبہر جہت ممد ومعاون بودہ وحق اینست کہ بہ تقویت خان مذبور ازین بلاے مبرم محفوظ ومصون ماندہ اید[1]، باید خود را بلا توقف ہمراہ خان مذبور بحضور رسانیدہ در قتل واسر باغیان ظلمت سرشت شقی مصدر تردودات نمایان شوند ورسد غلہ متصل وپیہم بار دوے معلی می فرستادہ باشند درین باب تاکید دانند زیادہ چہ نوشتہ شود"۔

۷۔ جانب دکن عزیمت عمل مین آنے کے بعد اثنائے راہ سے جو عنایت نامے صادر ہوتے رہے اُن کے منجملہ ایک عنایت نامہ یہ ہے:۔

"عرضہ داشت متضمن ارادہاے فاسد وحرکات لغو بے ہدایت او بار نصیب[2] رسید ومضامین مفصل بوضوح انجامید، باغی ظلمت سرشت با اعوان وانصار عنقریب بقتیل واسیر میشود وعرصہ کرناٹک از لوث فتنہ او منزہ ومطہری گردد وتقدیم لوازم بر فاقت شہامت پناہ انورالدین خان[3] کہ فی الجملہ شاہد عدل است بر خلوص عقیدت وفدویت باعث افزونی توجہ خاطر بحال ان جلادت دستگاہ شد، وفاق واتفاق باقدویان ارادت سرشت ماہمہ وقت مفید است بہ تخصیص در اوقات فتنہ و آمادہ شدن اسباب فساد فواید کلی دارد ومتمم حفظ وحراست ملک ومنتج صیانت مال خلائق است لعون وصون الٰہی ہفتم شہر محرم الحرام از دریاے کشنا[4] وشانزدہم ازنم بہدر[5] راعبور عساکر فیروزی مآثر بہم عنانی جنود مجندہ تائیدات ربانی قرین فرح وفیروزی دست بہم دادہ وبحول اللہ وقوتہ عنقریب بیان حدود رسیدہ میشود وباغیان بدہنر مقہور مخذول ومستاصل می شوند، زیادہ چہ نوشتہ شود"

۸۔ اسی سلسلہ کا ایک دوسرا عنایت نامہ یہ ہے:۔

"بنصر وتائید الٰہی موکب منصور بارادہ تنبیہ باغیان قریب رسیدہ باید آن شہامت پناہ باجمعیت

---

[1] راجہ نے نواب محمد علی خان سے مدد مانگی تھی، انھوں نے ایدوی فوج روانہ کی، فوج کی آمد آمد سنکر مخالفین کو منتشر ہوجانے کے سوا دوسرا کوئی چارہ نہین تھا، [2] یہان بھی غالباً نواب مظفر جنگ مراد ہین [3] نواب محمد علی خان والاجاہ بہادر [4] دریاے کرشنا [5] دریاے بھیما

شایستہ خود را بحضور رسانیدہ در قتل و اسر فرقہ ادبار نصیب مصدر تردد ات نمایان شوند، دوازدہم شہر ربیع الاوّل سنہ ۱۱۶۳ھ قلمی شد"

۹۔ اسی مضمون کا ایک اور عنایت نامہ بشرح دستخط خاص صادر ہوا:۔

"بنصر و تائید الٰہی موکب منصور بارادہ تنبیہ باغیان قریب رسیدہ بایدان شہامت پناہ باجمعیت شایستہ خود را بحضور رسانیدہ در قتل و اسر فرقہ ادبار نصیب مصدر تردوات نمایان شوند، زیادہ چہ نوشتہ شود"

شرح دستخط خاص[1]:۔

"شنیدہ شد تا حال اشقیا ہمانجا بامید ادبار اند، افواج قاہرہ و سرداران نامی عنقریب می رسند خود بخود اشقیا خود را گرفتار و بال و نکال کردہ اند در صورتے کہ ہمانجا ہستند و فوج منقلا بر سد آنہا را جائے گریز ہم نمی ماند، دریں وقت استقلال از دست ندہند ہمین کہ فوج منقلا محمد علی خان کہ ملقب بہ انور الدین خان شدہ یقین کہ شریک فوج منقلا خواہد شد از چار طرف اشقیا را در میان گرفتہ قسمے تنگ باید کرد کہ از جان بتنگ آیند، دریں صورت گروہ نکبت پژوہ آنہا پراگندہ میشود و تا ہم با لشکر قیامت اثر بسر وقت آنہا می رسیم بحول و قوت الٰہی"

۱۰۔ شہادت آب کے کرناٹک مین تشریف فرمائی کے بعد جو ماجرا گذرا وہ مختصراً یہ ہے کہ لشکر آصفی کیا آیا، فتنہ و فساد کی جڑ کاٹ دیگئی، فرانسیسی فوج اپنے سب عہد و پیمان بھول گئی، میدان سے بھاگ کھڑی ہوئی نواب مظفر جنگ تنہا چھوڑ دیئے گئے، نواب حسین دوست خان چند اصاحب بھی چل کھڑے ہوئے، بالآخر نواب مظفر جنگ گرفتار اور پیشگاہ شہادت آب مین حاضر کئے گئے، نواب مظفر جنگ کی جان بخشی عمل مین آئی، نواب والاجاہ کو ربیع الثانی سنہ ۱۱۶۲ھ مین نظامت ارکاٹ پر سرفراز کیا گیا اور اس خصوص مین جو فرمان دہلی سے شرف

[1] جس عنایت نامہ وغیرہ پر بعد بیضہ جو عبارت بخط خاص ہوتی ہے اسکو "شرح دستخط خاص" کہا جاتا ہے،

نفاذ پایا تھا وہ ان کو عطا کیا گیا،

باوجود اپنی بے سروسامانی کے اعداء اپنی دھن میں لگے رہے، فرانسیسی سازشیں برابر کام کرتی رہیں تا آنکہ خبر آئی کہ قلعہ نصرت گڈھ بھی مخالفوں کے قبضہ میں آگیا، غالباً یہ خبر سماعت فرما کر جو عنایت نامہ نافذ فرمایا گیا وہ یہ ہے:

"خط مرسل رسید و مضامین مفصل بوضوح انجامید باوصف بودن ہمچو قلعہ مستحکم و تکاثر جمعیت و توافر مصالح و ادوات حرب و علاوہ ان از صولت و سطوت انی ائی افواج ظفر امواج مضطرب و سراسیمہ شدن باغی شقی و تطرق تفرقہ و انتشار در انبوہ نکبت پژوہ او و عجالتاً تعین فوج منقلا بکمک و اعانت شما و برسر رسیدن فوج مذبور تاب مقاومت نیاوردہ استدعائے مصالحہ و قبول زرباعث تعجب شد، تیلیست مشہور کہ قلعہ اگر از کاغذ و حارسش زن و حربہ اش سوزن باشد تا شش ماہ میتواند قائم داشت فائدہ زر دادن چہ شد کہ یکے این کہ آنہا قابو یافتہ بازہنگامۂ پیکار گرم کردند ما را رسیدہ دانند و بلد افعہ پرداز ند زیادہ چہ نوشتہ شود"

شرح دستخط خاص:-

عنقریب بحول و قوۃ قوی مطلق لشکر قیامت اثر برسر دقت باغیان ظالم می رسد، دست و پا

. . . . . نباید کرد اما استقلال باید بود"

یہ امر ہنوز تحقیق طلب ہے کہ راجہ پرتاب سنگھ نے اس وقت تائید و اعانت کے کیا مراتب انجام دیئے، اس وقت جو مواد پیش نظر ہے، اس سے یہ مشکل حل نہیں ہو سکی ہے، اس لحاظ سے یہ بالتحقیق نہیں کہا جا سکتا کہ یہ عتاب کس قلعہ کی سپردگی سے صادر ہوا، ممکن ہے کہ راجہ پرتاب سنگھ کو قلعہ نصرت گڈھ کی حفاظت پر مامور فرمایا گیا ہو،

سرگذشت ادب ترکی، ترکی ادب کی سرگذشت کا اجمالی خاکہ جس میں ترکی ادب کی تاریخ کے قریب قریب تمام ابواب اور ہر دور کے ممتاز شعراء کا تعارف کرایا گیا ہے از مولوی سید ریاست علی ندوی ایم اے اڈیٹر معارف ضخیم تقطیع $\frac{۳۰۸}{۱۶}$ کے ۲۰۰ صفحے، ۱۲ رکے ٹکٹ بھیجکر طلب کریں، مینیجر

"وامق وعذرا"

از

جناب بنی احمد خان صاحب شاد، رجسٹرار کتب خانہ رام پور،

داستان وامق وعذرا، فارسی زبان کا ایک قدیم مشہور قصہ ہی جسکی اصل منشا مین شدید اختلاف ہی، بعض لوگون نے اسکو ویس ورامین کی طرح قدیم ایرانی زبان کا قصہ تصور کیا ہے، چنانچہ دولت شاہ سمرقندی اپنے تذکرہ مین لکھتا ہی کہ ایک روز امیر عبداللہ بن طاہر والی خراسان، نیشاپور مین مقیم تھا کہ ایک شخص نے ایک کتاب پیش کی، امیر نے پوچھا کہ کیا کتاب ہے، ؟ جواب دیا کہ قصہ وامق وعذرا، جسکو فلکما نے نوشیروان کے لئے ترتیب دیا تھا الخ، بعض لوگ اسکو لیلی المجنون کی طرح عربی داستان خیال کرتے ہین، چنانچہ ابن ندیم اپنی فہرست مین لکھتا ہی، کہ سب سے پہلے قصہ وامق وعذرا، کو سہل بن ہارون نے تالیف کیا،

تیسرے گروہ کا گمان ہی کہ سلامان وآبسال ویوسف زلیخا کی طرح یہ کتاب ملل اجنبیہ سے اقتباس کی گئی ہی، اور اصلاً یہ کتاب یونانی زبان مین تھی، جیسا کہ مجمل التواریخ مین تحریر ہے، کہ داراب بن داراب کے عہد مین پہلی مرتبہ یہ کتاب ملک یونان مین تالیف ہوئی، عنصری کی مثنوی کے اعلام واسماء سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے، کہ اوس کی اصل یونانی زبان مین تھی، اور لفظ وامق وعذرا بھی یونانی زبان کے عاشق ومعشوق کا ترجمہ ہی،

وامق وعذرا کی شخصیت مین بھی سخت اختلاف ہے، اور کوئی دو روایتین بھی باہم متحد نہین ملتین، جیسا کہ ہر مثنوی کے تحت مین مین ظاہر کیا جائیگا، حمداللہ مستوفی نے اپنی مشہور تالیف گزیدہ[1] مین اون کو اسکندر اکبر کا ہم عہد لکھا ہے،

وامق وعذرا، پر اب تک تقریباً سکڑون کتابین تالیف ہو چکی ہین، اور ان کے حالات محبت پر ہر زبان مین کچھ نہ کچھ لکھا جا چکا ہے

---

[1] تاریخ گزیدہ مطبوعہ لندن ص ۷۱۰

لیکن یہ بات حدِ تواتر تک پہنچ چکی ہے، کہ زبان فارسی مین سب سے پہلے جس شخص نے اس قصہ کو نظم کیا، وہ ابوالقاسم عنصری المتوفی ۴۳۱ھ تھا، عنصری نے چوتھی صدی ہجری کے آخر یا پانچوین کی شروع مین اوس کو مثنوی کے قالب مین ڈھالا، لیکن افسوس کہ یہ مثنوی صفحۂ دنیا سے ناپید ہے، بعض اہل لغات نے اس کے کچھ اشعار بطور شواہد اپنی فرہنگون مین نقل کئے ہین، جن سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ مثنوی بحر متقارب مین تھی، جو اشعار دستیاب ہوسکے، وہ یہان نمونہ کے طور پر لکھے جاتے ہین:-

جزیرہ یکے بد بیونان زمین — کہ ونیس بُد نام شہر کزین

کہ کمندلیطس آن جانگہ داشتے — بشاہی درا و تختگہ داشتے

یکے دوستش بود ترقان نام — بسے آزمودہ بسا کام کام

بفرمود نا آشنا تی بکاہ — بیاید بنزدیک رخشندہ ماہ

ابا دشیرکان اندو امق بجنگ — نہ روے گریزو نہ راے درنگ

بافرنجہ افراطس نامدار — یکے با دشاہے بدے ہوشیار

فلاطوش برگشت وآمد زراہ — برجہرۂ وامق بنگ خواہ

دل ومخبوبش نیشد بانشیب — کہ درکار عذرا چہ ساز دفریب

بدوجبت عذرا چو شیر نژند — بزدوست دچشم ادانوس کمند

بشداز پس رنجہاے دراز — بیک جا جزیرہ رسیدند باز

کجا نام او بود طرطانیوش — در و با دشاہ نام او توگیوش

زدریا بخشکے برون آمد — زبر برسوے زیفنون آمدند

ف۱ کرونیس ایک جزیرہ کا نام ہے، وامق یہین کا رہنے والا تھا ف۲ کمندلیس یا کمندلیطس وامق کے باپ کا نام ہے، ف۳ نام خسرو امق ف۴ افرنجہ ایک شہر کا نام ہے، جہان کی والدہ عذرا رہنے والی تھی، ف۵ فلاس نام استاد وامق ف۶ ایک تاجر کا نام ہے، جس نے عذرا کو مفلوس کے پاس سے چرا کر آزاد کیا تھا، ف۷ نام قاصد اندوشش نام جزیرہ ف۸ نام شہر

ف۹ مندرجہ بالا اشعار مختلف مواقع کے ہین، ناظرین اس کو مرتب خیال نہ فرمائین،

عنصری کے بعد اس کے ہم عہد شاعر ابو ریحان بیرونی المتوفی ۴۴۰ھ نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا جیسا کہ وہ خود اپنے مصنفات کی فہرست میں ذکر کرتا ہے، بیرونی کے بعد سلطان سلیمان ثانی کے عہد میں محمود بن عثمان لامعی متوفی ۹۳۰ھ نے اس قصہ کو ترکی زبان میں نظم کیا، اگرچہ لامعی سے پہلے بھی ایک شخص اس کو ترکی میں ترجمہ کر چکا تھا لیکن وہ ترجمہ منثور تھا، لامعی کی مثنوی کا ایک نسخہ کتب خانہ چلپی (استامبول) میں محفوظ ہے، ترکی زبان میں ان کے علاوہ مُعبدی نے بھی ایک خمسہ ترتیب دیا جس کا ایک عنصر مثنوی وامق وعذرا بھی تھی،

زبان فارسی میں عنصری کے بعد ملا فصیحی[1] جرجانی نے پانچویں صدی ہجری میں اس قصہ کو نظم کیا، دولت شاہ سمرقندی کے بیان کے مطابق مندرجہ ذیل شعر اسی کا ہے، :-

چہ فرخ وجودے کہ از ہمتش
بمیرد بہ پائے ولی نعمتش

اس مثنوی کا بھی کوئی نسخہ آج تک نظر سے نہیں گذرا،

فرہنگ[2] مشاہیر شرق میں لکھا ہے کہ امیر فرخاری نے بھی جو کیکاؤس سلجوقی کے عہد کا شاعر ہے، قصۂ وامق وعذرا کو نظم کیا تھا، دسویں صدی ہجری میں ضمیری اصفہانی بشعیب جوشقانی، اور اسیری ترشی نے اس داستان کو منظوم کیا جن میں سے صرف اسیری کی مثنوی کا کتب خانہ فاتح (ایران) میں پتہ چلتا ہے، یہ مثنوی ۹۵۴ھ کی تصنیف ہے، نظامی کی شیرین خسرو کی بحر میں ہے، اس کا وامق آستانہ ساسانی والی سرحد خطا کا فرزند ہے،

اس کے بعد عہد اکبری میں مولانا صبحی نے ایک مثنوی لکھی جس کا ایک نادر اور تصنیف سے قریب تر زمانہ کا لکھا ہوا نسخہ کتب خانہ رامپور میں موجود ہے، آغاز اس بیت سے ہوا ہے، :-

خداوندا درے از وصل بکشا زفرعم رہ بسوئے اصل بنما

---

[1] فصیحی امیر عز المعالی کیکاؤس بن قابوس کے عہد کا مشہور شاعر ہے، [2] (Dictionary Biography
(arcnac

جلال الدین محمد اکبر کے نام پر معنون ہے، سنہ تصنیف کے متعلق کتاب سے کوئی صریحی شہادت دستیاب نہیں ہوئی، صرف یہ

پر شاہزادہ دانیال کے متعلق لکھا ہے کہ "گل نورستہ گلزار خوبی"

شہزادہ دانیال کی ولادت سنہ ۹۷۰ھ میں ہوئی، لہذا اس کو بھی اس کے قریب ہی کی تصنیف ہونا چاہیے، صفحی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اس داستان کو مجھ سے پہلے کسی شخص نے نظم نہیں کیا، (یا للعجب)

اس مثنوی کا وامق شاہ عرب کا فرزند اور عذرا، شاہ کشمیر کی نور نظر تھی، صفحہ ۲۲ پر اپنا وطن خراسان بتاتا ہے

صفحی کے بعد شیخ صرفی نے اسی بحر میں ایک مثنوی ترتیب دی جس کا ایک خوشخط باتصویر نسخہ کتاب خانہ رامپور میں محفوظ ہے، آغاز اس بیت سے ہوا ہے،

خداوندا حجاب از پیش بکشا،
بمشتاقان جمال خویش بنما،

سنہ تصنیف کے متعلق لکھتا ہے:-

بچشم شیخ صرفی دید لائق — کہ تاریخش بود معشوق و عاشق
(۹۹۳)

اس مثنوی کا وامق شاہ یمن کا شہزادہ اور عذرا شاہ استقار کی شہزادی تھی،

اس کے بعد مولانا قتیلی نے ابراہیم خان پسر جہانگیر بادشاہ کے حکم سے اس داستان کو لیلی مجنوں کی بحر میں نظم کیا، اشعار کی تعداد تقریباً چھ ہزار ہے، ابتدا اس شعر سے ہوئی ہے:-

اے نام خوش تو در دلہاست — دریاد تو ہست ہر چہ پیداست،

جہانگیر کے نام پر معنون ہونے شاعر نے اس مثنوی میں بھی دعوی کیا ہے، کہ مجھ سے پہلے کسی شخص نے وامق وعذرا کے حالات بمحبت نظم نہیں کئے، اس مثنوی کا بھی ایک نایاب خوشخط باتصویر نسخہ کتب خانہ رامپور میں محفوظ ہے، اس کا وامق ایک یمنی سردار کا فرزند اور عذرا، شاہ حجاز کی دختر ہے، جس کا سلسلہ نسب کیانیان تک پہنچتا ہے،

شاہ سلیمان صفوی کے زمانہ میں ظہیر اصفہانی نے ایک مثنوی لکھی، ظہیر کو چونکہ فن رمل نجوم، اور موسیقی سے خاص طور پر دلچسپی

تھی، اس لئے اوس نے اپنی مثنوی مین ان علوم کی اکثر اصطلاحات صرف کی ہین،

بارھوین صدی ہجری مین بہمد کریم خان ثرندر مرزا محمد صادق نامی نے ایک خمسہ تیار کیا، جسکی ایک کڑی مثنوی واقق و عذرا بھی تھی، اس مثنوی کی ابتدا اس شعر سے ہوئی ہے،

کردہ احسانے بقدر پایہ اش
دادہ از ہوش و خرد پیرایہ اش

اس داستان کا واقق شاہ یمن کا شہزادہ اور عذرا ایک خیمہ نشین دوشیزہ تھی، داستان کا خاتمہ اس طور پر کیا ہے،

چون بہ پیوستند باہم آن دو یار — آتش دل شعلہ ناگہ بر فروخت
نیک تر گرفتند ہم را در کنار — پیکر زیبائے آن ہر دو بسوخت

اس مثنوی کا ایک نسخہ برٹش میوزیم لندن مین پایا جاتا ہے،

ناصر اصفہانی نے بھی ایک مثنوی اس نام سے نظم کی ہے، ابتدا:-

بنام تازگی بخش بیانہا — نزاکت بخش آثار زمانہا

صہ ۲۴ پر لکھا ہے کہ میرا نام ناصری ہے، مین اصفہان کا رہنے والا ہون، سنہ تصنیف وغیرہ معلوم نہین ہوا، اس مثنوی کا ایک نسخہ رامپور لائبریری مین موجود ہے، اس مثنوی کا واقق الطبش بادشاہ خورستان کا فرزند اور عذرا، امشک بن دارا شاہ معرب کی شاہزادی ہے،

یہ مثنوی ۱۸۸۹ء مین لکھنؤ مین طبع ہو چکی ہے،

مولوی مظفر حسین صبا نے تذکرہ روز روشن ۱۲۵۵ھ مین لکھا ہے، کہ ملا محمد علی استرآبادی قمحی نے بھی مثنوی واقق و عذرا، تصنیف کی ہے،

علاوہ ان کے حاجی محمد حسین قزوینی نے ایک ستہ ترتیب دیا جسمین واقق و عذرا بھی تھی،

اودھ کٹلاگ کے صہ ۲۷ پر کمال الدین حسین کی بھی ایک مثنوی درج ہے،

مرزا ابراہیم نے بھی اس قصہ کو تالیف کیا ہے، جس کا ایک نسخہ برلن لائبریری مین موجود ہے،

نظامی گنجوی کی قبر

از قاضی احمد میاں اختر، جوناگڑھی

ایران کے سرآمد شعرا حضرت شیخ نظامی گنجوی شہر گنجہ مین پیدا ہوئے، اور وہین مدفون ہوئے، انھون نے سکندر نامہ مین یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ انکی قبر نیکون کی زیارت گاہ ہو:- ؎

نگویم بداندیش را نیز بد — کزان گفتہ باشم بداندیش خود

بدین نیکی آرند بر من فزود — زنیکان واز نیکنامان درود

وزین حال گر نیز گردان شوم — زیارتگہ نیک مردان شوم

ان کی یہ دعا مقبول ہوئی، چنانچہ صاحب آتشکدہ کا بیان ہے کہ

"شیخ در گنجہ مدفون است و مزار کثیر الانوار ش حال نیز محل زیارت اکابر و اعاظم آن دیار میباشد"[1]

اس کا ثبوت ذیل کے واقعات سے بھی ملتا ہے:-

(۱) اسکندر منشی نے اپنی تاریخ مین[2] لکھا ہے کہ ۱۰۱۲ھ مین شاہ عباس صفوی کی فوجین جب گنجہ کے قریب پہنچین تو شیخ نظامی کی تربت پر پڑاؤ ڈالا، اور وہین بروز شنبہ ۱۵ ذوالقعدہ ۱۰۱۲ھ (۲۵ مارچ ۱۶۰۶ء) کو جشن نوروز منایا گیا

(۲) اسی طرح شاہ ناصر الدین قاچار نے اپنے سفرنامہ[3] مین لکھا ہے کہ سفر یورپ سے واپسی کے بعد الزابیتہ پول (گنجہ) جاتے ہوئے انھون نے شیخ نظامی کے مقبرہ کی زیارت کی جو شہر سے آدھا میل دور بر سر راہ واقع ہے، اور نہایت معمولی درجہ کا اور کچی اینٹون سے تعمیر کیا ہوا نہایت شکستہ اور منہدم حالت مین ہے،

نظامی کی قبر اس وقت کس جگہ اور کیسی حالت مین ہے، اس کے متعلق روس کی انجمن آثار قدیمہ کے رسالہ "زپسکی"

---

[1] آتشکدہ صفحہ ۲۴۲ طبع بمبئی [2] تاریخ عالم آرائے عباسی صفحہ ۴۹۸ مطبوعہ طہران، [3] سفرنامہ شاہ ایران صفحہ ۱۷۰ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۸۷۶ء

(زاپسکی ورستاک Zapiski Vostok) جلد ۲ صفحہ ۳۵ - ۳۴، مین، روسی مستشرق بارٹولڈ (Bartold) کے قلم سے ایک مضمون روسی زبان مین شائع ہوا ہے، رسالہ کا پورا نمبر تو نہ مل سکا مگر اس اصل روسی مضمون کی مطبوعہ نقل مع عکس مزار نظامی ایک جرمنی کتب فروش کی بدولت ہم کو دستیاب ہوئی ہے، اور روسی زبان سے عدم واقفیت کی دشواری کو ہمارے کرمفرما مشہور روسی مستشرق پروفیسر آئی دنوو (W. Ivanow) نے حل کر دیا ہے، جو "اسماعیلیات" کے ماہر خصوصی ہین، چنانچہ اسی مضمون کی بنا پر ہم قبر نظامی کے متعلق بعض معلومات پیش کرتے ہین،

شہر طفلس کے عجائب خانہ کوہ قاف (Caucasian Museum) کے ناظم نے، کانکو کی اطلاع کے مطابق قبر نظامی کے کھنڈر مقامی طور پر "شیخ نظامی" کے نام سے مشہور ہین، اور الزابیتھ پول (گنجہ) سے[1] جو تمامتر روسی حکومت کے ماتحت ہے، چار ورسٹ[2] کی مسافت پر اس قدیم طریق البرید (Old Postroad) کے قریب واقع ہین جو گنجلو (Dalmazzar) کے اسٹیشن کو جاتا ہے،

مرزا محمد آخوندوف (گنجوی) نے ایک رسالہ بعنوان "شیخ نظامی" آذربائجانی ترکی زبان مین لکھا تھا جو ۱۹۰۹ء مین گنجہ یا الزابیتھ پول سے شائع ہوا تھا، مؤلف نے اس کو یورپی ماخذ سے مرتب کیا ہے اور قبر نظامی کا عکس بھی اس مین دیا ہے، اس رسالہ کے مطابق قبر نظامی در اصل "قدیم شہر" (گنجہ) مین واقع ہے، مؤلف اس قبر کی شکستہ حالت کا ذکر کرتے ہوئے عالم اسلامی کا مقابلہ یورپ سے کرتا ہے، جہان اہل علم کی بہت قدر کیجاتی ہے، وہ لکھتا ہے کہ "شعرائے اسلام، سعدی، حافظ، فضولی، خاقانی، قاآنی وغیرہ کے مقابر اس وقت شکستہ حالت مین پڑے ہوئے ہین، اور کسی سے اتنا نہین ہو سکتا کہ انکی مرمت کرائے"[3]

مؤلف نے اس رسالہ کی آمدنی تمامتر قبر نظامی کی مرمت کے لئے وقف کر دی ہے، لیکن یہ نہین معلوم ہو سکا کہ اس کے بعد قبر نظامی کی مرمت کسی نے کرائی یا نہین؛ واللہ در حق قال:-

---

[1] مشرقی جانب (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۲ ص ۱۳۱) [2] تقریباً ۲-۳ میل [3] شاید مؤلف کو سعدی اور حافظ کے مقبرون کا صحیح علم نہین ہے کہ وہ اس وقت بہت آباد اور اچھی حالت مین ہین، اور شیراز مین سعدیہ اور حافظیہ کے نام سے مشہور ہین

نہ گورِ سکندر ہے قبر دارا ہے نامیوں کے نشان کیسے کیسے

۱۳۲۵ھ مین قبر نظامی کی قابل افسوس کس مپرسی کی حالت کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک ایرانی اہل قلم نے لکھا ہے کہ

"واز قرار تقریر بعضی کہ چند سال قبل دیدہ اند محوطۂ مقبرۂ این حکیم بزرگ جائے ستوران و حیوانان شدہ با وجود احترامی کہ بزرگان فرنگ از آثار حکمای ہر ملت و طائفہ دارند جای تعجب است کہ چرا اُمنای دولت معظمۂ امیرالحریہ در تعمیر و تنظیف مقبرۂ این بزرگوار اہمال کردہ غمض عین فرمودہ اند امیدوارم بعدہ ملتفت این نکتہ شدہ آنچہ لازمۂ احترام و نگاہداری ہمیشہ آنجناب است معمول دارند"[1]

[1] دیباچہ خمسۂ نظامی مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲،

تاریخ صقلیہ جلد اوّل

از مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی

مسلمانون نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی اور اسپین کیسوا اسکو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریباً پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس کہ اسکی کوئی تاریخ اردو انگریزی مین کہین بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدون مین اسکی تاریخ مرتب کیگئی ہے، جنمین سے پہلی جلد اب شائع ہوگئی ہے جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہے، اس مین صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملون کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دورون کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ اور جزائر صقلیہ مین مسلمانون کے مصائب اور جلا وطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، کتاب مین چند رنگین نقشے بھی منسلک ہین،

ضخامت مجموعی ۵۵۲ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ قیمت:- للعہ

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

قصۂ آدم وحوا کی اثری تائید

"حضرت ابراہیمؑ کے شہر اور کی کھدائی اور اس کے آثار کا تذکرہ اس سے پہلے ان صفحات مین آچکا ہے، ماہرین آثار قدیمہ آجکل ایک دوسرے شہر کی کھدائی مین مصروف ہین، اور خیال ہے کہ یہ شہر اور سے بھی قدیم تر ہے، اسکی کھدائی مین ایک مصور ٹھیکرا دستیاب ہوا ہے، اس کے متعلق علمائے آثار کا خیال ہے، کہ یہ حضرت آدم وحوا کے قصہ کی تمثیل ہے، اسی پر رسالہ الہلال مصر بابت ماہ مئی مین ایک مختصر مقالہ آیا ہے، اسکی تلخیص ذیل مین پیش کیجاتی ہے"

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کا قصہ تمام قدیم قومون مین مشہور و متداول ہے، توراۃ مین یہ قصہ جس طرح مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا اور انکی ناک مین ایک زندہ روح پھونکی، اور انکی اعانت کے لیے ان کے ساتھ حضرت حوا کو اس طرح پیدا کیا کہ پہلے ان پر نیند طاری کی اور جب وہ سو کر اٹھے تو اپنے پہلو مین حوا کو پایا اور ان کے ساتھ ایک شاداب باغ مین رہنے لگے، اس باغ کے درختون مین سے خداوند تعالیٰ نے ان پر صرف ایک درخت کے پھل کھانے کی ممانعت کی تھی یعنی خیر و شر کے معرفت کا درخت، لیکن اس ممانعت سے حضرت آدم اور حوا کے دل مین اس درخت کی طرف رغبت پیدا ہوئی، اور شیطان نے سانپ کی شکل مین نمایان ہوکر حوا کو اس درخت کے پھل کھانے کی ترغیب دی، اور وہ اسکی باتون مین آگئین، خود اسکا پھل کھایا اور حضرت آدم علیہ السلام کو بھی کھلایا، نتیجہ یہ ہوا کہ دونون اس جرم مین جنت سے نکالے گئے،

یہ اس قصے کا خلاصہ ہے، اور علمائے آثار متفق اللفظ ہین کہ انسان اول کا ظہور اس ملک مین ہوا جو بین النہرین

کے نام سے مشہور ہے، اور "جنت عدن" سے چاہے کوئی حقیقی جگہ مراد ہو یا مجازی لیکن توراۃ کے تمام قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسی ملک مین تھی اور اسکی فضاء اسکی آب وہوا اور اس کے پھول پھل انسان کی ترغیب کا بہترین ذریعہ تھے،

حال کی اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ علمائے آثار نے چند ایسے جدید آثار کا سراغ لگایا ہے جن سے حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کے قصے کی تائید ہوتی ہے، یہ آثار شہر "تیب جورا" مین ملے ہین جو انسان کے آباد کردہ شہرون مین سب سے قدیم ہے اور چھ ہزار سال سے پہلے آباد کیا گیا ہے،

یہ اثر ایک ٹھیکرا ہے جس پر ایک مرد اور ایک عورت کی تصویر بنی ہوئی ہے جنکی پیٹھ رنج وغم سے ٹیڑھی ہوگئی ہے، اور ان کے چہرے سے پریشانی ظاہر ہورہی ہے، دونون برہنہ جنت سے نکلے ہین اور اُن کے پیچھے ایک سانپ کھڑا ہوا ان کا انتظار کررہا ہے، ٹھیکرے پر عورت اور مرد کا نام لکھا ہوا نہین ہے، لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ دونون سانپ کے فریب مین آگئے ہین اور اسکی وجہ سے اس باغ سے نکال دیے گئے ہین، جسمین دونون رہتے تھے،

تحقیقات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس نقاش نے یہ تصویر بنائی ہے وہ ۳۰۰۰ قبل میلاد مین تھا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم وحوا کا قصہ جس زمانے مین لکھا ہے اس سے دو ہزار سال پہلے اسکا وجود تھا، ٹھیکرے پر اس تصویر کے بنانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ عام طور پر مشہور تھا اور ممکن ہے کہ دنیا کا پہلا قصہ یہی ہو،

شہر "تیب جورا" جسکا ذکر اوپر گذر چکا ہے ملک مابین النہرین کے شمال شرقی جانب واقع ہے اور ایک علمی جماعت نے ڈاکٹر سنیزر کی صدارت مین اس کے کھنڈرون کی تحقیقات کی ہے، یہ جماعت چند سال سے کلدانیون کے شہر اُر کے کھنڈرون کی تحقیقات کررہی تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جنم بھوم ہے، اور جس کی نسبت علماء کا خیال تھا کہ وہ دنیا کا سب سے قدیم شہر ہے، اس کے بعد شہر تیب جورا کے کھنڈرون کا پتہ چلا تو معلوم ہوا کہ وہ اُر

سے بھی قدیم تر ہے بلکہ اگر ہم غارون اور چھوٹے چھوٹے گانون کو مستثنیٰ کرلین تو وہ دنیا کا سب سے قدیم شہر ہے اور اس حیثیت سے اگر اس کے کھنڈرون مین قصۂ آدم وحوا کے آثار ملین تو کوئی عجیب بات نہین ہے،

علمائے آثار نے جب مابین النہرین کے کھنڈر کھودنے شروع کئے، تو اس وقت وہ اشور، بابل اور کلدان کی تاریخ سے بہت کم واقف تھے، صرف توراۃ کے ذریعہ سے ان کو یہ معلوم تھا کہ ان ممالک مین ایک تمدن پیدا ہوکر مٹ گیا، لیکن ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ تمدن کیونکر پیدا ہوا؟ کیونکر بڑھا، اور ان پر کس قدر دور گذرے، کنعانیون، فلسطینیون اور عبرانیون کے تمدن اور ان کے باہمی تعلقات کا بھی یہی حال تھا، لیکن گذشتہ صدی کے نصف اخیر مین ان علماء نے ان تباہ شدہ اقوام کے آثار کی تحقیقات شروع کی، اور ان کے تمدنی نہ تک پہنچنا چاہا، ان کوششون کی بدولت بہت سے ایسے آثار ملے جن کے مطالعہ سے اُن تعلقات کا پتہ چلا جو عبرانی تمدن اور دوسری تباہ شدہ اقوام بالخصوص اشوری اور بابلی تمدن کے درمیان پائے جاتے تھے، اس بحث ومطالعہ کے ذریعہ سے ان قومون کی بہت سی مذہبی باتون کا پتہ ملا جنمین ایک قصۂ طوفانِ نوح کا بھی تھا جو بابلیون کے قصون کے درمیان پورا موجود تھا انکو یہ بھی معلوم ہوا کہ بابلی ارواح، ملائکہ، کروبیم، اور سراقیم پر جو عبرانی مذہب مین مذکور ہین ایمان رکھتے تھے،

ان باتون کے معلوم ہوجانے کے بعد ان کے لیے قصۂ آدم وحوا کی واقعیت کوئی عجیب چیز نہ تھی کیونکہ قوی دلائل سے بابلی اور عبرانی آداب مین مستحکم تعلقات ثابت ہوچکے تھے، اس لئے ممکن ہے کہ ان قومی قصون اور مذہبی روایتون کا جو بابلیون اور عبرانیون مین منقول ہوتی چلی آتی تھین ماخذ ایک ہو بلکہ دوسرے قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم وحوا، اور ان کی لغزش کا قصہ اہل بابل کے درمیان بھی مشہور تھا کیونکہ علما، کو ایسے آثار ملے ہین، جنمین اس قصے کی طرف غیر صریح اشارات پائے جاتے ہین، یہ تو علما، کے ایک گروہ کی رائے ہے، لیکن دوسرے گروہ کے نزدیک ان قرائن سے صراحۃً آدم وحوا، کا قصہ معلوم ہوتا ہے،

اسی طرح بابلیون اور عبرانیون کی مذہبی روایات کے باہمی تعلق مین علما، کا اختلاف ہے، لیکن مشہور یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن سے یہودی قوم علمائے تورات کے نزدیک پیدا ہوئی، اپنی جنم بھوم اور سے

ہجرت کی، اگرچہ اس شہر کو اور کلدانی کہا جاتا ہے لیکن حقیقت مین وہ اپنے لفظی معنی کے لحاظ سے ایک بابلی شہر تھا اس بنا پر اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام بوقت ہجرت کچھ بابلی قصے اپنے ساتھ لیتے گئے ہون تو یہ کوئی عجیب بات نہین ہے، کچھ زمانے کے بعد "ارض موعد" مین یہودیون اور کنعانیون کا اجتماع ہوا، اور کنعانیون اور فلسطینیون مین نسبی تعلقات قائم تھے اور ان سے انھون نے بہت سے قصے نقل کئے جنمین آیندہ زمانے مین تغیر و تحریف نے راہ پائی اس لیے جب کنعانیون اور فلسطینیون کے ساتھ عبرانیون کا اجتماع ہوا اور ان سے اہل بابل کی بہت سی روایتین سنین تو ان کو اس پر کوئی حیرت نہین ہوئی،

یہ سوال بے شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ آدم و حوا کی تخلیق کا قصہ اہل بابل تک کیونکر پہنچا ؟ ماہرین سردست اس کا کوئی جواب نہین دیتے، وہ صرف اسیقدر کہتے ہین کہ اتنا ضرور ثابت ہے کہ یہ قصہ لوگون کو کم از کم حضرت موسیٰ سے دو ہزار سال پہلے یا اس سے بہت پیشتر معلوم تھا،

"ع"

جدید ترکی زبان مین ایک جدید تاریخ عالم

حال مین غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے تاریخ عالم پر ایک کتاب اپنی نگرانی مین لکھوا کر جدید رسم خط مین شائع کی ہے اسکا مقصد نوجوانان جمہوریہ مین قومیت کی ایک تازہ روح پیدا کرنا ہے، عیسائی رسالہ "مسلم ورلڈ" (اپریل ۱۹۳۳ء) مین اس پر ایک مضمون نکلا ہے، اہل مغرب اسلام اور مسلمانون سے متعلق اپنی قدیم ذہنیت کو جس طرز جدید مین چھپانے کی کوشش کرتے ہین وہ اس مضمون مین بھی ظاہر ہے، تاہم نفس مضمون کے لحاظ سے اس کا مطالعہ ناظرین کیلئے دلچسپ ہوگا، ذیل مین ہم اسکی تلخیص پیش کرتے ہین :-

غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے حال مین تمام دنیا کی تاریخ چار جلدون مین شائع کی ہے، ترکی قوم کے موجودہ دور حیات مین اس کتاب کی اشاعت ایک خاص اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ یہ کتاب ملک کے سامنے دنیا کا ایک جدید منظر پیش کرتی ہے، یہ تالیف اس نظام عمل کا ایک جزو ہے جو ترکون کی قدیم ذہنیت کی جگہ ایک جدید ذہنیت پیدا کرنے کے لیے قائم کیا گیا ہے، ان جلدون مین ابتدائے آفرینش سے زمانہ موجودہ تک کے حالات درج ہین

چونکہ جدید رسم خط نے موجودہ نسل کو تمام قدیم ترکی خیالات سے منقطع کر دیا ہے، لہذا یہ کتاب اس خلا کو پُر کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہے، پہلی جلد مین زمانہ قبل تاریخ سے یونانی اور رومن عہد تک کے حالات ہین، دوسری جلد مین قرونِ وسطیٰ کی تاریخ ہے، جسمین آلِ عثمان سے قبل کی ترکی سلطنتون کے حالات زیادہ تفصیل سے بیان کئے گئے ہین، تیسری جلد مین سلطنت عثمانیہ اور یورپ کیساتھ اس کے تعلقات کا بیان ہے، اسی مین قرونِ وسطیٰ کے آخری دور اور یورپ جدید کی تاریخ کا بھی ایک جزو شامل ہے، چوتھی جلد مین جنگ عمومی کے خاتمہ پر جمہوریہ ترکی کے قیام کی تاریخ اور گذشتہ دس سالون کے حیرت انگیز کارنامون کا ذکر ہے،

یہ تاریخ آفرینش کی بحث سے شروع ہوتی ہے اور عام اسلامی عقیدہ کے خلاف بیان کرتی ہے کہ دنیا کے نشو و نما مین خدا کو کوئی دخل نہین تھا، جیسا کہ اسلام سے واقفیت رکھنے والون کو معلوم ہے حضرت محمد (صلعم) کی بڑی دلیل خدا کے وجود پر یہی تھی کہ اس نے کائنات کو پیدا کیا، اس کا ذکر بار بار قرآن مین آتا ہے اور خدا کے اسلامی نامون مین "خالق" ایک عام نام ہے،

یہ تاریخ ترک مورخین کی ایک جماعت نے غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی ذاتی ہدایت کے ماتحت تیار کی ہے، یہ مشرق و مغرب کی تاریخی تصانیف پر مبنی ہے اور اسکی تالیف مین بہت احتیاط برتی گئی ہے، ملک مین جتنے ثانوی یا اعلیٰ مدارس ہین ان سب کے طلبہ کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے، اور ابتدائی مدارس کے اساتذہ سے یونیورسٹی کے اساتذہ تک ہر ایک کے لیے اس کتاب کا خریدنا ضروری قرار دیا گیا ہے، یہ اساتذہ سرگرم مقامی لیڈر ہوتے ہین، اور ان کا اثر قومی کلبون اور اسی طرح کے دوسرے اداروں پر کافی ہوتا ہے، اس طرح یہ لوگ اس کتاب کے مضامین سے عامۃ الناس کو باخبر اور مطلع کرتے رہین گے، چونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس کتاب کی تالیف مین صدر جمہوریہ نے حصہ لیا ہے، اور اسی نے اس کے اصول مرتب کئے ہین، اس لیے عام لوگون پر اسکا اثر بہت نمایان طور پر پڑے گا، اور چونکہ لکھنے والون کی جماعت مین ملک کے تقریباً تمام مورخین شامل ہین اسلئے تعلیم یافتہ طبقون مین بھی کتاب وقعت کی نگاہ سے دیکھی جائیگی،

حیات انسانی کے ابتدائی دور کے بیان مین ترکون کی اصل و ابتدا پر ایک مفصل بحث ہے، یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ زمانۂ قدیم مین جو قومین وسط ایشیا سے کوچ کرکر کے مغرب کی صرف روانہ ہوتی تھین وہ ترکی النسل تھین دکھایا گیا ہے کہ قدیم ترک ایک طاقتور نسل کے لوگ تھے، اور ایک قدیم تہذیب و تمدن کے مالک تھے،

عہد تاریخی مین سلطنت روما کے زوال کے بعد مختلف ترکی مملکتون کا ذکر تفصیل کیساتھ کیا گیا ہے، اور دکھایا گیا ہے کہ دیوار چین کی تعمیر کے بعد ہی ترکون نے مغرب کی جانب کوچ کرنا شروع کیا، اور اس دیوار کی تعمیر ہی بعد مین سلطنت روما پر وحشی اقوام کے حملہ کا باعث ہوئی، چین کے متعدد شاہی خاندان ترکی النسل تھے، اسیطرح ہندوستان کے شاہان مغلیہ اور مصر کے شاہان مملوک بھی ترک ہی تھے، چین سے جو کاروان یورپ کو جایا کرتے تھے وہ وسط ایشیا کی مختلف ترکی سلطنتون سے ہو کر گذرتے تھے، اور اس طرح قطب نما، بارود، اور چھاپنے کی مشین یورپ پہنچی، کئی سو برس تک یورپ کے طبی مدارس مین فاضل ترکی طبیب ابو علی سینا ہی کی تصانیف کا درس دیا جاتا تھا، کتاب مین اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ ان تمام عہدون مین ترک صلح پسند اور متمدن تھے، یہ تالیف اس خیال کو مٹا دینا چاہتی ہے کہ ترک ایک جنگجو قوم ہے، برخلاف اس کے یہ ترکون کو تہذیب و تمدن کا علمبردار دکھانا چاہتی ہے،

عہد عثمانیہ کے بیان مین دیمقراطی حکومت کے فوائد سلاطین گذشتہ کے نقائص سے مقابلہ کرکے دکھائے گئے ہین، یورپ کی قدیم مالیاتی محکومی اور اس کے برے اثرات نمایان طور پر پیش کئے گئے ہین، ترکی پالیسی معاشیاتی آزادی ہے اور گذشتہ چند سالون مین ترکون نے اس پالیسی کو برقرار رکھنے کے لیے خوشی سے بہت سی سختیون کو برداشت کر لیا ہے،

مسیحیت کی طرف ترکون کے معاندانہ رویہ کے متعلق جو خیال عام طور پر پھیلا ہوا ہے، اس کے لحاظ سے اہل مغرب کو اس رویہ پر حیرت ہے جو اس کتاب مین یہودیت اور مسیحیت کی طرف ظاہر کیا گیا ہے، اسمین تورات کی بہت کچھ ستایش کیگئی ہے اور دکھایا گیا ہے کہ یورپ کے لٹریچر اور آرٹ پر اس کا بہت زیادہ اثر پڑا ہے،

حضرت عیسیٰؑ کے حالات سلطنت روما مین مسیحیت کی اشاعت کے سلسلہ مین بیان کئے گئے ہین، انکے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ انسان تھے، ان کو رسمی طریق پرستش سے کوئی سروکار نہ تھا بلکہ وہ ایک بہتر زندگی کی بشارت لائے تھے، اس کے بعض جملے یہ ہین:- "وہ وحدانیت باری تعالیٰ کے عقیدہ کی تعلیم دیتے تھے حضرت عیسیٰ کا اصول مذہب دلون کو بلند اور متحد کرنا تھا نہ کہ پرستش کے طریقے تجویز کرنا . . . . . ابتدائی مبلغین کے خلوص ایثار، اور جرأت کی وجہ سے لوگون نے مسیحیت قبول کی" حضرت عیسیٰؑ کے متعلق عزت و احترام کا یہ رویہ نیز ان کی وہ سوانح عمری جو حکومت کی طرف سے شائع ہوئی ہے ظاہر کرتی ہے کہ اب قدیم تعصبات اور نفرت کو جو ہر عیسائی شے سے تھی برطرف کرنے کی ایک مستقل خواہش پیدا ہوگئی ہے،

چوتھی جلد مین مختصر طور پر ان حیرت انگیز کارنامون کا بیان ہے جو جدید ترکی نے غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی قیادت مین گذشتہ دس سال مین دکھائے ہین، اس جلد کے پہلے حصہ مین اس فوجی مہم کا ذکر ہے جس نے ترکی کو دول متحدہ کی سطح پر لا کھڑا کر دیا، اس کے بعد اصلاح کے مختلف شعبون کا بیان ہے، جسمین قانونی، مذہبی، اور مدنی اصلاحات شامل ہین، جدید قومی نظام مدارس کی ترقی کا بیان اور مسجدون کے قدیم مکاتب کے منسوخ کئے جانے کا ذکر ہے، اس جلد مین دکھایا گیا ہے کہ کیونکر وہ اختیارات جو سلطان کی ذات کے ساتھ مخصوص تھے، جمہوریہ کی مجلس قومی کو تفویض کر دیئے گئے،

ترکی حال مین جس انقلاب سے گذری ہے اس کے متعلق مشرق و مغرب کے بہت سے اہل قلم نے مضامین اور کتابین لکھ ڈالی ہین اور ہر ایک نے اس انقلاب کے متعلق مختلف نقطہ ہائے نظر پیش کئے ہین، لیکن اس جلد مین ہمین سرکاری بیان ملتا ہے جو انھین لوگون کا پیش کردہ ہے، جو اس انقلاب کے بانی ہین، اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سامنے کون سے مقاصد تھے، جو کچھ انھون نے کیا وہ کیون کیا، اور کیونکر انھون نے ان مقاصد کی تکمیل کی،

"ع ز"

ادبیات

خونِ جگر

از حضرت جگر مراد آبادی،

نہ راہزن، نہ کسی رہنما نے لوٹ لیا
ادائے عشق کو، رسمِ وفا نے لوٹ لیا

نگاہِ لطف کی اک اک ادا نے لوٹ لیا
وفا کے بھیس مین، اس بے وفا نے لوٹ لیا

نہ پوچھ شومیِ تقدیر خانہ بر بادی
جمالِ یار کہان، نقشِ پا نے لوٹ لیا

وہ دل کو توڑ کے بیٹھے تھے مطمئن کہ انھین
شکستِ شیشۂ دل کی صدا نے لوٹ لیا

قسم ہے تیری پشیمان نگاہیون کی قسم
مجھی کو خود مری شرمِ وفا نے لوٹ لیا

شکایتِ دلِ ایذا طلب کو کیا کیجے
تمام کیف تو شکرِ جفا نے لوٹ لیا

کسی بہارِ مجسم کا آہ کیا شکوہ
مرے ہی اس دلِ رنگین قبا نے لوٹ لیا

وہ ایک قطرۂ خون بچ رہا تھا جو دل مین
اُسے بھی گوشۂ چشمِ حیا نے لوٹ لیا

زبان خموش، نظر بے قرار، چہرہ فق
تجھے بھی کیا تری کافر ادا نے لوٹ لیا

"وہی ہے، وہی آواز ہے وہی انداز"
مجھے تو اس دلِ آفت نوا نے لوٹ لیا

دلِ تباہ کی روداد اور کیا کہئے
خود اپنے شہر کو فرمان روا نے لوٹ لیا

قریب دل ہی یکایک اٹھے تھے کچھ فتنے
یہین کہین کسی محشر ادا نے لوٹ لیا

نہ اب خودی کا پتہ ہے نہ بیخودی کا جگرؔ
ہر ایک لطف کو لطفِ خدا نے لوٹ لیا

نظامِ زندگی

از

جناب سید حامد حسین صاحب اثر بی اے ایل ایل بی علیگ

جادۂ حق پر نہ ہو جب تک خرامِ زندگی
زندگی کی صبح اچھی کچھ نہ شامِ زندگی

پنجروزہ ہے زمانہ مین قیامِ زندگی
پانچ حرفون سے مرکب یون ہے نامِ زندگی

موت کے طالب کو حاصل ہے دوامِ زندگی
آرزوے زندگی ہے اختتامِ زندگی

کچھ کٹی قیدِ قفس مین کچھ رہی نذرِ جنون
میری قسمت سے ہوا یون انقسامِ زندگی

شمع جل کر کہہ رہی ہے گریۂ پیہم کے ساتھ
صبح ہو جاتی ہے کتنی جلد شامِ زندگی

موت کے پردہ مین پنہان ہے کوئی شکلِ حسین
خود بخود اوٹھتا چلا جاتا ہے گامِ زندگی

شہرِ گورستان دونون زندگی کے نام ہین
اک مقامِ موت ہے، اور اک مقامِ زندگی

جس کی غیرت اوٹھ گئی جس کی حمیت اُٹھ گئی
ہو چکا اس قوم کا لبریز جامِ زندگی

فرقہ بندی سے نہ ہو خطرہ مین کیون قومی بقا
ربط ہی تو ہے عناصر کا نظامِ زندگی

ہر نفس بے کل نہ ہو جن کا خیالِ قوم سے
ایسے لوگون کے لئے ہے ننگ نامِ زندگی

راہِ حق مین جان دینا ہی ہے مقصودِ حیات
موت ہی کے نام سے زندہ ہے نامِ زندگی

ایسی کوئی شے نہین ہے، جو فنا سے بچ سکے
موت ہو سکتی نہین، ہرگز غلامِ زندگی

تفرقہ کے ذکر سے بہتر ہے ذکرِ اتفاق
وہ پیامِ موت ہے یہ ہے پیامِ زندگی

کامیابی رہتی ہے بے تاب کچھ اُن کے لئے
دیتی ہین ناکامیان جن کو پیامِ زندگی

آشنائے رمزِ خودداری ہیں جو قومین، اثر
قابلِ تعریف ہے ان کا نظامِ زندگی

مطبوعات جدیدہ

مقدمات عبدالحق، حصۂ اوّل و دوم، مرتبہ جناب مرزا محمد بیگ صاحب، حجم ۴۰۹، ۲۱۲،
تقطیع چھوٹی، قیمت سے روگار تبہ:- مکتبہ ابراہیمیہ، اسٹیشن روڈ، حیدرآباد، دکن،

مولوی عبدالحق صاحب، سکریٹری انجمن ترقی اردو کی علمی و ادبی خدمات کا بڑا ذخیرہ ان مقدمون کی شکل مین ہے، جو وہ مختلف کتابون پر اپنی علمی و ادبی زندگی کے دور آغاز سے ابتک لکھتے رہے ہین، جن کتابون پر مولوی صاحب موصوف کے مقدمے تھے، ان مین سے اکثر مین نہ صرف "لونی لگنی شروع ہوگئی" بلکہ بعض کتابین اور رسالے ایک مدت گذری کہ اپنی زندگی پوری کرکے گمنام ہوچکے ہین، اور انھی کے ساتھ وہ مقدمے بھی دفن ہوچکے تھے، مرتب نے اپنے اس مجموعۂ مقدمات سے ان گمشدہ تحریرون کو ایک مرتبہ پھر نگاہون کے سامنے کردیا ہے، یہ مقدمے دو ضخیم جلدون مین سمائے ہین، پہلے حصہ مین "اسلامیات" "سائنس و فلسفہ" اور "تاریخ و تذکرہ" پر ۱۴ مقدمے ہین، اور دوسرے حصہ مین "ادبیات" "لسانیات" اور "متفرقات" کے عنوانون سے چند مقدمے ہین،

مولوی صاحب موصوف کی علمی و ادبی زندگی کا بڑا حصہ اسی مقدمہ نویسی مین بسر ہوا، ان کا خاص فن "ادب اردو اور اس کی تاریخ" ہے، اسلیے مقدمات کی بیشتر تعداد کسی نہ کسی نوع سے اسی موضوع سے متعلق ہے، اور چونکہ ان مین سے ہر مقدمہ الگ الگ کتاب پر تھا، اور بسا اوقات انھون نے ایک ہی مصنف کی علٰحدہ علٰحدہ کتابون پر جدا جدا مقدمہ لکھا ہے، اس لیے مضامین و مباحث کی تکرار کا ہونا ضروری تھا، جس کا احساس اس مجموعہ شکل مین زیادہ ہوتا ہے، مولوی صاحب موصوف اردو ادب کی تاریخ مین اور اردو کے بعض انشا پردازون کے متعلق اپنے خاص خیالات اور اپنی منفرد تنقید اور رائے لکھتے ہین، جو ان مقدمات مین کم و بیش ہر جگہ نمایان ہے

اور بلکہ مولوی صاحب کو اردو کے بعض مسلم انشا پردازوں اور ناقدوں سے جو دیرینہ اختلاف رہا ہے، اسکی بو نہ صرف ادب اور تاریخ ادب کے مضامین مین آتی ہے، بلکہ وہ رائے اور تنقید سے گذر کر ذاتیات کے حدود تک پہنچ گیا ہے، جس کی نمایان مثال "مقدمۂ تمدن ہند" ہے، جس مین تمدن ہند کے مترجم شمس العلماء ڈاکٹر سید علی بلگرامی کے سوانح حیات مین بے ضرورت اور بے محل طور پر بعض ایسی شخصیتون پر خواہ مخواہ کے ذاتی حملے کئے گئے ہین، جن سے مولوی صاحب کو ان کی زندگی مین اختلاف رہا، اور انکی وفات کے بعد بھی انھون نے انھین کبھی کسی کلمۂ خیر سے یاد نہ فرمایا، ہمین اس کا افسوس ہے کہ مرتب "مقدمات عبدالحق" نے اس مجموعہ کو شائع کرنے سے پیشتر مولوی صاحب کی خدمت مین پیش نہین کیا کہ شاید وہ وقت کی ان گرم تحریرون کو جن مین سے بعض محض جذبات اور ماحول کے لحاظ سے قلم سے نکلی ہونگی، اس عہد پیری مین کسی معتدل شکل و صورت مین لے آتے اور تلافی مافات بھی ہو جاتی، بہرحال مرتب صاحب موصوف اردو کے ایک پرانے خدمتگذار ہین، اور اردو دانون پر ان کا یہ جائز حق ہے کہ وہ اُن سے اپنی تحریرون کے پڑھنے کو سفارش کرین، اور ہمارے نوجوانون کے لیے بھی یہی سزاوار ہے کہ وہ بزرگون کی ہر قسم کی تحریرین دیکھین، کہ رطب و یابس کا فیصلہ تو وہ اپنے ذوق سلیم سے خود کرلین گے،

سید الانبیاء، از تھامس کارلائل مترجمہ جناب محمد اعظم خان صاحب، حجم چھوٹی تقطیع کے ۸۸ صفحے، قیمت مجلد عہ، مترجم سے نصیر دلا، عثمان پورہ، حیدرآباد، دکن کے پتہ سے مل سکتی ہے،

"سید الانبیاء" کارلائل کے مشہور سلسلۂ خطبات "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" مین سے خطبۂ "محمد" (صلعم) کا اردو ترجمہ ہے، کارلائل نے اس خطبہ کے ذریعہ ایک ایسے زمانہ مین یورپ مین آنحضرت صلعم کے صادق القول ہونے کا بالاعلان اعتراف کیا تھا، جب کلیسا کے پادریون، اور عام متعصب مستشرقین کی نہایت گمراہ کن روایتین اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق یورپ مین پھیلی ہوئی تھین، لیکن اسی قدمین زہر بھی ملا ہے، کارلائل نے کچھ تو مجمع کے جذبات کا پاس کرکے، اور کچھ اپنے غلط ماحول، اور واقعات کو صحیح روشنی مین نہ دیکھ سکنے کے باعث، بعض بے معنی اور مبنی بر غلط افکار بھی پیش کئے ہین، مترجم نے اپنے دیباچہ مین اُن غلطیون پر قارئین کو متنبہ کر دیا ہے، کارلائل

انگریزی زبان کا مستند و ممتاز انشا پرداز ہے، مترجم نے کوشش کی ہے، کہ اس کے زور بیان اور تشبیہ و استعارات کے استعمال کو بھی اردو مین حسب مقدرت نباہ لے، اور اس مین شبہ نہین کہ ترجمہ کی زبان مین سلاست اور لطف بیان پیدا ہوگیا ہے، تاہم کہین کہین ترجمہ کی عبارت سست بھی رہ گئی ہے، (مثلاً ص ۳۴ وغیرہ) اور اندازہ ہوتا ہے کہ اصل عبارت مین جو زور بیان ہے مترجم کا قلم اسے سنبھالنے کی کوشش مین درماندہ رہا ہے، لیکن عمومی حیثیت سے اسے ایک اچھا ترجمہ کہہ سکتے ہین، اس خطبہ کے پہلے بھی متعدد تراجم شائع ہوچکے ہین،

ورڈسورتھ اور اسکی شاعری، از جناب میر حسن مدیر مجلہ عثمانیہ، حجم ۱۸۴ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت مجلد عہ مولف سے بی بی الاوہ، نمبر ۳۰۰، حیدرآباد، دکن کے پتہ سے مل سکتی ہے،

ورڈسورتھ، انگریزی ادب کا معیاری شاعر ہے، جناب میر حسن نے اس کو اردو دان طبقہ سے روشناس کیا ہے، اور اس رسالہ مین اس کے سوانح اور کلام کو پیش کیا ہے، لیکن یہ حصے الگ الگ نہین، بلکہ اولاً ورڈسورتھ کا ابتدائی تعارف کرا کر خود اس کے کلام کی روشنی مین اسے مختلف دورے گذارنا شروع کیا، یہانتک کہ وہ شاعر بنکر نمودار ہوا، اور اوسکی نظمین سامنے آنے لگین، پھر اسکی زندگی مین جو واقعات پیش آتے گئے، اور نظمون کے جو اثرات پیدا ہوتے گئے، اور اسکی طبیعت پر فلسفہ و شعر کے جس مسلک و مشرب کے رجحانات رہے، سب کو اسی سلسلہ مین بیان کیا ہے، اور پھر اس کی زندگی اور شاعری پر جو تنقیدین ہوئین، اور خود مرتب کو اسکی شاعری مین جو معیار اور اسکے فلسفہ مین جو رجحان نظر آیا، اسکو اسی سلسلہ سوانح مین بیان کیا ہے، اور جابجا دوسرے شعراء سے اس کا موازنہ بھی کیا ہے، مولف نے یہ ایک اچھا طریق سوانح نگاری اختیار کیا ہے، اگر اسی رنگ پر وہ دوسرے باکمال شعراء یورپ کو روشناس کرنے مین کامیاب ہوجائین جیسا کہ ان کا قصد ہے، تو اردو کی ایک مفید خدمت انجام دینگے، لیکن ضرورت ہے کہ تحریر اور انداز بیان مین اختصار ملحوظ رکھا جائے، اور طریق ادا مین بھی شگفتگی پیدا کیجائے اگرچہ نظمون کا ترجمہ صاف، سلیس اور روان ہے، اور اس کتاب مین براعظم یورپ کا نام اس طرح پر لیا گیا ہے، کہ شبہ ہوتا ہے کہ شاعر کسی مشرقی ملک کا باشندہ ہے، طریق ادا مین ایسے التباسون سے بچنے کی بھی ضرورت ہے، اسیطرح

مولف نے اپنے دیباچہ مین دکھایا ہے، کہ مولنا حالی اپنی جدید نظمون مین اسکی شاعری سے متاثر ہوئے ہین، ہمین اس نظریہ کے ماننے مین بہت کچھ تامل ہے، بہرحال توقع ہے کہ ادبی حلقون مین یہ رسالہ دلچسپی سے دیکھا جائے گا،

طب النبی، مؤلفہ جناب حکیم غلام غوث صاحب حجم ۱۲۸ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی، قیمت ۸ر

مؤلف سے اشراق الاسلام، نوان کوٹ، ڈاکخانہ بکالاڑان، ریاست بہاولپور کے پتہ سے ملسکتی ہے،

دور حاضر مین احادیث پر جو حملے کئے جاتے ہین، ان مین کتب احادیث کی کتاب الطب بھی نشانہ بنائی جاتی ہے اور بعض احادیث کا محض اسلئے استخفاف ہوتا ہے کہ ان کے ناقص علم مین وہ علم طب کے اصول کے منافی ہین، جناب مولوی حکیم غلام غوث صاحب ہمارے شکریہ کے مستحق ہین، کہ انھون نے زیر نظر رسالہ طب النبی مین، طب نبوی کو طب یونانی اور جدید علم طب کے معیار پر پرکھنے کی خدمت انجام دی ہے، کتاب کے دو حصے ہین، اولاً طب النبی بالادویۃ الطبعیہ ہے جو دو ابواب "کلیات" و "مفردات" پر مشتمل ہے، "کلیات" گویا "اصول حفظان صحت" کے بیان مین ہے جسمین مختلف احادیث کو حفظان صحت کے جدید اصولون سے منطبق کیا گیا ہے، اگرچہ اس مین بعض مقامات پر تشفی بخش تطابق نظر نہین آتا کہ مصنف جس توجیہ کے ساتھ اس حدیث کو منطبق کرنا چاہتے ہین، وہ اسلئے صحیح نہین کہ خود اسی حدیث ہی مین اس توجیہ کے خلاف کوئی دوسری وجہ اس حکم کی بیان کر دیگئی ہے، مثلاً ص ۱۹ اور ۲۶ وغیرہ مین "دخانیت" "تخنون سے اونچا پائجامہ" اور "تمباکو" وغیرہ کے بیانات، تاہم مصنف کی محنت و فکر لائق ستایش ہے، اور بظاہر اکثر جگہ وہ اپنے مقصد مین کامیاب ہوئے ہین، اور "مفردات" کے بیان مین، احادیث مین جن جن اشیاء و ادویہ سے علاج کا ذکر آیا، اور جو طریقے درج ہین، ان کے خواص و اثرات کو دکھایا ہے، کتاب کا دوسرا حصہ "طب النبی بالدعا" ہے، جس کو مولنا عاشق الٰہی صاحب مترجم قرآن مجید نے چند صفحون مین آخر مین منسلک کر دیا ہے، جس مین امراض کے متعلق ماثور دعائین نقل کیگئی ہین، لیکن یہ حدیثین بلا حوالہ درج ہین، اور پہلے حصہ کی حدیثین جو باحوالہ درج کیگئی ہین، انمین بعض حدیثین ضعیف اور موضوع بھی آگئی تھین، مولنا عاشق الٰہی صاحب نے اپنے حواشی مین ان کی تصحیح کا فرض ایک حد تک انجام دیدیا ہے،

"ز"